خلاصۂ مضامین قرآن کریم

مفتی محمد ثناء الرحمٰن

خلاصۂ مضامین قرآن کریم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقہوا قولی
۱

نام کتاب	خلاصہ مضامین قرآن کریم
ترتیب	مفتی محمد ثناء الرحمٰن
طبع اوّل	رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ
طبع ثانی	شعبان المبارک ۱۴۳۶ھ
طبع ثالث	شعبان المبارک ۱۴۳۸ھ
طبع چہارم	شعبان المبارک ۱۴۴۱ھ
کمپوزنگ	فیصل احمد
طابع	**کمبائنڈ پرنٹنگ پریس**
بہ اہتمام	مکتبة الحجازی
ناشر	مکتبة دارالخلیل

اهم گزارش

خلاصہ مضامین قرآن کریم کی کمپوزنگ اور دورانِ طباعت حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات واحادیثِ مبارکہ اور دیگر فقہی عبارات میں کوئی غلطی واقع نہ ہو۔ پھر بھی قارئین کرام میں سے کسی کو کوئی کمی محسوس ہو تو ازراہِ کرم ادارے کو مطلع فرمائیں ادارہ شکر گزار رہے گا۔

مزید تفصیلات کے لئے

مدرسہ مفتاح العلوم

جامع مسجد اسلامیہ بطحہ ٹاؤن، بلاک ''این''، نارتھ ناظم آباد، کراچی

0333-2173256 - 0334-3595001

تقریظ

شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا نور الھدیٰ صاحب نَوَّرَ اَللّٰہُ مَرْقَدَہٗ

حضرت اقدس حضرت مولانا نور الہدیٰ صاحب نور اللہ مرقدہ معروف عالم دین اور بزرگ شخصیت تھے لیکن بندے کو ان سے کبھی ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا (اس کے بعد زیارت کی سعادت نصیب ہوئی) جب بھائی ہمایوں صدیقی صاحب نے ان کی خدمت میں ''خلاصہ مضامین قرآن کریم'' کا نسخہ پیش کیا تو بہت خوش ہوئے اور چند ہی دن میں اس کا بلاستیعاب مطالعہ فرما کر فون کر کے نا صرف بندے کو مبارک باد دی بلکہ بہت دعاؤں سے بھی نوازا اور کچھ ہی دن کے بعد مندرجہ ذیل تحریر بھی لکھ کر بھجوائی، اتنی بڑی علمی شخصیت کی طرف سے یہ حوصلا افزائی بندے کیلئے بڑا اعزاز ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت کی کامل مغفرت فرمائیں اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کی دعاؤں کو ہمارے حق میں قبول فرمائیں امین۔ محمد ثناء الرحمٰن

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمدلله و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہٖ الذین اصطفیٰ

رب کائنات نے تربیت کائنات کیلئے ایک ایسی عظیم الشان کتاب نازل فرمائی کہ جس کی مثال کائنات کی تکوین سے لیکر آج تک بلکہ قیام قیامت تک انسان، جنات اور ملائکہ اکٹھے ہو کر بھی لانے سے عاجز ہیں۔ بلکہ اس کی مثال ناممکن اور محال ہے۔ جیسے اس کتاب کا بھیجنے والا رب لیس کمثلہ شئی اپنے اوصاف سلبیہ اور ثبوتیہ میں بے مثل ہے اسی طرح اس کتاب کے غیر متناہی علوم کے علاوہ اس کے تربیتی اصول بھی متحیر العقول ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

''أَلاَ اِنَّھَا سَتَکُوْنُ فِتْنَۃٌ ،فَقُلْتُ: مَاالْمَخْرَجُ مِنْھَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: کِتَابُ اللّٰہِ، فِیْہِ نَبَاءُ مَاقَبْلَکُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَ کُمْ، وَحُکْمُ مَابَیْنَکُمْ، ھُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْھَزْلِ، مَنْ تَرَکَہٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَہُ اللّٰہُ، وَمَنِ ابْتَغَی الْھُدیٰ فِیْ

غَیْرِہٖ أَضَلَّہُ اللّٰہُ، وَھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ، وَھُوَ الذِّکْرُ الْحَکِیْمُ وَھُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ، ھُوَ الَّذِیْ لَا یَزِیْغُ بِہِ الْأَھْوَاءُ، وَلَا تَلْبِسُ بِہِ الْاَ لْسِنَۃُ، وَلَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ، وَلَا یَخْلُقُ عَلٰی کَثْرَۃِ الرَّدِّ، وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہُ، ھُوَ الَّذِیْ لَمْ تَنْتَہِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْہُ حَتّٰی قَالُوْا: "اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ" مَنْ قَالَ بِہٖ صَدَقَ، وَمَنْ عَمِلَ بِہٖ أُجِرَ، وَمَنْ حَکَمَ بِہٖ عَدَلَ، وَمَنْ دَعَا اِلَیْہِ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ"

(رواہ الترمذی باب ماجاء فی فضل القرآن)

عنقریب ایک فتنہ آنے والا ہے میں نے عرض کیا: اس سے بچنے کا کیا راستہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی کتاب قرآن کریم میں تم سے پچھلوں کے مطابق بھی تذکرہ ہے اور تمہارے بعد کا بھی، نیز اس میں تمہارے درمیان ہونے والے معاملات کا حکم ہے اور یہ سیدھا سچا فیصلہ ہے۔ یہ مذاق نہیں ہے۔ جس نے اسے حقیر جان کر چھوڑ دیا اللہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ پھر جو شخص اس کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا۔ یہ اللہ کی ایک مضبوط رسی ہے اور یہی ذکر حکیم ہے اور یہ ہی صراط مستقیم ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جسے خواہشات نفسانی ٹیڑھا نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس سے زبانیں خلط ملط ہوتی ہیں۔ علماء اس سے سیر نہیں ہو سکتے۔ یہ بار بار دہرانے اور پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ اسے سن کر جن کہہ اٹھے کہ "ہم نے عجیب قرآن سنا جو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے ہم اس پر ایمان لائے" جس نے اس کے مطابق بات کی اس نے سچ کہا جس نے اس پر عمل کیا اس نے اجر پایا۔ جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل کیا اور جس نے اس کی طرف لوگوں کو بلایا اسے صراط مستقیم پر چلا دیا گیا۔

اس کتاب کی تربیت عمومی کیلئے حضور ﷺ نے امت کی دو قسمیں بتائیں، (۱) امت ایجابت اور (۲) امت دعوت اور فرمایا کہ ان دونوں کی نجات اور تربیت کیلئے صرف اور

صرف یہ ہی بے مثال کتاب قرآن عظیم ہے۔

اسی وجہ سے امت ایجابت کے قدر دان اہل علم نے اس کتاب کی خدمت کیلئے بے شمار علوم ایجاد کئے اور اس عظیم الشان کتاب کی اتنی تفسیریں تحریر فرمائیں کہ جنکے صرف نام یاد اور ضبط کرنا ہمارے جیسے لوگوں کے لئے صرف متعسر ہی نہیں بلکہ متعذر رہے

ہر مفسر نے قرآن عظیم کے علوم میں سے صرف ایک صنف مدنظر رکھ کر تفسیر لکھی۔ جیسے تفسیر طبری، ابن کثیر، مجمع البحرین کے مصنفین نے منقولات اور روایات کو مدنظر رکھ کر تفسیر لکھی، تفسیر ابی للیث کے مصنف نے روایت اور درایت دونوں کو مدنظر رکھ کر تفسیر لکھی، اور کسی نے تصوف اور سلوک کو تفسیر کا مقصد بنایا اور بعض نے قرآن کریم کے اعراب اور فصاحت و بلاغت کو سامنے رکھ کر تفسیر فرمائی جیسے قاضی بیضاوی، اور جار اللہ زمخشری۔ کسی نے لغات القرآن اور کسی نے مسائل فقیہہ کو جیسے امام راغب، اور صاحب مدارک، کسی نے خالص عقلیات کو سامنے رکھ کر تفسیر فرمائی جیسے امام رازی اور کسی نے احکام القرآن کو موضوع تفسیر بنایا جیسے امام بصاص وغیرہم۔

یہ سلسلہ صحابہ کرام سے لیکر آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا لیکن قرآن کریم کے علوم اور خواص و مزایا تا ہنوز تشنہ تکمیل ہیں قیامت تک قرآن کریم کے علوم اور تربیتی اصول وضوابط کی انتہا تک پہنچنا ممکن نہیں ہوگا۔

ہمارے دور کے فاضل نوجوان مفتی ثناء الرحمٰن مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم کراچی نے بھی مفسرین کی صف میں شامل ہو کر ''خلاصہ مضامین قرآن کریم'' کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی ہے۔ ویسے تو قرآن کریم کے خلاصے دوسرے اہل علم نے بھی لکھے ہیں لیکن ان خلاصوں میں خاص نظریات ہیں اور ہر مصنف نے اپنا اپنا مؤقف سامنے رکھ کر خلاصے تحریر فرمائے ہیں اسی وجہ سے ان خلاصوں میں جامعیت نظر نہیں آتی۔ ثناء الرحمٰن صاحب

کے ’’خلاصہ مضامین قرآن کریم‘‘میں قرآن کریم کی ہر چھوٹی بڑی سورت کے منصوص مضامین جمع کئے گئے ہیں۔علاوہ ازیں ’’خلاصہ مضامین قرآن کریم‘‘میں سہل العبارات کومد نظر رکھا گیا ہے اسی وجہ سے معمولی پڑھالکھا آدمی بھی ’’خلاصہ مضامین قرآن کریم‘‘ سے مستفیض ہوسکتا ہے۔

اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ مفتی ثناء الرحمٰن صاحب کو زیادہ سے زیادہ ہمت عطا فرمائے اور اپنی توفیق خاص سے نوازیں تاکہ آئندہ کیلئے مقتضی الحال کے مطابق دینی خدمات انجام دیتے رہیں اوران کی کتاب کوان کے متعلقین اور ہم سب کیلئے صدقہ جاریہ بنائیں۔ **امین ثم امین واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین**

حضرت شیخ الحدیث مولانا نورالھدیٰ صاحب رحمہ اللہ

بانی جامعہ ربانیہ قصبہ کالونی کراچی

۱۵رشعبان المعظم ۱۴۳۹ھ

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات	

انتساب

ان چھ عظیم ہستیوں کے نام جن کی محبت، خلوص، توجہ، فکر، نصیحت، دعاؤں اور تعلیم وتربیت نے نہ صرف یہ کہ قلم پکڑنا سکھایا بلکہ چھوٹی چھوٹی دینی خدمات بھی انہی کی مرہون منت ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ جس طرح ان حضرات کو اخلاص نصیب فرمایا اسی طرح ہمارے کاموں میں بھی اخلاص نصیب فرمادیں۔

(۱) والد محترم جناب فضل الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ

(۲) استاد محترم جناب قاری رفعت الحق صاحب مدظلہٗ

(۳) شیخی ومرشدی حضرت اقدس شہید اسلام مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ

(۴) شیخی ومرشدی حضرت اقدس مولانا محمد یحیٰی مدنی رحمہ اللہ

(۵) شیخی ومرشدی حضرت اقدس سعید الملت مفتی سعید احمد صاحب مدظلہٗ العالی

(۶) ناصح الامت حضرت مولانا ابرار الحق کلیانوی صاحب رحمہ اللہ علیہ

دعائیہ کلمات

سعید الملت شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم. اَمَّا بَعد!

مکرم ومحترم حضرت مولانا ثناء الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم نے قرآن کے خلاصۂ تفسیر پر محنت اور کوشش کر کے ایک خلاصہ تیار فرمایا ہے۔

الحمدللہ! بندہ نے اس خلاصۂ تفسیر کو مختلف جگہوں سے سنا بھی ہے اور بعض مختلف جگہوں سے پڑھا بھی ہے۔ رمضان میں جہاں تراویح کے بعد جو خلاصہ بیان کیا جاتا ہے اس کے لئے کافی وشافی ہے۔ الحمدللہ! سننے والے کے لئے دلچسپی کا باعث بھی ہے اور قرآن کے مضامین کا مختصر خاکہ ہر سننے والے کے سامنے آجاتا ہے جس سے قرآن کے سننے والے کے لئے مزید لذت اور دلجمعی کا باعث بنتا ہے۔

گویا اللہ کا خط جو بندوں کے نام ہے قرآن پاک کی شکل میں اس کو مختصر انداز میں سمجھ کر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ اس محنت کو قبول فرمائیں اور مولانا کے لئے اس خلاصے کو رفع درجات اور روحانی ترقیات کا ذریعہ بنائے۔

عرضِ مرتب

قرآن کریم اللہ رب العزت نے اپنے حبیب پاک ﷺ پر نازل فرمایا تاکہ اسکے ذریعے اپنے بندوں کو ہدایت یافتہ کرسکیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے

مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَاالْکِتٰبُ وَلاَ الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْراً نَھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَاط وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰیْ صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ . (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۵۲)

ترجمہ: آپ انہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ ایمان سے واقف تھے لیکن ہم نے اس (قرآن کریم) کو نور بنایا ہے جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔

قرآن کریم سے ہدایت کسے ملی اور کسے نہیں یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کریم سے ہدایت پانے والا شخص وہ ہے جس میں تین باتیں پائیں جائیں

(۱) قرآن کریم کو پڑھے۔

(۲) قران کریم کو سمجھے۔

(۳) قران کریم پر عمل کرے۔

جس شخص میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں گی وہ ہی شخص قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرنے والا کہلائے گا۔

آج کل کے مصروف ترین دور میں جب کہ ہر آدمی پیسہ کمانے کی مشین بنا ہوا ہے دن رات صرف اسی فکر میں گزرتے ہیں کہ میں دو اور دو چار کیسے کرسکتا ہوں اس وجہ سے اس کے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ وہ کچھ اور سوچ سکے کچھ اور کرسکے اور اپنے مصروف ترین وقت میں

سے قرآن کریم کو پڑھنے، سمجھنے اوراس پر عمل کرنے کے لئے وقت نکال سکے۔

اللہ رب العزت بھی کیونکہ علام الغیوب ہیں دل کے حال کو جاننے والے ہیں اپنے بندوں کی سستی اور بے رغبتی ان سے چھپی ہوئی نہیں ہے وہ جانتے تھے کہ میرے بندے اس کتاب کے نازل ہو جانے کے بعد بھی اور گھروں میں موجود ہونے کے باوجود بھی بلکہ دلوں میں محفوظ ہو جانے کے بعد بھی یہ ہی کہیں گے کہ اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کر سکیں، قرآن کو سمجھ سکیں اور جب ان دونوں کا ہی وقت نہیں ملتا تو اس پر عمل کیسے کر سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے لئے کہ وہ بھی قرآن کریم کی ہدایت سے محروم نہ رہیں رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ اس امت کو عطا فرمایا اور اس کا ماحول ہی ایسا بابرکت ،نورانی اور رحمتوں والا بنادیا کہ غافل سے غافل آدمی بھی اس مہینہ میں کچھ نہ کچھ وقت نکال کر اللہ کی طرف رجوع کر ہی لیتا ہے اور قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہو ہی جاتا ہے اس پر اللہ رب العزت کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے

جو اہل زبان ہیں یا جو اہل علم حضرات ہیں وہ تو اس مہینے میں خوب قرآن کریم کے مزے لوٹتے ہیں کیوں کہ ان کو سمجھ آرہا ہوتا ہے کہ ان کا رب ان سے کیا کہہ رہا ہے، کس کام کے کرنے کا حکم دے رہا ہے، کس کام سے روک رہا ہے، کس بات پر انعام دے رہا ہے، کس بات پر سزا دے گا، کون سی بات اس کو خوش اور راضی کر سکتی ہے اور کون سی بات اسے ناراض کر سکتی ہے، کس عمل کا بدلہ جنت کی صورت میں ملے گا اور کس عمل کی وجہ سے جہنم کا مستحق بن سکتا ہے۔

لیکن جو شخص نہ اہل زبان ہے نہ اہل علم ہے اور نہ اس کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ قرآن کریم کی تفسیر کسی عالم سے باقاعدہ پڑھ سکے اور نہ اتنی سمجھ بوجھ ہے کہ خود پڑھ سکے تو ایسا شخص کس طرح اللہ کے کلام سے ہدایت حاصل کر سکے کس طرح وہ جانے کہ اس کا رب اس سے کیا چاہتا ہے؟

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علمائے امت کو کہ انہوں نے امت کی اس ضرورت کو محسوس

کیااور رمضان المبارک میں کہیں تراویح سے پہلے کہیں تراویح کے درمیان میں اور کہیں تراویح کے بعدایسی ترتیب بنائی کہ جس میں اس دن تراویح میں جو کچھ پڑھا جائے گا یا پڑھا گیا ہے اس کا مختصر خلاصہ بیان کر دیا جائے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ ہم نے کلام الٰہی میں کیا سنا ہے۔

اللہ تعالیٰ بہترین جزائے خیر دے اہل ایمان کو بھی کہ انہوں نے بھی ان سلسلوں کی بھرپور پذیرائی کی اور علمائے کرام کی خوب ہمت افزائی کی اور دلجمعی اور شوق وذوق کے ساتھ ان دروس میں شرکت کی جس کی وجہ سے الحمدللہ یہ سلسلہ چل پڑا اور اللہ رب العزت نے اس سلسلے کو امت کے استفادے کیلئے عام فرمادیا چنانچہ اب تقریباً ہر مسجد میں ہی اس کا اہتمام کیا جانے لگا ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

لیکن کیونکہ اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے حفاظ کی بھی بہت کثرت ہوگئی ہے اور الحمدللہ اس میں روز افزوں اضافہ ہی ہے اسلئے تراویح کا اہتمام مساجد کے علاوہ گھروں میں بھی ہونے لگا ہے اور وہاں بھی لوگوں کی چاہت یہ ہوتی ہے کہ یہاں بھی یہ مبارک سلسلہ شروع ہوجائے جس کے ذریعے ہم اپنے رب کے کلام کو سمجھ سکیں لیکن کیونکہ سارے حفاظ عالم نہیں ہوتے اسلئے علمائے امت نے اس ضرورت کو بھی محسوس کر کے ان دروس کو کتابی شکل میں شائع کرنا شروع کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کوشش کو بھی شرف قبولیت سے نوازا جس کی وجہ سے اب تک اس موضوع پر کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

''خلاصہ مضامین قرآن کریم'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کی وجہ تالیف یہ بنی کہ ۲۰۰۱ء میں جب جامع مسجد فلاح میں امامت کی ذمہ داری ڈالی گئی تو رمضان المبارک میں تراویح کے بعد بندے کی بھی خواہش ہوئی کہ کوئی ایسا ہی سلسلہ شروع ہو اس سال تو کوئی ترتیب نہ بن سکی مگر اگلے سال الحمدللہ یہ سلسلہ مولانا اسلم شمسی صاحب کی ''کتاب 'مستند خلاصہ مضامین قرآنی رکوع بہ رکوع'' سے شروع ہوا دو تین سال تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا

رہا ۲۰۰۸ء میں شہید ختم نبوت حضرت مولانا سعید احمد جلا پوری صاحب رحمہ اللہ اعتکاف کے لئے تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ ''میاں کیا ادھر ادھر کی کتابوں سے درس دیتے رہتے ہو اپنا درس ترتیب دو اور اس سے درس دیا کرو'' اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان کو کروٹ کروٹ سکون نصیب فرمائے ان کے اس حکم کی وجہ سے یہ ارادہ کرلیا کہ ان شاء اللہ اگلے سال اپنی ترتیب خود بنائیں گے۔ چنانچہ اگلے سال رمضان المبارک میں روزانہ کی ترتیب پر درس تیار کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ یہ تو کافی مشکل اور وقت طلب کام ہے کیونکہ رمضان المبارک میں ذمہ داریاں ویسے ہی بڑھ جاتی ہیں اس لئے کافی مشکل پیش آنے لگی کبھی درس تیار کرنے کا وقت مل جاتا کبھی نہیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہماری اہلیہ محترمہ کو کہ انہوں نے اپنی دیگر مصروفیات کے باوجود اس کام میں معاونت کی بندہ انہیں مختلف کتابوں میں نشان لگا کر دے دیتا اور وہ اس کو لکھ دیا کرتیں لیکن اس کے باوجود کچھ درس رہ گئے اعتکاف کے دوران اس کام میں معاونت عزیزم مولانا فرحان صدیقی اور عزیزم مولانا سید حارث سلمہما نے خوب کی۔

اس سال جو کچھ کام ہوا وہی رجسٹر کئی سال تک چلتا رہا اسی میں کبھی کچھ زیادتی ہوجاتی کبھی کچھ کمی ہوجاتی بہرحال یہ سلسلہ چلتا رہا اسی دوران کئی نمازیوں نے بار بار تقاضہ کیا کہ آپ اس کو شائع کریں مگر کبھی اس کی ہمت ہی نہ ہوئی بلکہ ان کو حضرت مولانا اسلم شیخوپوری صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''خلاصۃ القرآن'' کی طرف متوجہ کردیتا۔

۲۰۱۰ء میں جامع مسجد اسلامیہ میں امامت کی ذمہ داریاں منتقل ہوجانے کے بعد جب ایک مرتبہ وہ رجسٹر ہی کہیں غائب ہوگیا تو بڑی پریشانی ہوئی اور دوبارہ درس کو ترتیب دینا شروع کیا مگر جب ایک دو روز کے بعد رجسٹر مل گیا تو پھر اسی سے کام چلا لیا مگر دل میں یہ خیال آنا شروع ہوگیا کہ اب اس کو صحیح طور پر جمع کر ہی لیا جائے تاکہ آئندہ کوئی ایسی دشواری نہ ہو مگر مصروفیات کی زیادتی اور اپنی کم ہمتی کی وجہ سے کچھ ہی دروس پر کام ہوسکا اور پھر یہ سلسلہ اگلے سال تک کے لئے رک گیا اگلے سال پھر چند پاروں پر ہی کام ہوسکا۔

۲۰۱۲،۲۰۱۳ء میں جب ''**المکتبہ الحجازیہ للدعوۃ**'' کے تحت احباب نے کام

شروع کیا اور ''نورانی قاعدہ اور آسان نماز'' شائع کیں اور ہزاروں کی تعداد میں ھدیۃً تقسیم کیں تو ساتھ ہی بندے پر بھی زور لگایا کہ آپ بھی اس کام کو مکمل کریں ہم اسکو بھی شائع کریں گے چنانچہ جناب ہمایوں صدیقی صاحب نے تو اس کا ٹائٹل بھی بنا کر سامنے لا کر رکھ دیا کہ ہم نے کام کی ابتداء کردی ہے اور اب آپ اس کو تکمیل تک پہنچائیں ادھر انہی کے بھائی جناب روش صدیقی صاحب کی طرف سے اصرار ہوا کہ ان دروس کو جہاں کتابی شکل میں شائع کیا جائے وہیں اس کو آڈیو سی ڈی میں بھی ٹیپ کر کے شائع کیا جائے یہ ان لوگوں کے خلوص ہی کی برکت ہے کہ جو کام نو سال سے مکمل نہیں ہو پا رہا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے اس سال ۲۰۱۴ء میں مکمل کرا دیا اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ بہترین جزائے خیر عطا فرمائے شیخی و مرشدی سعید الملت حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم کو جنہوں نے اس مجموعے پر نظر ثانی فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا اور ساتھ ہی میں مشکور ہوں عزیز مکرم اویس احمد شیخ سلمہٗ اور بھائی فیصل صاحب کا بھی جنہوں نے اس مجموعے کو کمپوز کرنے اور اس کی پروف ریڈنگ کرنے میں بندے کی معاونت کی ۔ اللہ رب العزت ان تمام احباب کو بہترین جزائے خیر نصیب فرمائے اور اس کتاب کو ہم سب کی نجات کا ذریعہ بنائے۔

دو وجوہات کی وجہ سے بندہ اللہ رب العزت سے یہ دعا کرتا ہے کہ اس کتاب کو قبولیت اور مقبولیت عطا فرما دیجئے اور وہ یہ کہ:۔

(۱) اس کتاب کی ابتداء شہید ختم نبوت حضرت مفتی سعید احمد جلال پوری رحمہ اللہ کے حکم سے ہوئی۔

(۲) ان دروس پر کام ۳۰ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ بمطابق ۴/اکتوبر ۲۰۰۵ء میں شروع کیا اور صرف دو دن کے بعد ۲ رمضان المبارک کو جمعہ کی نماز کے بعد حضرت سعید الملت مفتی سعید احمد صاحب نے اپنی نسبت یعنی خلافت و اجازت مرحمت فرمائی۔

ان دونوں بارگائے الٰہی کے مقبول اور سعید بندوں کی دعاؤں کی وجہ سے ہی امید قوی ہے کہ اللہ رب العزت اس چھوٹی سی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازیں گے اللہ رب

العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس خدمت کو قبول فرما کر بندے اور اسکے احباب کا حشر بھی ان لوگوں کے ساتھ فرمائیں جن کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا
مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ.

ترجمہ: اور جو لوگ سعید ہیں وہ جنت میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں۔

(مفتی) ثناء الرحمٰن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥
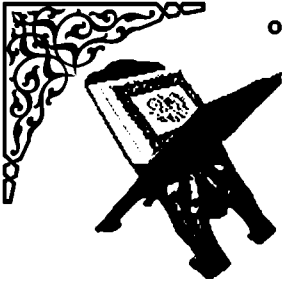
پہلی تراویح

سورۃ الفاتحہ، الٓمٓ (مکمل) تا سَیَقُوۡلُ رُبع

الحمدللہ آج کی تراویح میں سوا سپارے کی تلاوت کی گئی ہے جس میں سورہ فاتحہ مکمل اور سورہ بقرۃ کے ۱۲ رکوع کی تلاوت کی گئی ہے۔

سورۃ الفاتحہ

قرآن کریم کی ابتداء سورہ فاتحہ سے کی گئی ہے اس میں ایک رکوع اور سات آیات ہیں سورہ فاتحہ مکی دور کی ابتداء میں نازل ہوئی بعض علماء کے نزدیک یہ دومرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں۔

اس سورت کے بہت سے نام ہیں جن میں سے چند مشہور نام یہ ہیں:

☆الفاتحہ ☆ام الکتاب ☆ام القرآن ☆السبع المثانی وغیرہ

سورہ فاتحہ نہ صرف موجودہ ترتیب کے لحاظ سے قرآن کریم کی پہلی سورت ہے بلکہ یہ وہ پہلی سورۃ ہے جو سب سے پہلے مکمل نازل ہوئی اس سے پہلے کوئی سورت مکمل نازل نہیں ہوئی تھی صرف چند سورتوں کی کچھ آیات نازل ہوئیں تھیں۔ اس سورت کو قرآن کریم کے شروع میں رکھنے کا بظاہر منشاء یہ ہو کہ جو شخص قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہو اسے سب سے پہلے اپنے خالق و مالک کی صفات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور ایک حق کے طلب گار کی طرح اسی سے ہدایت مانگنی چاہئے۔

احادیث شریفہ میں سورہ فاتحہ کے بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورہ فاتحہ کو قرآن کریم کی عظیم ترین سورۃ فرمایا۔

(۲) سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم سورہ فاتحہ کی مثل نہ توریت میں اتاری گئی، نہ انجیل میں، نہ زبور میں اور نہ ہی قرآن کریم میں اتاری گئی۔

(۳) درمنثور میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چار چیزیں اس خزانے سے اتاری گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے (۱) سورہ فاتحہ (۲) آیۃ الکرسی (۳) سورہ بقرۃ کی آخری آیات (۴) سورہ کوثر

(۴) درمنثور میں ہی ہے کہ ابلیس کو چار مرتبہ رونا آیا (۱) جب وہ ملعون قرار دیا گیا (۲) جب زمین پر اتارا گیا (۳) جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی (۴) جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔

سورہ فاتحہ قرآن کریم کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے کیونکہ قرآن کریم میں چار قسم کے علوم بیان کئے گئے ہیں:

(۱) علم الاصول (۲) علم العبادات (۳) علم السلوک (۴) علم القصص

سورہ فاتحہ کی آیات میں یہ تمام علوم پائے جاتے ہیں۔

علم الاصول:

اس کے تحت تین چیزیں ہیں۔ (۱) توحید (۲) رسالت (۳) قیامت۔ پس سورہ فاتحہ کی پہلی دو آیتوں میں توحید پانچویں اور چھٹی آیت میں رسالت اور تیسری آیت میں قیامت کا ذکر ہے۔

علم العبادات:

اس کی طرف چوتھی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کے ذریعے۔

علم السلوک:

اس کی طرف چوتھی آیت کے دوسرے جزو اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡن سے اشارہ کیا گیا ہے۔

علم القصص:

اس کی طرف غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْن سے اشارہ فرمایا گیا ہے۔

بہر حال سورہ فاتحہ ایک بے مثل دعا ہے اس میں بندوں کو وہ دعا سکھائی گئی ہے جو ایک طالب حق کو اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہئے یعنی سیدھے راستے کی دعا۔ اس طرح اس سورت میں صراط مستقیم یا سیدھے راستے کی جو دعا مانگی گئی ہے پورا قرآن کریم اس کی تشریح ہے کہ یہ پورا قرآن کریم ہدایت کا ذریعہ اور صراط مستقیم ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص رات کو سوتے وقت سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھ لے تو موت کے سوا ہر چیز سے امان میں رہے گا۔

سورۃ البقرۃ

اس کے بعد سورہ بقرہ شروع ہو رہی ہے۔ جو قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت ہے۔ اس میں ۴۰ رکوع اور ۲۸۶ آیات ہیں اور یہ مدنی سورت ہے۔

قرآن کریم میں دو طرح کی سورتیں ہیں:

(۱) مکی:۔ مکی وہ سورتیں کہلاتی ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہوں چاہے وہ کسی بھی مقام پر نازل ہوئیں ہوں۔

(۲) مدنی:۔ مدنی سورتیں وہ کہلاتی ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں ہوں چاہے کسی بھی مقام پر نازل ہوئی ہوں۔

اس سورت کے بھی احادیث میں بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:۔

(۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ بے شک شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جائے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورہ بقرۃ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کر لینا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے اور وہ اہل باطل اس پر قابو نہیں پا سکتے۔

(۳) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک بلند حصہ ہوتا ہے اور قرآن کا بلند حصہ سورہ بقرہ ہے۔ اس میں ایک آیت ہے جو تمام آیات کی سردار ہے یعنی آیت الکرسی اور یہ جس گھر میں پڑھی جائے اس گھر میں شیطان نہیں رہتا۔

اس سورت کا نام ''بقرۃ'' اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس کی آیت نمبر ۶۷ تا ۷۳ میں ایک بقرۃ یعنی گائے کے واقعہ کا ذکر ہے جسے ذبح کرنے کا حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

بنی اسرئیل کے ایک مالدار شخص کو اس کے بھتیجے نے قتل کر دیا پھر لاش اٹھا کر رات کی تاریکی میں کسی سڑک پر ڈال دی اور پھر خود ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس شکایت لے کر پہنچ گیا کہ قاتل کو پکڑ کر سزا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے انہیں گائے ذبح کرنے اور اس کا گوشت مقتول کے جسم کے ساتھ لگانے کا حکم دیا ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے مقتول کو زندہ کر دیا اور اس قتل کی نشاندہی کر دی۔

سورہ بقرۃ کے اس واقعہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دو غلط عقیدوں کی اصلاح کر دی:۔

(۱) بعض یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مرنے کہ بعد دوبارہ زندہ نہیں ہونا اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے ذریعے ان کے اس عقیدے کو غلط ثابت کر دیا کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

(۲) بنی اسرائیل نے گائے کی پوجا کی اللہ نے انہی کے ہاتھوں گائے کو ذبح کروا دیا کہ جس کی عبادت اور پوجا کرتے ہو اسی کو اپنے ہاتھوں ذبح کرو۔

اس سورۃ کی ابتداء حروف مقطعات سے کی گئی ہے یعنی ''الۗمّۗ'' سے صحیح بات یہ ہے کہ ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک راز ہے جس کی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور عقیدے یا عمل کا کوئی مسئلہ اس کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔

ابتداء کا یہ انداز عربوں کے ہاں اجنبی تھا اس انداز کے ذریعے ان کی توجہ اپنی طرف

مبذول کروالی گئی کہ یہ قرآن کریم کسی انسان کی کاوش کا نتیجہ نہیں کیونکہ تمام انسان مل کر بھی ان حروف کے کوئی حتمی معنیٰ نہیں بتا سکتے اور اسکے آگے سب کے علم ختم ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد انسانوں کی تین قسموں کا ذکر کیا گیا ہے:۔

(۱) مؤمن (۲) کافر (۳) منافق

مؤمن کے ذکر میں اس کی پانچ صفات کا تذکرہ ہے:۔

(۱) ایمان بالغیب (۲) نماز کا قائم کرنا (۳) زکوٰۃ کا ادا کرنا (۴) تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنا (۵) آخرت کی بلا شک وشبہ تصدیق۔

عجیب بات یہ ہے کہ ایمان والے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے صرف چار آیات میں اور کافر کا ذکر صرف دو آیات میں کیا ہے اور تیسری قسم منافقین کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے تیرہ آیات میں کیا ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ منافقین کفار سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں کہ یہ آستین کے سانپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

منافق کی تعریف:

منافق کہتے ہیں جو ایمان کو ظاہر کرتا ہے اور کفر کو چھپاتا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جو ایمان کو ظاہر کرتا ہے مگر باطن میں کفر بھرا ہوا ہے اور وہ اس پر مطمئن ہے۔

(۲) جو باطنی اور ظاہری ہر لحاظ سے متذبذب ہوتا ہے اور ظاہراً و باطناً شک میں ہوتا ہے۔

ان دونوں قسموں کے منافقین کا نفاق شدید ہوتا ہے اور ان کا اعتقاد فاسد ہوتا ہے ان آیات میں ان ہی دونوں قسموں کا تذکرہ ہے۔

(۳) جو اخلاقی اور عملی منافق ہوتا ہے۔ ایسا شخص اپنے گناہوں کی وجہ سے آخرت کے نقصان کو دنیا کے نقصان پر ترجیح دیتا ہے اور دنیا کے نفع کو آخرت کے نفع پر ترجیح دیتا ہے یہ ایسے منافق ہوتے ہیں کہ اگرچہ ان میں ایمان ہوتا ہے مگر یہ لوگ آخرت کو دنیا پر ترجیح نہیں دیتے اس کی مثال آج کے اکثر مسلمان ہیں کہ ایمان تو ہے مگر دنیا میں ایسے مگن ہیں کہ آخرت کی فکر ہی نہیں۔

ان تیرہ آیات میں منافقوں کی بارہ خصلتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے یعنی:۔

(۱) جھوٹ (۲) دھوکا (۳) عدم شعور

(۴) قلبی بیماریاں (یعنی حسد، تکبر، حرص وغیرہ) (۵) مکروفریب

(۶) بیوقوفی (۷) احکام الٰہی کا مذاق اڑانا

(۸) زمین میں فتنہ وفساد پھیلانا (۹) جہالت

(۱۰) ضلالت (۱۱) تذبذب (۱۲) اہل ایمان کا مذاق اڑانا۔

یعنی یہ تمام خصلتیں اور عادتیں جو درحقیقت انتہائی خطرناک بیماریاں ہیں منافقین میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان سے مطلع فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان اپنے آپ کو ان سے بچاسکیں۔

اس کے بعد حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا سبق آموز قصہ ذکر کیا گیا ہے جو ابلیس کے ساتھ پیش آیا اس قصہ میں حق وباطل اور خیر وشر کی دائمی کشمکش کی نشاندہی کی گئی ہے۔

یہ قصہ حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت شان بیان کرتا ہے کہ جیسے ہی غلطی ہوئی ویسے ہی اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے توبہ کرلی اور اس کے ذریعے اپنی قیامت تک آنے والی اولاد کو یہ سبق دے دیا کہ غلطی کو تسلیم کرلینا اور اس پر ندامت کا اظہار کرلینا اور توبہ واستغفار کرلینا ہی انسانیت کا کمال ہے۔

توبہ کی قبولیت کی تین شرطیں ہیں:۔(۱) اس گناہ وغلطی کو فوراً چھوڑ دینا (۲) غلطی ہوجانے پر ندامت کا اظہار (۳) آئندہ اس غلطی وگناہ کو نہ کرنے کا پکا عزم۔

اس سورت کے پانچویں رکوع سے تیرہویں رکوع تک بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات تذکرہ ہے (بنی اسرائیل یہودیوں کو کہا جاتا ہے اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے عبرانی زبان میں ''اسراء'' کا معنیٰ ''عبد یعنی بندہ'' کے ہیں اور ایل کے معنیٰ ''اللہ'' کے ہیں یعنی اسرائیل کے معنیٰ ہوئے ''اللہ کا بندہ'' اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہی ایک بیٹے کا نام ''یہودا'' تھا اسی کی نسبت سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔) اللہ تعالیٰ نے ان کو دینی ودنیوی بے شمار نعمتوں سے نوازا جیسے ☆ ایمان کی نعمت ☆ دنیاوی خوشحالی کی نعمت

☆فرعون سے نجات کی نعمت ☆ پتھر سے بارہ چشمے جاری کرنے کی نعمت ☆ آسمان سے من وسلویٰ اتارنے کی نعمت ☆ بادلوں کا سایہ کرنے کی نعمت وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اس کے باوجود انہوں نے اللہ کا شکر ادا نہ کیا اور کفران نعمت میں مبتلاء ہوئے جس کے نتیجے میں یہ قوم ذلت ومسکنت سے دوچار ہوئی چنانچہ انہوں نے ☆حق کو چھپایا ☆ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا ☆ بچھڑے کو معبود بنایا ☆ اریحا شہر میں متکبرانہ انداز میں داخل ہوئے ☆ انبیاء کو قتل کیا ☆ کلام الٰہی یعنی توریت میں لفظی ومعنوی تحریفات کیں ☆ بغض وحسد کی بیماریوں میں مبتلا ہوئے ☆ مقرب فرشتوں سے بیزاری کا اظہار کیا ☆ جادوٹونے وغیرہ سیکھے اور اس کے ذریعے لوگوں کو پریشان کیا۔ ان تمام بداعمالیوں کے باوجود ان کا دعویٰ تھا کہ جنت میں صرف یہودی ہی جائیں گے اور یہ ہی دعویٰ اسی طرح نصاریٰ نے بھی کیا کہ جنت میں صرف وہ ہی جاسکتے ہیں۔

اس کے بعد آیت ۱۲۴ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہورہا ہے جس میں ان کی عظمت شان بیان کی گئی ہے کہ ہر قوم انکی طرف نسبت کو باعث فخر سمجھتی ہے لیکن انکی تعلیمات سے اعراض بھی کرتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انکی تعلیمات سے صرف شقی، احمق، اور جو خواہشات کے غلام ہوں وہ ہی اعراض کرسکتے ہیں ورنہ نجات کا واحد ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات ہیں اور یہ ہی تعلیمات حضور اکرم ﷺ کی بھی ہیں چنانچہ نجات کا حصول آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کے بغیر ممکن نہیں۔

سیقول (دوسرا پارہ)

اس پارے کے شروع میں تحویل قبلہ کا تذکرہ ہے۔ ہجرت کے بعد ۱۶، ۱۷ ماہ تک آپ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی لیکن آپ کی خواہش تھی کہ قبلہ تبدیل ہوجائے یعنی بیت اللہ کو قبلہ بنادیا جائے۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ بار بار آسمان کی طرف رخ کرکے دیکھتے کہ شاید کوئی وحی آجائے تحویل قبلہ کا حکم لے کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش کا احترام فرمایا اور قبلے کی تبدیلی کا حکم فرمادیا۔ یہود نے جو مدینہ منورہ میں بکثرت

رہا کرتے تھے کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو کس چیز نے قبلے سے پھیر دیا؟

تحویل قبلہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام دیا کہ اللہ تعالیٰ سمت قبلہ سے پاک ہے وہ کسی سمت کا محتاج نہیں بلکہ تمام جہات اللہ ہی کی ہیں۔

ان آیات سے آپ ﷺ کا حسن ادب بھی معلوم ہوگیا کہ باوجود خواہش کے آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم پر راضی رہے۔

سورہ بقرہ کے پانچویں رکوع اور چالیسویں آیت سے بنی اسرئیل سے متعلق جو سلسلہ کلام شروع ہوا تھا وہ اٹھارویں رکوع پر پورا ہوگیا اور آخر میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کردی گئی ہے کہ وہ فضول بحثوں میں پڑنے کے بجائے اپنے دین پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ اور انیسویں رکوع سے اسلامی عقائد اور احکام کا بیان شروع ہو رہا ہے جس کی ابتداء میں مسلمانوں کو صبر اور نماز پر ثابت قدم رہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

قرآن وحدیث کی تعلیمات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صبر کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کسی تکلیف یا صدمے پر روئے نہیں۔ صدمے کی بات پر رنج کا اظہار انسان کی فطرت میں داخل ہے اس لئے شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی اور جو رونا بے اختیار آجائے وہ بھی بے صبری میں داخل نہیں البتہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ صدمے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر انسان عقلی طور پر راضی رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی ڈاکٹر آپریشن کرے تو انسان کو تکلیف تو ہوتی ہے اور بعض اوقات اس تکلیف کی وجہ سے انسان بے ساختہ چیخ بھی پڑتا ہے لیکن اسے ڈاکٹر سے شکایت نہیں ہوتی کیونکہ اسے یقین ہے کہ ڈاکٹر جو کچھ کر رہا ہے اس کی ہمدردی اور مصلحت میں ہی کر رہا ہے۔

قرآن وحدیث کی تعلیمات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مؤمن پر مصیبت یا پریشانی کئی وجوہات کی وجہ سے آتی ہے مثلاً:۔

☆ کبھی گناہوں کی سزا کے طور پر

☆ کبھی کفارہ سیئات کے لئے (گناہوں کو مٹانے کیلئے)

☆ کبھی رفع درجات کے لئے ☆ اور کبھی امتحان کیلئے آتی ہے۔

☆ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔(بخاری)

☆ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کیلئے جنت میں ایک مقام بنایا ہوا ہے اگر وہ عبادات کے ذریعے وہ مقام حاصل نہیں کر پاتا تو اس کو مصائب دیتے ہیں اور جب وہ اس پر صبر کرتا ہے تو وہ اس مقام کو حاصل کر لیتا ہے۔(مشکوٰۃ، ریاض الصالحین)

☆ایک حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان کو تھکان، بیماری، غم، تکلیف اور کانٹا لگنے سے جو پریشانی ہوتی ہے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیتے ہیں۔(متفق علیہ)

☆ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے پاس مؤمن انسان کے لئے جب میں اس کی دنیاوی محبوب چیز کو چھین لوں اور وہ صبر کرے، سوائے جنت کے کوئی بدلہ نہیں۔(بخاری)

اس لئے صدمہ اور رنج وغم کے وقت واویلا اور شور نہیں کرنا چاہئے اور نہ شکوہ وشکایت کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا چاہئے اور کثرت سے انا للہ وانا الیہ راجعون کا ورد کرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی مسلمان کو کسی نوع کی مصیبت پہنچتی ہے اور وہ انا للہ وانا الیہ راجعون بار بار پڑھتا ہے تو اسے اس مصیبت کے عوض نیکی ملتی ہے۔(درس قرآن)۔

پہلے سوا سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) کلام اللہ کی تلاوت سے پہلے ''اعوذ باللہ'' پڑھنا مسنون ہے، خواہ تلاوت نماز کے اندر ہو یا نماز سے باہر ہو۔ اس میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ انسان جب قرآن پڑھتا ہے تو شیطان سر توڑ کوشش کرتا ہے کہ وہ اس کے معانی کی طرف متوجہ نہ ہو، وسوسہ اندازی کے ذریعے وہ اس کی توجہ ادھر ادھر مبذول کر دیتا ہے۔ تعوذ کے علاوہ اعتدال کے ساتھ جہر کا حکم بھی اسی لئے ہے کہ قاری قرآن شیطانی وساوس سے محفوظ رہے۔

(۲) نماز کی پہلی رکعت کے شروع میں ''اعوذ باللہ'' کے بعد ''بسم اللہ'' پڑھنا مسنون ہے، یونہی دوسری رکعتوں کے شروع میں بھی ''بسم اللہ'' پڑھنا چاہئے، البتہ فاتحہ کے بعد تلاوت شروع کرنے سے پہلے ''بسم اللہ'' نہیں پڑھنا چاہئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ تعریف کو پسند کرتا ہے اسی لئے اس نے خود بھی اپنی تعریف کی ہے اور اپنے بندوں کو بھی اس کا حکم دیا ہے۔

(۴) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کوئی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے، مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ اس کے حق ہونے پر یقین رکھے۔

(۵) متقین کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، دنیا میں راہِ حق اور آخرت میں حقیقی اور دائمی کامیابی۔

(۶) جھوٹ، نفاق اور فریب سے احتراز لازم ہے کیونکہ جھوٹ کی آگ جلانے والا بالآخر خود ہی اس کا ایندھن بنتا ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت اور اس کی نعمتوں اور مظاہر قدرت میں غور وفکر کرنا واجب ہے کیونکہ اس سے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

(۸) ایمان اور عمل صالح ہی وہ دو بنیادیں ہیں: جن پر اللہ کے فضل وکرم سے جنت کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔

(۹) انشاءاللہ کہنے سے عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ کافروں سے دشمنی رکھتا ہے اس لئے اہل ایمان پر بھی لازم ہے کہ وہ کفار کو اپنا دشمن سمجھیں۔

(۱۱) نماز ہر جگہ ادا ہوسکتی ہے، مسلمان کے لئے بحروبر اور فضا ہر جگہ "عبادت گاہ" ہے۔

(۱۲) ہدایت کی نعمت صرف انہی کو حاصل ہوتی ہے جن کے دلوں میں خوفِ خدا ہوتا ہے۔

دوسری تراویح

سَيَقُولُ ربع تا تِلْكَ الرُّسُلُ نصف

الحمدللہ آج کی تراویح میں دوسرے سپارے کی تلاوت کی گئی ہے جس کی ابتداء سورۃ بقرہ کے بائیسویں رکوع یعنی لَيْسَ الْبِر آیت نمبر ۱۷۷ سے ہوئی ہے اس آیت کو آیت الْبِر کہا جاتا ہے اور جو احکام اس میں بیان ہوئے ہیں انہیں ابواب الْبِر کہا جاتا ہے اس آیت شریفہ میں بہت سے اعمال حسنہ اور اخلاق عالیہ کو جمع کر دیا گیا ہے جو مسلمانوں کے معاشی، تجارتی، ازدواجی، اور جہادی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے دو تو پہلے ذکر کر دیئے گئے ہیں یعنی:۔

(۱)﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ الخ بیشک صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ آیت نمبر ۱۵۸﴾: صفا، مروہ مکہ میں دو پہاڑیاں ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو اپنے دودھ پیتے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ چھوڑ گئے تھے تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پانی کی تلاش میں ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑی تھیں، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ حج اور عمرے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان سعی کرنا واجب قرار دیا ہے اگرچہ سعی واجب ہے مگر اس آیت میں کوئی ''گناہ نہیں'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ان پہاڑوں پر دو بت رکھ دیئے گئے تھے جن کی کفار عبادت کیا کرتے تھے جو اگرچہ بعد میں ہٹا لئے گئے تھے مگر پھر بھی بعض صحابہ کو یہ شک ہوا کہ شاید ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا زمانہ جاہلیت کی نشانی ہونے کی وجہ سے گناہ ہو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت شریفہ نازل فرما کر اس شک کو دور کر دیا

کہ اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کا حج پورا نہیں کرے گا جو صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کرے گا۔ (صحیح بخاری)

(۲) ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الخ آیت نمبر ۱۷۳﴾ مشرکین کی یہ عادت تھی کہ اپنی مرضی سے جس چیز کو چاہتے حلال کر لیتے اور جس چیز کو چاہتے حرام قرار دے دیتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ کے ذریعے سے اس کی بھی تردید فرمادی کہ حرام صرف وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے یعنی ☆ مردار ☆ بہتا ہوا خون ☆ خنزیر کا گوشت ☆ اور ہر وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو اور ان حرام کردہ چیزوں میں سے بھی اگر کوئی بحالت مجبوری جان بچانے کے لئے کچھ کھالے تو اس پر کوئی گناہ نہیں لیکن شرط یہ ہی ہے کہ اس کھانے سے مقصد حصول لذت نہ ہو بلکہ صرف اپنی جان بچانا مقصود ہو۔

ان دونوں مسئلوں کے بیان کرنے کے بعد پھر لَيْسَ الْبِرَّ آیت نمبر ۱۷۷ کے تحت نیکی کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ نیکیاں تمہارے اپنے تصورات کی کاشت کا نام نہیں بلکہ جن باتوں کو اللہ تعالیٰ نیکیاں قرار دیتا ہے وہ نیکیاں ہیں مثلاً:۔

(۱) اللہ، رسول، آسمانی کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان

(۲) اللہ کی محبت میں مستحق لوگوں پر خرچ کرنا

(۳) نماز قائم کرنا

(۴) زکوٰۃ ادا کرنا

(۵) عہد اور وعدے کا پورا کرنا

(۶) احکام الٰہی کی تعمیل میں جو پریشانیاں پیش آئیں انہیں خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا اور ان پر صبر کرنا۔

ان نیکیوں کو اجمالی طور پر بیان کرنے کے بعد ''ابواب البر کے تحت بہت سارے احکام ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) (یایها الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الخ آیت نمبر

۱۷۸) یعنی قتل کے بدلے قتل بطور قصاص فرض ہے۔ یعنی جب کوئی شخص کسی کو قتل کردے تو مقررہ شرائط کے پائے جانے کی صورت میں اس آدمی کو بھی قتل کردیا جائے گا۔ چاہے قاتل اور مقتول کے درمیان سماجی اور خاندانی، مالی اور جسمانی اعتبار سے کتنا ہی تفاوت کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قصاص کو مقرر فرمایا کہ قصاص میں زندگی ہے قاتل کی بھی اور مقتول کی بھی کہ جب قاتل کو معلوم ہوگا کہ مجھے اس کے بدلے قتل ہونا ہے تو وہ شدت غضب کے باوجود بھی قتل کرنے سے بچے گا۔ اسلام نے رحمت اور عدل کو قتل کی سزا میں جمع کردیا کہ اگر مقتول کے ورثاء بدلہ لیں اور قصاص ہی لیں تو یہ عدل ہے اور اگر معاف کردیں تو بھی فضل واحسان اور رحمت ہے۔

(۲) آیت نمبر ۱۸۰ میں یہ حکم ارشاد فرمایا کہ جب آدمی کو موت کے قریب ہونے کا احساس ہونے لگے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مال عطا فرما رکھا ہو اور اس کے ذمے لوگوں کے حقوق بھی ہوں تو اس کے ذمے لازم ہے کہ وہ حقوق کی ادائیگی کے لئے اپنے مال کی وصیت کرے تاکہ کوئی حق دار محروم نہ رہے۔

(۳) آیت نمبر ۱۸۳ سے روزے کے مسائل ذکر کئے گئے ہیں کہ ہر عاقل و بالغ مسلمان پر روزے فرض ہیں کہ وہ تقویٰ حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اس مہینہ کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ اس مہینہ میں قران کریم جیسی عظیم الشان کتاب نازل کی گئی۔

روزوں کے مسائل کے تحت مریضوں اور مسافروں کے جو احکام ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے کہ مسافروں اور بیماروں کو روزہ چھوڑنے اور قضاء کرنے کی اجازت ہے مگر جب صحت مند ہو جائے یا سفر ختم ہو جائے تو پھر روزہ رکھ لیا جائے اور اگر مریض کو مرتے دم تک صحت کی امید نہ ہو تو پھر ہر روزے کے بدلے ایک فدیہ (یعنی پونے دو سیر گندم یا اس کے مساوی رقم) دے دے لیکن اگر زندگی کے کسی بھی حصہ میں اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمادی تو پھر یہ روزے رکھنے پڑیں گے۔

(۴) آیت نمبر ۱۸۶، ۱۸۷ میں ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کی راتوں میں بیوی کے ساتھ میاں بیوی والے تعلقات قائم کرنا جائز ہیں۔ مگر اعتکاف کی حالت میں جائز نہیں۔

(نوٹ: رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف میں بیٹھنا رسول اللہ ﷺ کی بڑی اہم سنت ہے آپ نے ہمیشہ اس پر مواظبت فرمائی ہے۔)

(۵) آیت نمبر ۱۸۸ میں ارشاد فرمایا کہ کسی بھی باطل طریقے سے مال کمانا جائز نہیں خواہ وہ جوا ہو یا چوری یا غصب اور رشوت وغیرہ ہو۔

(۶) آیت نمبر ۱۸۹ میں ارشاد فرمایا کہ قمری تاریخوں کا حساب رکھنا چاہئے کہ ان کا حساب رکھنا فرض کفایہ بھی ہے اور باعث ثواب بھی وجہ یہ ہے کہ بہت سی اسلامی عبادات کا مدار اسی پر ہے مثلاً زکوۃ، روزہ اور حج وغیرہ۔

(۷) آیت نمبر ۱۹۰ تا ۱۹۵ میں ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ جہاد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور کیونکہ حق و باطل کے درمیان ٹکراؤ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اسلئے جہاد بھی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس لئے مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ جہاد کے لئے ہمیشہ تیار رہیں۔

(۸) رکوع نمبر ۲۵ میں اسلام کے اہم رکن حج کے بارے میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ سال میں ایک مرتبہ مسلمان حج کے لئے مکہ مکرمہ اور اسکے گرد و نواح میں جمع ہوں اور مقررہ تاریخ کے مطابق حج کی سعادت حاصل کریں۔ حج کیلئے مخصوص ایام ہیں اور یہ صرف زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے اور عمرے کے لئے کوئی دن یا وقت مخصوص نہیں۔

(۹) آیت نمبر ۱۹۸ میں اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا کہ حج کے دنوں میں تجارت اور خرید و فروخت کو بھی جائز فرما دیا۔

(۱۰) حج کا سب سے اہم رکن وقوف عرفات ہے اگر یہ نہ ہو تو حج بھی نہ ہوگا مگر زمانہ جاہلیت میں اہل عرب نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا تھا کہ باقی تمام لوگ تو ۹ ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں وقوف کیا کرتے تھے مگر قریش اور دوسرے بعض قبائل جو حرم کے قریب آباد تھے اور حُمس کہلاتے تھے عرفات کے بجائے مزدلفہ میں رہتے تھے اور وہیں وقوف کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس رسم کو ختم فرما دیا کہ قریش والے بھی عام لوگوں کی طرح عرفات کا وقوف کریں۔ اسی طرح مشرکین منیٰ میں جمع ہو کر آباؤ اجداد کے مفاخر بیان کیا کرتے تھے

انہیں کہا گیا کہ وہ آباء واجداد کے مفاخر بیان کرنے کے بجائے اللہ کا ذکر کریں۔

(آیت نمبر ۱۹۸ تا ۲۰۰)

(۱۱) اسی طرح کے مختلف اجتماعی احکامات بیان کرنے کے بعد گھریلو اور خاندانی زندگی کے احکامات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ کیونکہ خاندان ہی ایک معاشرے کی بنیاد بنتا ہے۔ چنانچہ مشرکوں سے نکاح کی ممانعت کی جارہی ہے۔ چاہے مشرک مرد ہوں یا عورت۔ اگر عورتیں اہل کتاب یعنی یہودی ونصرانی ہوں اور اصل مذہب پر ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں تو ان کے ساتھ نکاح جائز ہے لیکن پھر بھی مسلمان عورت سے نکاح بہتر ہے کیونکہ اولاد کی تربیت کا اصل مدار ماں کی تربیت پر ہوتا ہے اگر ماں غیر مذہب کی ہوگی تو اس کے اثرات بد اولاد اور گھریلو زندگی پر بھی پڑیں گے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اسلام میں حسب ونسب اور حسن وجمال کو دیکھنا یہ ایک ثانوی چیز ہے اصل اہمیت اسلام میں اخلاق واعمال اور حسن سیرت کی ہے۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نیک عورت کو قیمتی خزانہ قرار دیا ہے (ترمذی)

(۱۲) آیت نمبر ۲۲۲، ۲۲۳ میں عورتوں کے خاص ایام کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مقرر کر دیا گیا ہے کہ ہر مہینے میں کچھ دن عورتوں کو حیض کا خون جاری ہو جاتا ہے اور کیونکہ حیض کے خون میں ایسے جراثیم پوشیدہ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے میاں اور بیوی دونوں کی صحت خطرہ میں پڑ سکتی ہے اس لئے ان ایام میں میاں بیوی والا تعلق قائم کرنا جائز نہیں البتہ آپس میں بوس وکنار، اٹھنے بیٹھنے اور اکھٹے کھانے پینے کی اجازت ہے جبکہ یہودی اس کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے اور نصاریٰ جماع کرنا بھی برا نہیں سمجھتے تھے لیکن اسلام نے افراط وتفریط سے پاک راہ اعتدال کی تعلیم دی۔

مسئلہ: حیض ونفاس کے دوران عورتوں کو نماز روزے کی چھوٹ ہوتی ہے لیکن روزوں کی قضاء بعد میں کرنی پڑتی ہے جس میں عورتیں عموماً بہت کوتاہی کرتی ہیں اور ان پر کئی کئی سالوں کے روزوں کی قضاء ہو جاتی ہے۔ عورتوں کو چاہئے کہ سال بھر میں جتنے نفلی روزے رکھتی ہیں مثلاً شوال کے چھ روزے، شب برأت کا روزہ، محرم کے روزے وغیرہ ان کو

فرائض کی نیت سے رکھ لیا جائے تو ان شاء اللہ' اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ قضاء بھی ادا ہو جائے گی اور نفل روزے کا ثواب بھی مل جائے گا۔

مسئلہ: اسی طرح ان ایام میں مسجد میں داخل ہونا، بیت اللہ میں داخل ہونا، طواف کرنا، قرآن کریم کو چھونا اور پڑھنا جائز نہیں۔ البتہ تسبیحات اور دعائیں پڑھ سکتی ہیں۔

(۱۳) بعض لوگوں کو قسمیں کھانے کی بہت عادت ہوتی ہے بات بے بات، موقعہ بے موقعہ جھوٹی سچی قسمیں کھاتے رہتے ہیں بعض کی تو ایسی عادت ہوتی ہے کہ تکیہ کلام ہی بن جاتا ہے اور بعض کے نزدیک اس کی اہمیت ہی نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر ۲۲۴ تا ۲۲۷ تک ان ہی قسموں کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ کہ وہ قسم جو نیکی کے کام سے روکنے والی ہو نہیں کھانی چاہئے اور اگر کھالی ہے تو اس کو توڑ کر کفارہ ادا کر دینا چاہئے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے (آسان ترجمہ قرآن)

اور وہ قسم جو عادت کے اعتبار سے کھائی گئی ہو جیسا کہ عرب میں دستور ہے کہ بات بات پر قسم کھاتے ہیں اسی طرح بعض اوقات انسان ماضی کے کسی واقعے پر قسم کے ارادے ہی سے قسم کھاتا ہے۔ لیکن اس کے اپنے خیال کے مطابق وہ قسم صحیح ہوتی ہے جھوٹ بولنے کا ارادہ نہیں ہوتا لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ جو بات قسم کھا کر کہی گئی ہے وہ حقیقت میں صحیح نہیں تھی ان قسموں کو لغو کہا گیا ہے اس آیت نے بتایا کہ اس پر گناہ تو نہیں لیکن انسان کو چاہئے کہ وہ قسم کھانے میں احتیاط سے کام لے اور ایسی قسم سے بھی پرہیز کرے۔

اور ایک قسم وہ ہے جو عربوں میں ظالمانہ طور پر رائج تھی۔ کہ وہ یہ قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائیں گے۔ نتیجہ یہ کہ بیوی غیر معین مدت تک لٹکی رہتی تھی۔ نہ اسے بیویوں جیسے حقوق ملتے تھے اور نہ وہ کہیں اور شادی کر سکتی تھی ایسی قسم کو ''ایلا'' کہا جاتا ہے اس آیت نے یہ قانون بنا دیا کہ جو شخص ایلا کرے وہ یا تو چار مہینوں کے اندر اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دے اور اپنی بیوی سے معمول کے مطابق ازدواجی تعلقات بحال کرلے ورنہ چار مہینے تک اگر اس نے قسم نہ توڑی تو بیوی اسکے نکاح سے نکل جائے گی۔

انسانی زندگی کا اہم جز نکاح ہے کہ اس کے بغیر انسانی زندگی ادھوری ہے بلکہ مرد

وعورت دونوں کے گناہ میں ملوث ہونے کا بھی خطرہ ہے۔ اس لئے اللہ نے نکاح کا حکم فرمایالیکن بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دونوں میاں بیوی کے درمیان تعلقات استواء نہیں ہو پاتے تو اللہ تعالیٰ نے طلاق اور خلع کا قانون جاری فرمایا کہ اگر ساتھ رہنا ممکن نہیں تو پھر احسن طریقے سے دونوں علیحدگی اختیار کرلیں۔ اس حکم کے اہم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رکوع ۲۸، آیت ۲۲۹ سے شروع ہونے والے خلع وطلاق کے احکامات کو تقریباً چار رکوع میں بیان فرمایا ہے۔

دوسرے سپارے کے آخر میں آیت نمبر ۲۴۳ سے ۲۶۰ تک اللہ تعالیٰ نے دو واقعات ذکر فرمائے ہیں جن کا بنیادی مقصد تو جہاد کی ترغیب ہے لیکن کیونکہ بعض منافق اور کمزور طبیعت کے لوگ جہاد میں جانے سے اس لئے کتراتے تھے کہ انہیں موت کا خوف تھا ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ موت کے ڈر سے بھاگنا نہیں چاہئے اس لئے کہ موت تو آنی ہی ہے اور جب موت آنی ہی ہے تو اس میں بھی اللہ کی رضا اور مرضی کو تلاش کرنا چاہئے چنانچہ ایک واقعہ وہ ہے کہ جس میں ایک بستی میں طاعون کی وبا پھیل گئی تھی جسکی وجہ سے سب کے سب وہاں سے بھاگ نکلے اور ایک بستی میں جمع ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حکم دیا اس نے ان سے کہا ''موتوا'' یعنی مر جاؤ چنانچہ سب مر گئے اور موت سے وہاں بھی نہ بچ سکے۔

اور دوسرا واقعہ وہ ہے جس میں بنی اسرائیل اور حضرت طالوت کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے اور اس وقت کے نبی حضرت سموئیل علیہ السلام نے اپنی قوم کو جالوت کی فوج سے مقابلے کے لئے تیار کیا جو ان سے کئی گنا طاقت ور تھی لیکن بنی اسرائیل کے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی جنہوں نے اپنے نبی اور امیر کی اطاعت کی اور ان کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی اور جنہوں نے بزدلی اختیار کی اور نبی اور امیر کی اطاعت نہیں کی وہ ہمیشہ کے لئے نامراد ہوئے۔ یہ جالوت اور حضرت طالوت کا واقعہ ایسا واقعہ تھا کہ جس کی پورے طور پر خبر یہود کو بھی نہ تھی نبی امی ﷺ نے پورا واقعہ بیان کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ آپ کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے ہے جب ہی آپ کو اس واقعہ کی ساری تفصیل معلوم ہوئی ورنہ

آپ تو نبی امی ہیں آپ کو کچھ لکھنا پڑھنا تو آتا نہیں تو جو کچھ بھی بتایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی وحی کے ذریعے بتایا۔

تلک الرسل (تیسرا پارہ)

سورہ بقرہ کے آخر میں دو آیتیں ایسی ہیں جن کی فضیلت احادیث مبارکہ میں بہت آئی ہے ان میں پہلی آیت ''آیت الکرسی'' ہے جو پچاس کلمات اور دس جملوں پر مشتمل ہے اور اس میں سترہ بار ''اللہ تعالیٰ کا ذکر صراحتہً اور اشارۃً آیا ہے۔ اس کی فضیلت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرے تو جنت میں داخل ہونے کے لئے صرف موت ہی اس کی آڑ بنتی ہے۔ اور جس نے آیۃ الکرسی سوتے وقت پڑھ لی تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر، اسکے پڑوس، اور آس پاس کے گھروں میں امن رکھے گا (مشکوٰۃ)

اور دوسری آیت سورہ بقرہ کی آخری آیت ہے اس کی فضیلت کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسی دوران اوپر سے ایک آواز سنی گئی تو انہوں نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا یہ آسمان کا دروازہ آج کھلا ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا ہے جو اس سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا۔ اس فرشتے نے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ دونوروں کی خوشخبری سن لیجئے جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے (۱) سورۃ فاتحہ (۲) سورۃ البقرہ کی آخری آیات۔ ان میں سے جو بھی حصہ تلاوت کیا جائے گا اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو سوال کے مطابق عطا فرمائیں گے۔

تیسرے پارے کے آغاز میں ان خصائص کا ذکر ہے جو بعض انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے۔ کسی کو سیادت وقیادت عطا ہوئی، کسی کو بلاواسطہ ہم کلامی کا شرف عطا کیا گیا، کسی کی تائید واضح معجزات سے کی گئی۔ یہ تمام انبیاء علومرتبت کے باوجود فضل وشرف میں ایک جیسے نہیں تھے بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل تھی اسی طرح ان کی امتوں کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے چونکہ بہت ساری خصوصیات اور امتیازات کی وجہ سے نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کو تمام

انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اس لئے آپ کی امت کو بھی تمام امتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

سورہ بقرہ میں یہ اہم مضامین بھی بیان کئے گئے ہیں مثلاً ☆ انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت، ☆ سود کی حرمت ☆ دَین (قرض)، تجارت باہمی لین دین اور رہن کے احکامات بھی بیان کئے گئے ہیں یہ احکام جس آیت کریمہ میں بیان کئے گئے ہیں وہ قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم مالی معاملات کو کس قدر اہمیت دیتا ہے اور یہ کہ اسلام دین اور دنیا، عبادت اور تجارت، جسم اور روح سب کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

سورۃ کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا'' جس سے معلوم ہوا کہ اس سورۃ میں جتنے بھی احکامات بیان کئے گئے ہیں ان پر عمل کرنا نا صرف یہ کہ مشکل نہیں بلکہ ان پر عمل ہی بہترین زندگی کی ضمانت ہے۔

سورۃ آل عمران

سورہ آل عمران مدنی سورۃ ہے اور اس میں ۲۰ رکوع اور ۲۰۰ آیات ہیں کیونکہ اس میں حضرت عمران (عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی تھا اور حضرت مریم کے بھی والد کا نام تھا لیکن دونوں میں ۱۸۰۰ سال کا فرق ہے یہاں دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں) کے خاندان کا تذکرہ ہے، اس لئے اس کا نام ''آل عمران'' ہے۔

سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کے مضامین میں بہت زیادہ مطابقت پائی جاتی ہے اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو روشن سورتیں یعنی بقرہ و آل عمران پڑھا کرو۔

ان دونوں سورتوں میں اہل کتاب کو خطاب ہے مگر سورہ بقرہ میں یہودیوں سے اور آل عمران میں نصاریٰ سے زیادہ خطاب ہے۔

سورۃ آل عمران کی فضیلت:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن قرآن پاک کو لایا جائے گا اور قرآن والوں کو بھی لایا جائے گا جو اس پر عمل کرتے تھے۔ انکے آگے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہونگی جو دو بادلوں کی طرح یا دو سائبانوں کی طرح ہونگی جن کا سایہ خوب گھنا ہوگا اور ان کے درمیان خوب روشنی چمک رہی ہوگی (مسلم)۔

دوسرے سواسپارے کے چند اہم فوائد

(۱) جس علم کے اظہار اور پھیلانے کی ضرورت ہو اس کا چھپانا حرام ہے۔
(۲) کسب حلال واجب ہے اور حلال پر ہی اکتفاء کرنا چاہئے اگرچہ تھوڑا ہو۔
(۳) دین فروش قیامت کے دن چار سزاؤں کے مستحق ہوں گے:
(۱) احکامِ الٰہیہ کے بدلے جو کچھ لے کر اپنے پیٹ بھرتے رہے وہ انگارے بن جائیں گے۔
(۲) اللہ تعالیٰ انہیں اپنے کلامِ محبت سے محروم کر دے گا۔
(۳) انہیں گناہوں کی غلاظت ہی میں پڑا رہنے دیا جائے گا۔
(۴) ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔
(۴) ایمانی دعوے میں سچا صرف اسی شخص کو کہا جاسکتا ہے جس کا عمل اس کی زبان کی تائید کرے۔
(۵) جب قبولیت کی شرائط پائی جائیں تو دعا یقیناً قبول ہوتی ہے۔
(۶) صاحب تقویٰ ہونا صاحب عقل ہونے کی علامت ہے۔
(۷) جو شخص حرام کو حلال سمجھے یا واجب کو ترک کرے وہ شیطان کا پیروکار ہے۔
(۸) ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس لئے بندے کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔
(۹) اللہ تعالیٰ ہدایت کی راہ تو دکھاتا ہے مگر کسی کو قبولِ ہدایت پر مجبور نہیں کرتا۔
(۱۰) ہر فرض نماز کے بعد اور سونے سے پہلے اور گھر کو شیطانی اثرات سے پاک کرنے کے لئے آیت الکرسی کا پڑھنا مستحب ہے۔
(۱۱) احسان جتلانے سے اخلاص کے ساتھ کیا ہوا عمل بھی ریاکاری بن جاتا ہے۔
(۱۲) صدقہ میں اہمیت قلت اور کثرت کو حاصل نہیں بلکہ اصل اہمیت اخلاص کو حاصل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیسری تراویح

تِلْكَ الرُّسُلُ نصف تا لَنْ تَنَالُوا ثلث

الحمدللہ آج بھی سواسپارے کی تلاوت کی گئی ہے جس میں سورہ آل عمران کے بقیہ ۱۸رکوع کی تلاوت کی گئی ہے۔

اس سورت کی تقریباً ۸۳آیات میں نصاریٰ کے ایک وفد کا ذکر ہے یہ وفد نجران کے علاقے سے آیا تھا جو کہ یمن کا ایک علاقہ ہے اس وقت وہاں عیسائیوں کی آبادی تھی اور یہ شہر عیسائیوں کا علمی مرکز تھا۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کی خبر جب ان اطراف میں پہنچی تو یہ وفد جو کہ ۶۰ آدمیوں پر مشتمل تھا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وفد میں عیسائیوں کے بڑے بڑے پادری شامل تھے جو کہ اپنے علم وفضل کی وجہ سے عیسائیوں میں توقیر وتعظیم کی نیت سے دیکھے جاتے تھے۔

یہ وفد آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں بحث ومباحثہ کرنا چاہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۱) خودخدا تھے (۲) خدا کے بیٹے تھے (۳) تین خداؤں میں سے ایک تھے۔

اورانہوں نے دوسرے استدلات کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی ان آیات کو بھی اپنا مستدل بنایا جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے ''روح اللہ'' اور ''کلمۃ اللہ'' جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اس کے تسلی بخش جوابات مرحمت فرمائے کہ جن کو اس وفد نے تسلیم کیا انہی جوابات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم میں دو قسم کی آیات ہیں۔ ایک تو وہ جن میں بالکل وضاحت ہے اوران کا سمجھنا مشکل نہیں ایسی آیات کو محکمات کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن کا سمجھنا اللہ تعالیٰ پر موقوف ہے یعنی

اللہ تعالیٰ ہی اس کی حقیقی اور یقینی مراد اور معنیٰ کو سمجھتا ہے ایسی آیات کو متشابہات کہا جاتا ہے۔

اہل ایمان اور حق کے متلاشی حضرات ہمیشہ محکمات پر عمل کرتے ہیں اور متشابہات کے سمجھنے کی طرف اپنے ذہنوں کو نہیں دوڑاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں جو متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کے دل میں کجی اور دماغ میں فتور ہے۔

''کلمۃ اللہ'' اور ''روح اللہ'' جیسے الفاظ بھی متشابہات کی قسم سے ہیں اس لئے عیسائیوں کا ان الفاظ سے استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ جب ان کو خود بھی ان کی مراد معلوم نہیں تو اس سے استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے؟

اس کے برخلاف توحید باری تعالیٰ اور ایمان کے دلائل روز روشن کی طرح بالکل واضح ہیں ان کا انکار صرف وہ ہی کرسکتا ہے جس کے دل میں کھوٹ ہو اور وہ حق کا متلاشی نہ ہو۔

اس کے بعد تیسرے رکوع میں جہاں سے آج کی تلاوت شروع کی گئی ہے اہل کتاب یعنی یہود کی چند بداعمالیوں اور بدکرداریوں کو ذکر کیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور علمائے حق کو قتل کردیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا بیان فرمائی کہ ان کے اعمال سب غارت ہوگئے۔ اور دنیا و آخرت میں اللہ کے عذاب سے ان کو کوئی بھی نہیں بچاسکتا۔

پھر آیت نمبر ۲۸ میں اہل ایمان کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جب ان کفار کی سرکشی کا یہ عالم ہے کہ وہ کسی طرح حق کی اطاعت کرنے اور اس کو قبول کرنے پر راضی نہیں تو پھر اہل ایمان کو بھی چاہئے کہ وہ ان کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔

چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے فوز و کامیابی کو اللہ و رسول کی اطاعت کے ساتھ لازم قرار دینے کے بعد ☆ حضرت آدم ☆ حضرت نوح ☆ حضرت ابراہیم اور آل عمران علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بزرگی اور فضیلت عطا فرمائی۔

آیت نمبر ۳۵ سے حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے حضرت مریم کے والد حضرت عمران اللہ کے نیک بندے تھے اور ان کی والدہ ''حنہ بنت فاقوذ'' صاحب کردار اور پاکباز خاتون تھیں بہت عرصے تک ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ ایک مرتبہ ایک پرندے کو

اپنے بچے کو دانہ کھلاتے دیکھ کر دل پسیج گیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے رونا اور گڑ گڑانا شروع کر دیا اور ساتھ ہی یہ نذر بھی مان لی کہ اپنے بچے کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹی عطا فرمائی۔ اس وقت کا دستور یہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے لڑکوں کو قبول کیا جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی والدہ کے خلوص کی وجہ سے سابقہ دستور کے خلاف ان کی نذر کو قبول کر لیا۔

حضرت مریم کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے والد حضرت عمران کا انتقال ہو گیا تھا جب ان کو بیت المقدس کی خدمت کے پیش کیا گیا تو ہر پادری کی خواہش تھی کہ ان کی پرورش کا حق اس کو مل جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے سب سے برگزیدہ بندے اور پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کی تربیت اور کفالت کے لئے منتخب فرمایا جو رشتے میں حضرت مریم کے خالو بھی لگتے تھے چنانچہ قرعہ انکے نام نکل آیا۔

جب حضرت مریم عبادت کے لائق ہو گئیں تو ایک مرتبہ عبادت میں مشغول تھیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کے پاس انواع واقسام کے پھل دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور پوچھا کہ اے مریم یہ کہاں سے آئے تو فرمایا کہ اللہ کے پاس سے ''بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو بے حساب رزق دیتا ہے'' (آیت نمبر ۳۷)

حضرت مریم کا جواب سن کر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں بھی اولاد کی خواہش جاگی اور انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلا دیئے حالانکہ اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی اور بیوی بھی ان کی بوڑھی ہو چکی تھیں اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود دعا کو قبول فرمالیا اور صالح بیٹے کی بشارت دے دی جس میں چار صفات ہوں گی۔ (آیت نمبر ۳۸)

(۱) وہ بچہ ''کلمۃ اللہ'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرے گا۔

(۲) علم وتقویٰ اور زہد وعبادت میں سیادت کے مقام پر فائز ہوگا۔

(۳) وہ انتہائی عفیف (پاکدامن) ہوگا قدرت اور قوت کے باوجود عورتوں کے قریب نہیں جائے گا۔

(۴)انبیاء وصلحاء کی جماعت کا ایک فرد ہوگا۔(آیت نمبر۳۹)

آیت نمبر۴۵ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا تذکرہ ہے کہ جب فرشتوں نے حضرت مریم کو بیٹے کی خوشخبری دی تو انہوں نے بڑے تعجب سے کہا میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا حالانکہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ اسی طرح جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ ''ہوجا'' بس وہ ہوجاتا ہے'' (آیت نمبر۴۷)

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شروع سے یہود کو دشمنی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سارے معجزات عطا فرمائے مثلاً ☆ مٹی کے گارے سے پرندے کی شکل بنا کر پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ☆ مادرزاد اندھوں کو بینا کر دیتے ☆ کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے ☆ مردوں کو زندہ کر دیتے ☆ اور لوگ جو اپنے گھروں میں کھاتے یا ذخیرہ کر کے رکھتے وہ سب بتا دیتے (آیت نمبر۴۹) مگر یہود کو ہدایت حاصل نہ ہوئی اور وہ ان کے قتل کی سازش کرنے لگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور ان کافروں نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیر کی، اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے (آیت نمبر۵۴) چنانچہ یہود اپنی سازش میں کامیاب نہ ہوسکے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا (آیت نمبر۵۵)

جب نجران کے وفد نے رسول اللہ ﷺ کے دلائل سنے اور ان کو تسلیم کرنے کے باوجود ان کو ہدایت نصیب نہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو مباہلے کا چیلنج دے دیا۔

مباہلے کی تعریف قرآن کریم نے ان الفاظ سے کی ہے '' تمہارے پاس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا) جو صحیح علم آ گیا ہے اس کے بعد بھی جو لوگ اس معاملے میں تم سے بحث کریں تو ان سے کہہ دو کہ '' آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو، اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، اور ہم اپنے لوگوں کو اور تم اپنے لوگوں کو، پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے گڑگڑائیں اور جو جھوٹے ہوں ان پر اللہ کی لعنت بھیجیں'' (آیت نمبر۶۱)

رسول اللہ ﷺ نے اہل بیت کے ساتھ مباہلے کی تیاری بھی فرمالی تھی لیکن اتنے بڑے بڑے عیسائی مذہبی رہنماؤں کے ہونے کے ایک بھی مباہلے کا چیلنج قبول نہ کرسکا اور سب نے راہ فرار اختیار کرلی۔

لن تنالوا

چوتھے پارے کا آغاز انفاق فی سبیل للہ کے ذریعے ہورہا ہے کہ نیکی کا درجہ کمال اس وقت تک تم لوگ حاصل نہیں کرسکتے جب تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ چیز نہ خرچ کرو جوتم کو سب سے زیادہ پسند ہے (آیت نمبر۹۲) جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنی سب سے زیادہ پسندیدہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شروع کردیں جس کے بہت سے واقعات احادیث اور تفسیر کی کتابوں میں ملتے ہیں مگر آج ہمارا یہ حال ہے کہ وہ چیز اللہ کی راہ میں دی جاتی ہے جوخود کو پسند نہ آئے۔قرآن کریم کی اس آیت شریفہ سے پتا چلتا ہے کہ اس سے نیکی کا کمال حاصل نہیں ہوتا۔

آیت نمبر۹۳ میں یہود کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جو وہ مسلمانوں پر کیا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ نے اونٹنی کا دودھ اور گوشت حرام کردیا تھا پھر تم لوگ کیوں کھاتے ہو حالانکہ اتباع ابراہیمی کے دعوے دار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا ”تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں (جو مسلمانوں کے لئے حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھیں سوائے اس چیز کے جو اسرائیل (یعنی یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اوپر حرام کرلی تھی“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری تھی اور انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر مجھے اس بیماری سے شفا ہوگئی تو میں اپنے کھانے کی سب سے پسندیدہ چیز چھوڑ دوں گا۔انہیں اونٹ کا گوشت سب سے زیادہ پسند تھا اس لئے شفا حاصل ہونے پر انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔غرض یہ کہ اونٹ کا گوشت شروع سے حرام نہ تھا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حلال تھا لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی نذر کی وجہ سے اس کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اور بنی اسرائیل کی سرکشی کی

وجہ سے ان پر یہ حکم باقی رکھا گیا اور بعد میں امت محمدیہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا اصل حکم لوٹ آیا (آسان ترجمہ قرآن)

جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو یہودیوں نے بڑا شور مچایا کہ بیت المقدس کعبۃ اللہ سے افضل ہے اسے زمین پر اللہ تعالیٰ کے پہلے گھر ہونے کی فضیلت حاصل ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور بیت اللہ کی تین خصوصیات بیان فرمائیں (۱) روئے زمین پر کعبہ سب سے پہلی عبادت گاہ ہے (۲) یہ کہ اس میں ایسی واضح نشانیاں ہیں جو اس کے شرف اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں مثلاً مقام ابراہیم، زمزم اور حطیم وغیرہ (۳) جو شخص حرم میں داخل ہو جائے اسے امن حاصل ہو جاتا ہے۔

بعض اللہ والے فرماتے ہیں پورے عالم میں بیت اللہ سے زیادہ شرف والی کوئی عبادت کی جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی تعمیر کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا اس کا نقشہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بنایا اسکے معمار حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تھے اور معاون اور مزدور کے طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کام کیا۔

اس کے بعد گیارہویں رکوع میں نہایت اہم ہدایات دی گئی ہیں مثلاً:۔

(۱) تقویٰ اختیار کرو۔

(۲) اسلام کے علاوہ کسی اور حالت پر مت مرو۔

(۳) خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو۔

(۴) خواہشات نفسانی کا اتباع کر کے آپس میں انتشار پیدا نہ کرو۔

(۵) اللہ کی نعمتوں پر شکر گزار بندے بنو۔

(۶) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے ایک جماعت مسلمانوں کی ہونی چاہئے۔

اس کے بعد غزوہ بدر کا ذکر اس سورۃ میں صرف حوالے کے طور پر آیا ہے اصل غزوہ احد کا ذکر ہے۔ جو کہ ۵۵ آیات میں مکمل ہوا۔

یہ غزوہ شوال ۳ھ میں ابوسفیان کی قیادت میں بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے کفار نے کیا قریش کی تعداد اس غزوے میں تین ہزار تھی جن میں دو سو گھڑسوار، سات سو

زرہیں پوش اور تین ہزار اونٹ تھے اور پانچ سو عورتیں بھی شامل تھیں۔

حضور ﷺ نے صحابہ کے مشورے سے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر جبل احد کے دامن میں مقابلہ کیا اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس افراد کا ایک لشکر ایک پہاڑی ٹیلہ پر متعین فرمایا مسلمانوں کی تعداد اس غزوہ میں صرف ایک ہزار تھی ان میں سے بھی تین سو افراد کو عبداللہ بن ابی بن سلول لے کر علیحدہ ہو گیا۔

مسلمانوں کو اول وہلے میں کامیابی نصیب ہوئی اور دشمن بھاگ کھڑا ہوا اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ یہ پہاڑی ٹیلے والے حضرات سمجھے کہ جنگ ختم ہوگئی ہے باوجود امیر کے منع کرنے کے مال غنیمت جمع کرنے کے لئے اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ ادھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (جو اس وقت کافر تھے) نے یکبارگی حملہ کیا اور پہاڑی ٹیلے پر موجود پچاس افراد میں سے باقی رہ جانے والے صرف گیارہ مجاہدین کو شہید کر دیا۔ ادھر بھاگتے ہوئے کفار بھی لوٹ آئے اور مسلمان دونوں طرف سے پھنس گئے اس لڑائی میں ۲۲ مشرک مارے گئے اور ۷۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین شہید ہوئے۔

نوٹ:۔ صحابہ کرام کا پہاڑی ٹیلہ پر سے ہٹ جانا یہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی کے لئے نہیں تھا اور نہ مال کی محبت میں تھا بلکہ وہ یہ سمجھے تھے کہ شاید رسول اللہ ﷺ کا حکم پورا ہو گیا ہے اور اب یہاں کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ کی نافرمانی یا حکم عدولی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

سورۃ آل عمران کے آخری رکوع میں ان اہل ایمان کا ذکر ہے جو ہر وقت ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آخری آیت میں فلاح و کامرانی کے چار اصول ارشاد فرمائے ہیں۔

(۱) صبر:۔ یعنی دین پر جمے رہنا اور مشکلات پر صبر کرنا اور دل چھوٹا نہ کرنا۔

(۲) مصابرہ:۔ دشمن کے مقابلے میں استقامت اور شجاعت کا مظاہرہ کرنا۔

(۳) مرابطہ:۔ دشمن سے مقابلے کیلئے تیار رہنا۔

(۴) تقویٰ:۔ ہر حال میں اور ہر جگہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔

تیسرے سواسپارے کے چند اہم فوائد

(۱) جن لوگوں کے اندر چار صفات پائی جائیں انہیں دنیا اور آخرت میں حقیقی امن اور سکون حاصل ہوتا ہے: (۱) ایمان (۲) عملِ صالح (۳) اقامتِ صلوٰۃ (۴) اور ایتاءِ زکوٰۃ۔

(۲) ہر نعمت کا شکر ادا کرنا ضروری ہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان بوقتِ ضرورت دوسروں کے کام آئے۔

(۳) تمام آسمانی کتابوں کے نزول کا بنیادی مقصد ہدایت ہے۔

(۴) جو لوگ حقیقتاً عقلمند ہوتے ہیں وہ ہر وقت اپنے ایمان کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں، بالخصوص فتنوں کے دور میں وہ ہدایت پر استقامت کی دعا خاص طور پر کرتے رہتے ہیں۔

(۵) عقلمند وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے اور جو عقل اور بصیرت سے محروم ہو اسے کبھی بھی عبرت حاصل نہیں ہوتی۔

(۶) تہجد کا وقت، قبولتِ دعا کے مخصوص اوقات میں سے ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے اس وقت کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

(۷) وہ صدقہ اور وہ نیکی جو محض رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے کی جائے وہ ضائع نہیں جاتی خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ۔

(۸) ہر وقت موت کے لئے تیار رہنا چاہئے اور زندگی اس طرح گزارنی چاہئے کہ جب بھی موت آئے اسلام اور ایمان کی حالت میں آئے۔

(۹) سب سے بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کی بھلائی اور فائدہ سوچے۔

(۱۰) نماز اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور انسان اللہ کے قریب سب سے زیادہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہوتا ہے۔

(۱۱) توکل کا مطلب ترکِ اسباب نہیں بلکہ حسب قدرت اسباب مہیا کرنے کے بعد نتائج اللہ پر چھوڑنے کا نام توکل ہے۔

(۱۲) اچھا عمل کرنے والے کو دنیا اور آخرت میں اجر بھی اچھا ملتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

چوتھی تراویح

لَنۡ تَنَالُوۡا ثلث تا وَالۡمُحۡصَنٰتُ (مکمل)

الحمدللہ آج کے سوا سپارے میں سورۃ النساء ابتداء تا سورۃ النساء ۲۰ رکوع مکمل کی تلاوت کی گئی ہے۔ سورۃ النساء مدنی سورت ہے اس میں ۲۴ رکوع اور ۱۷۶ آیات ہیں۔

اس سورت کا نام ''النساء'' اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں کثرت سے عورتوں کے انتہائی اہم اور حساس مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

''نساء'' امراۃ کی جمع ہے اور اس کے معنیٰ ''عورتوں'' کے ہیں۔

یہ سورت آنحضرت ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی، اور اس کا اکثر حصہ جنگ بدر کے بعد نازل ہوا یہ وہ وقت تھا جب مدینہ منورہ کی نوزائیدہ مسلمان ریاست مختلف مسائل سے دوچار تھی۔ زندگی کا ایک نیا ڈھانچہ ابھر رہا تھا جس کے لئے مسلمانوں کو اپنی عبادت کے طریقوں اور اخلاق و معاشرت سے متعلق تفصیلی ہدایات کی ضرورت تھی دشمن طاقتیں اسلام کی پیش قدمی کا راستہ روکنے کے لئے سرتوڑ کوششیں کررہی تھیں۔ اور مسلمانوں کو اپنی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے نت نئے مسائل کا سامنا تھا۔ سورۃ النساء ان تمام معاملات میں تفصیلی ہدایات فراہم کرتی ہے۔ چونکہ ایک مستحکم خاندانی ڈھانچہ کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے اس لئے یہ سورت خاندانی معاملات کے بارے میں مفصل احکام سے شروع ہوئی ہے۔ اور چونکہ خاندانی نظام میں عورتوں کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے اس لئے عورتوں کے بارے میں اس سورت نے تفصیلی احکام بیان فرمائے ہیں اور اسی لئے اس سورت کا نام ''النساء'' رکھا گیا ہے۔

اس سورت میں سورہ بقرہ کے بعد سب سے زیادہ مسائل بیان کئے گئے ہیں چنانچہ

معاشرتی اور قومی مسائل کے ساتھ ساتھ تشریعی مسائل اور ہجرت اور جہاد کے مسائل پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح ☆ غیر مسلم اقوام کے ساتھ تعلقات کی نوعیت ☆ میراث ☆ کلالہ کا مسئلہ ☆ عقائد پر بحث ☆ منافقین کا تذکرہ ☆ اور یہود ونصاریٰ کے مکروہ چہرے کی نقاب کشائی جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔

اس سورت کی ابتداء میں سب سے پہلے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ تقویٰ کی صورت میں ہی آدمی اپنے معاشرتی مسائل کا صحیح ادراک کرسکتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی معجزانہ قدرت کا بیان کیا گیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو پیدا فرمایا اور ان کی پیٹھ سے مختلف جوڑ پیدا فرمائے اور تمام عالم میں پھیلا دیئے۔

حضرت آدم وحوا علیہا السلام کی پیدائش کا تذکرہ کرنے سے یہ بھی مقصود ہے کہ تمام انسانوں کو تنبیہ ہو جائے کہ جب ہم سب ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہیں تو ہمیں باہم مل جل کر اور آپس میں اتحاد ویگانگت سے رہنا چاہیئے۔

جنگ احد کے بعد بہت سی خواتین بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے تھے اس لئے اس سورت کے شروع ہی میں یتیموں کے حقوق کا تحفظ فرمایا ہے اور آیت نمبر۲ سے آیت نمبر۱۴ تک میراث کے احکام تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ جس کے تحت یتیموں کے مال کی حفاظت کرنے اور صحیح مقام پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان کے مال کو بے ضرورت خرچ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات گناہ بہت سخت ہیں جو آدمی کو ہلاک کر کے چھوڑتے ہیں۔ (۱) یتیم کا مال کھانا (۲) شرک کرنا (۳) جادو کرنا (۴) کسی کو ناحق قتل کرنا (۵) جہاد سے بھاگنا (۶) پاکدامن عورت پر تہمت لگانا (۷) سود کھانا (بخاری ومسلم)

اس کے بعد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی ایک شخص دس دس، بیس بیس عورتوں سے نکاح کر لیتا تھا آیت نمبر۳ میں یہ بتا دیا گیا کہ اگر آدمی عورتوں کے حقوق ادا کرسکتا ہے تو اس کو چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ عدل قائم کرے حدیث شریف

میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس دو عورتیں ہوں اور ان کے درمیان عدل وانصاف قائم نہ کرے تو قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا (مشکوٰۃ ۲۷۹)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی دو بیویاں تھیں اور آپ ان کے درمیان بہت عدل فرماتے تھے جو کہ مشہور تھا ایک مرتبہ ایک صاحب دو تربوز لائے کہ میں یہ دو تربوز لایا ہوں جو کہ وزن میں بالکل برابر ہیں تا کہ آپ اپنی بیویوں کو ایک ایک تربوز بھجوادیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ بات تو آپ کی صحیح ہے لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ایک میٹھا ہو اور دوسرا نہ ہو یا ایک کم میٹھا ہو اور دوسرا زیادہ اس لئے اس طرح عدل قائم نہیں ہوسکتا پھر آپ نے چھری منگوائی اور برابر دونوں کے دو ٹکڑے کر کے آدھا آدھا دونوں بیویوں کے پاس بھیجا تا کہ دونوں کے پاس دونوں طرح کے ذائقے پہنچ سکیں۔

اسلام سے پہلے عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دی جاتی تھی اور اس بارے میں عربوں کا مشہور مقولہ تھا کہ "جو گھوڑے پر چڑھ نہ سکے، تلوار اٹھا نہ سکے، دشمن کے مقابلے پر ٹھہر نہ سکے اس کو ہم میراث کیسے دے دیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان کا حق ہے اور ان کا حصہ متعین ہے۔ (آیت نمبر ۷)

مرنے والے کے ورثاء پر چار حق ہیں (۱) اس کے مال میں اس کی تجہیز وتکفین کی جائے۔ (۲) اگر اسکے اوپر قرض ہو تو اس کے مال میں سے اس کو ادا کیا جائے (۳) اگر اس نے کوئی وصیت کی ہے تو ایک تہائی مال میں اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا جائے۔ (۴) شریعت کے مطابق بقیہ مال میں وراثت تقسیم کی جائے۔ آج کل بھی لوگ وراثت کی تقسیم صحیح نہیں کرتے ہیں۔ اولاً تو کرتے ہی نہیں یا کرتے بھی ہیں تو سالوں کے بعد جب جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ دار الافتاء میں سب سے زیادہ مسائل میراث اور طلاق کے ہی آتے ہیں۔

میراث شریعت کا حکم ہے اس لئے اس کو آدمی کے انتقال کے فوراً بعد کرنا چاہئے۔

عام طور پر لوگ اس میں عار محسوس کرتے ہیں کہ مرتے ہی روپوں پیسوں کی تقسیم میں لگ گئے۔ حالانکہ سوئم اور چالیسویں جیسی خرافات میں پڑنے سے بہتر ہے کہ میراث کی تقسیم کر لی جائے تا کہ اللہ کا حکم بھی پورا ہو جائے اور بعد میں جھگڑوں کی نوبت بھی نہ آئے کیونکہ اس وقت میت کا غم تازہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے روپے پیسے کی محبت وقتی طور پر دبی ہوئی ہوتی ہے اس لئے اس وقت میں عادلانہ اور منصفانہ تقسیم ہو جائے گی اور ہر وارث کو اس کا صحیح حق مل جائے گا۔

شریعت مطہرہ میں عورتوں اور لڑکیوں کے حصہ پر بڑا زور دیا گیا ہے کہ عام طور پر عورتوں اور لڑکیوں کے حصہ کو لوگ دبا لیتے ہیں۔ آج کل بھی لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی بیٹی کی شادی پر جہیز دے دیا ہے اور اتنا خرچ کر دیا ہے اس لئے اب میراث میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ حالانکہ جتنا خرچہ اس کی شادی میں کیا گیا ہے اس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے نہیں دیا بلکہ یہ ایک طور پر ماں باپ کی طرف سے بیٹی کو ہدیہ ہوتا ہے میراث کا حکم کیونکہ شریعت مطہرہ نے دیا ہے اس لئے وہ تو دینا ہی پڑے گا۔ (آیت نمبر ۱۱ تا ۱۴)

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دینے کے بعد آیت نمبر ۲۳، ۲۴ میں ان خواتین کا تذکرہ ہے جن سے نکاح حرام ہے۔ وہ تین قسم کی عورتیں ہیں۔

(۱) محرمات نسبیہ:۔ یعنی وہ عورتیں جو نسب کے رشتے کی وجہ سے حرام ہیں جیسے ماں، بہن، بیٹی، خالہ، پھوپھی وغیرہ۔

(۲) محرمات رضاعیہ:۔ یعنی وہ عورتیں جنہوں نے کسی بچے کو اس کے بچپن میں دودھ پلایا ہو تو وہ دودھ کے رشتے کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہے۔ جیسے دودھ پلانے والی عورت، دودھ پلانے والی عورت کی بیٹی۔

(۳) محرمات مصاہرت:۔ یعنی سسرالی رشتے کی وجہ سے جو عورتیں حرام ہو جاتی ہیں۔ جیسے ساس کے ساتھ کبھی بھی نکاح نہیں ہوسکتا اور داماد کے لئے وہ مثل ماں کے ہے اور اسی لئے ساس، سسر سے پردہ نہیں۔

والمحصنٰت

چوتھے پارے کے آخر میں ان عورتوں کا ذکر تھا جن سے نکاح حرام ہے اب پانچویں پارے کے شروع میں یہ بتایا جارہا ہے کہ ان عورتوں کے علاوہ جو عورتیں ہیں ان کے ساتھ مہر مقرر کرکے نکاح کیا جاسکتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر ضروری ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کم ازکم مہر کی مقدار دس درہم ہے۔ جس کی مالیت دو تولہ ساڑے سات ماشہ چاندی بنتی ہے۔ اگر نکاح کے وقت مقرر نہ بھی کیا جائے تو بھی دینا پڑے گا۔

آج کل ہمارے معاشرے میں رواج بن گیا ہے کہ مہر مؤجل رکھواتے ہیں اور فوری ادائیگی کی فکر نہیں کرتے حالانکہ یہ بھی اور قرضوں کی طرح ایک قرض ہے۔ شادی بیاہ کے فضول خرچوں سے بہتر ہے کہ مہر کی ادائیگی کی جائے۔ بلکہ سب سے بہتر یہ ہے کہ لڑکے والوں کی طرف سے جو زیور شادی کے موقعے پر لڑکی کو دیا جاتا ہے اسی کو مہر مقرر کردیا جائے تو قرض کی ادائیگی بھی ہوجائے گی، رسم بھی ادا ہوجائے گی اور دولہا والوں کی طرف سے دیا گیا زیور کس کی ملکیت ہے؟ اس کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔

اس کے بعد ''سورۃ النساء'' کے چھٹے رکوع سے ازدواجی زندگی گزارنے اور گھر کے نظام کو درست رکھنے کے لئے چند ہدایات دی گئی ہیں۔

پہلی ہدایت:۔ مرد گھر کا سربراہ ہے کیونکہ جس گھر کا سربراہ نہ ہو اس میں انتشار پھیل جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد آقا اور عورت لونڈی ہے اور جو چاہے کرے اس کو ہر طرح کا اختیار ہے بلکہ ہر آدمی کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ''تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم سے اپنی رعایہ کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ) اس لئے عورتوں کے ساتھ عدل وانصاف یہ سوچ کر کرے کہ اگر ہم اس عورت پر حاکم ہیں تو ہم پر بھی کوئی ذات حاکم ہے جو ہم پر پوری قدرت رکھتی ہے اور ہم اس کے ہاتھ میں چڑیا کی طرح پھڑ پھڑا بھی نہیں سکتے۔

دوسری ہدایت: عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اور اس کی غیر موجودگی میں اپنے نفس اور اس کے مال کی حفاظت کرے کہ یہ نیک ہونے کی علامت ہے۔

تیسری ہدایت:۔اگر عورت نافرمان ہو تو اس کو وعظ ونصیحت کی جائے اور اچھی طرح سمجھایا جائے اور اگر نہ سمجھے تو شوہر اپنا بستر الگ کرلے اور عارضی طور پر اس سے کنارہ کشی اختیار کرلے اور اگر پھر بھی باز نہ آئے تو ہلکی پھلکی مار کی اجازت ہے۔یعنی ایسی مار جس میں وحشیانہ پن نہ ہو کہ عورت کو دھنک کر رکھ دے اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

چوتھی ہدایت:۔اگر پھر بھی نافرمانی سے بعض نہ آئے اور جھگڑے بڑھ جائیں تو خاندان کے دو بڑوں کو دونوں جانب سے لیکر بٹھالیا جائے اور وہ انکے درمیان فیصلہ کریں اور یہ دونوں انکے فیصلے کو قبول کریں۔

لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نافرمانی وہ کہلاتی ہے جس میں شریعت کا حکم ٹوٹتا ہو۔ایسا حکم جس میں اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی ہو اور شوہر بیوی کو وہ کام کرنے کو کہے اور بیوی نہ کرے تو یہ نافرمانی نہیں مثلاً شوہر بے پردگی کیلئے کہے تو اس کا حکم ماننا جائز نہیں بلکہ شوہر خود ایسا حکم دینے پر گناہ گار ہوگا کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ''جس کام میں خالق کی نافرمانی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت نہیں'' (مشکوٰۃ)

گھر اور خاندان کے نظام کو درست رکھنے کی تدابیر بیان کرنے کے بعد سورۃ النساء کے آٹھویں رکوع میں اجتماعی زندگی کو درست کرنے اور درست رکھنے کے لئے ہر کام میں احسان کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ احسان کی بنیاد باہمی خیر خواہی، امانت، عدل اور رحمدلی پر ہے یہ ہی وجہ ہے کہ اسلام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم سے بھی خیر خواہی، عدل امانت اور دیانت کا حکم دیتا ہے اور غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔

چنانچہ سورۃ النساء کے نویں رکوع کے شان نزول میں مفسرین نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی اور مسلمان (منافق) حضور ﷺ کی خدمت میں اپنا ایک مقدمہ لیکر حاضر ہوئے رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کردیا اس پر منافق کہنے لگا کہ چلو حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلتے ہیں اور ان سے فیصلہ کرواتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ساری بات بیان کی جس پر آپ نے فرمایا کہ ٹھہرو میں ابھی آتا ہو اور تلوار لا کر منافق کی گردان اڑادی اور فرمایا کہ جو اللہ' اللہ کے رسول کا فیصلہ قبول نہیں کرتا اس کا فیصلہ تلوار کردیتی ہے۔

سورۃ النساء کے دسویں رکوع میں پہلے تو مسلمانوں کو جہاد اور قتال کا حکم دیا گیا ہے کہ صرف اللہ کی رضا کی خاطر اور دین کی سربلندی کیلئے جہاد کی تیاری کریں پھر جہاد کی ترغیب دی گئی ہے کہ آخر تم جہاد کیوں نہیں کرتے جبکہ صورت یہ ہے کہ ظلم وستم کی چکی میں پسنے والے کمزور مرد وعورت اور بچے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں کرتے ہیں کہ'' اے ہمارے رب! تو ہمیں اس بستی سے نکال دے جہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں اور اے اللہ! تو کسی کو ہمارا مددگار بنا کر بھیج دے۔'' (آیت نمبر ۷۵)

جہاد وقتال کی ترغیب دینے کے بعد مسلمانوں کو ہوشیار کیا گیا ہے کہ منافقوں کی تدبیروں اور سازشوں سے چوکنا رہیں یہ وہ سنگدل گروہ ہے جس نے اسلام کے لباس میں ہمیشہ مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان کو جب بھی شکست یا نقصان پہنچا ہے تو وہ ان ہی منافقین کی وجہ سے ہی پہنچا ہے۔

مدینہ منورہ میں جب پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی تو مسلمان ان منافقین کی وجہ سے پریشان تھے اور ان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں متردد تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں واضح حکم ارشاد فرمادیا کہ'' پھر تمہیں کیا ہوگیا کہ منافقین کے بارے میں تم دو گروہ بن گئے؟ حالانکہ انہوں نے جیسے کام کئے ہیں ان کی بناء پر اللہ نے ان کو اوندھا کردیا ہے
(آیت نمبر ۸۸)

سورۃ النساء کے ۱۲ ویں رکوع میں قتل عمد یعنی جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی سزا کا بیان ہے چنانچہ ارشاد فرمایا'' جو کوئی کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے (۱) اس کی سزا جہنم ہے (۲) اس میں ہمیشہ رہے گا (۳) اللہ کا غضب اس پر ہوگا (۴) اللہ کی لعنت اس پر ہوگی (۵) اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑا عذاب تیار کررکھا ہے۔ ان سزاؤں سے زیادہ اللہ نے

کسی کیلئے سزا تجویز نہیں فرمائی۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کو قتل کرنے والا اگرچہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو وہ دائمی عذاب کا مستحق ہوگا لیکن بالاتفاق یہ ظاہری معنیٰ مراد نہیں دائمی عذاب کا مستحق صرف وہ شخص ہوگا جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے گا کیونکہ ایسے شخص کا ایمان باقی نہیں رہتا اس لئے وہ دائمی عذاب کا مستحق ہوگا۔

آیت نمبر ۹۵ میں جہاد کی اہمیت اور مجاہدین کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور بلا کسی عذر کے جہاد نہ کرنے والے برابر نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ''جو لوگ اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں ان کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے اور اللہ نے سب سے اچھائی کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ نے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دے کر بڑا ثواب بخشا ہے۔''

اس کے بعد ہجرت کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ جب ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ مسلمانوں کے لئے دین پر عمل کرنا ممکن نہ رہے تو پھر اس کے لئے ہجرت فرض ہے اور جو شخص قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرے اور اسی حالت میں موت آجائے تو وہ ہمیشہ جہنم میں جائے گا چنانچہ ارشاد فرمایا ''جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو بولے ''تم کس حالت میں تھے؟'' وہ کہنے لگے ''ہم تو زمین میں بے بس بنا دیئے گئے تھے'' فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟'' لہذا ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ نہایت برا انجام ہے (آیت نمبر ۹۷) البتہ ایسے لوگ جو کسی معذوری کی وجہ سے ہجرت کے حکم پر عمل نہ کرسکیں اگلی آیت میں ان کا استثناء کر دیا گیا کہ ایسے لوگ قابل معافی ہیں۔ (آیت نمبر ۹۸)

ہجرت کے سلسلے میں ہی ایک واقعہ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت حمزہ بن قیس رضی اللہ عنہ ایک بوڑھے صحابی تھے جب آیات ہجرت نازل ہوئیں تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مجھے چارپائی پر ڈال کر مدینہ لے چلو اب مکہ میں ایک رات بھی نہیں گزاروں گا چنانچہ جب انکو لے کر چلے تو راستے میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

کہ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے پھر راستے میں اسکی موت آجائے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
(آیت نمبر ۱۰۰)

سورۃ النساء کے رکوع نمبر ۱۶ میں ایک منافق اور یہودی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ '' خاندان بنو ابیرق کے ایک شخص ''بشر'' نے جو ظاہری طور پر مسلمان تھا، ایک صحابی حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں نقب لگا کر کچھ غلہ اور کچھ ہتھیار چرالئے اور لے جاتے وقت ہوشیاری یہ کی کہ غلے کی بوری کا منہ اس طرح کھولا کہ تھوڑا تھوڑا غلہ راستہ میں گرتا جائے یہاں تک کہ ایک یہودی کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر بوری کا منہ بند کر دیا اور بعد میں چوری کئے ہوئے ہتھیار اسی یہودی کے پاس رکھوا دیئے۔ جب چوری کی تفتیش شروع ہوئی تو ایک طرف غلے کے نشانات یہودی کے گھر تک پائے گئے اور دوسری طرف ہتھیار بھی اسی کے پاس سے دریافت ہو گئے اس لئے شروع میں آنحضرت ﷺ کا خیال یہ ہونے لگا کہ یہ چوری اسی یہودی نے کی ہے اور قریب تھا کہ منافق بھی اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اپنے حق میں فیصلہ کروالیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر ۱۰۵ میں اس یہودی کی برأت کا اعلان کر دیا جب اس شخص کو اپنے راز فاش ہونے کا علم ہوا تو وہ مکہ جا کر کفار مکہ سے جا ملا اور وہاں کفر کی حالت میں مرا۔

قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ہے۔ مثلاً:۔

☆ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کے سات طبقات ہیں اور سب سے آخری درجہ منافقین کیلئے ہوگا۔

☆ ایک حدیث شریف میں ہے کہ منافقین کو ایک صندوق میں بند کر کے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

☆ ایک حدیث شریف میں ہے کہ سب سے زیادہ سخت عذاب منافقین کو ہوگا۔

ان آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مقدمات کے فیصلے کرنے کیلئے چند اہم اصول

بتائے ہیں۔مثلاً:۔

(۱) تمام فیصلے کتاب اللہ کے مطابق ہونے چاہئیں۔

(۲) آنحضرت ﷺ کی سنت مبارکہ حجت ہیں فیصلوں میں ان سے بھی مدد لی جائے۔

(۳) جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ غلطی پر ہے اس کی وکالت کرنا جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی نفاق سے حفاظت فرمائے اور ہر کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

چوتھے سوا پارے کے چند اہم فوائد

(۱) آزمائشیں مسلمان کو نکھار دیتی ہیں اور کافر کا مٹا دیتی ہیں۔
(۲) اگر مسلمان اللہ کو چھوڑ کر غیروں سے مدد کے طلب گار ہوں گے تو اللہ انہیں ذلیل کر دے گا۔
(۳) انسان کی اصل کامیابی جہنم سے بچنا اور جنت میں داخل ہونا ہے۔
(۴) کائنات میں غور وفکر کرنے سے ایمان اور یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔
(۵) جب تک عورت کسی مرد کے نکاح میں ہو اس سے دوسرے کا نکاح نہیں ہوسکتا۔
(۶) بعض عارفین فرماتے ہیں کہ گناہ کے چھوٹے ہونے کو مت دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ کس کی نافرمانی کر رہے ہو۔
(۷) جس شخص کے اندر فخر اور غرور کا مرض ہو وہ اخلاقِ حسنہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے بھی محروم رہتا ہے بلکہ یہ بری صفت اسے اللہ کی عبادت اور ایمان سے بھی محروم کرسکتی ہے۔
(۸) جو سچے مؤمن ہیں ان کے لئے اللہ کی مدد کافی ہے، انہیں کسی اور سے مانگنے کی ضرورت نہیں۔
(۹) ایمان اور اعمال صالحہ، اخروی نعمتوں کے حصول کا سبب ہیں۔
(۱۰) اسلام میں امانت کی بے حد اہمیت ہے۔ حضرت انس ﷛ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس میں امانت نہ ہو اس میں ایمان (کامل) نہیں اور جس میں عہد کی پاسداری نہ ہو اس میں دین (مکمل) نہیں۔
(۱۱) کتاب وسنت کے ہر فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور دل و جان سے ان پر راضی ہونا واجب ہے۔
(۱۲) علم پر عمل کی برکت سے دنیوی اور اخروی سعادتیں حاصل ہوتی ہیں۔
(۱۳) مجاہد ہر حالت میں نفع میں رہتا ہے، زندہ رہے تو بھی اور شہید ہو جائے تو بھی۔
(۱۴) زبان سے محبت اور اطاعت کے دعوے اور عملی طور پر مخالفت منافقوں کا شیوہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
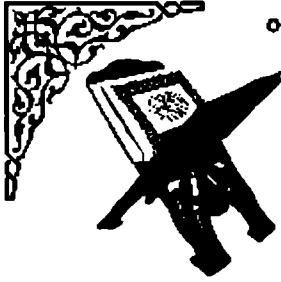
پانچویں تراویح

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ (چھٹا پارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں چھٹے پارے کی مکمل تلاوت کی گئی ہے۔ پانچویں پارے کے آخر میں منافقین کا تذکرہ تھا اب چھٹے پارے کے شروع میں اسی کا تذکرہ ہے۔ کہ منافقین مسلمانوں کو ایذاء اور تکلیف پہنچایا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے بعض دفعہ مسلمانوں کی زبان پر شکوہ وشکایت جاری ہوجاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں شکوہ وشکایت کی حدود کو بیان فرمایا ہے اوراس میں ایسا قانون بیان فرمایا ہے۔ کہ ایک طرف تو مظلوم کو اجازت دی کہ بدلہ لے سکتے ہو۔ شکایت بھی کرسکتے ہو۔ عدالتی چارہ جوئی بھی کرسکتے ہو۔ جو مظلوم کو اس کا حق دلانے میں عین تقاضاء انصاف اور انسداد جرائم کا ایک ذریعہ ہے اور دوسری طرف مظلوم کو اعلیٰ اخلاق اپنانے کی ترغیب بھی دی جارہی ہے کہ وہ اپنے حق میں ایثار سے کام لے اور ظلم کا انتقام نہ لے بلکہ عفوودرگزر کرکے نیکی کا کام کرے۔

قرآن پاک میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے بدلہ لینے کی اجازت دینے کے ساتھ عفوودرگزر کی اور معاف کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ''وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا الخ'' (ترجمہ) اوراگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اوراگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔ (سورۃ النحل آیت نمبر ۱۲۶)

ایک اور جگہ فرمایا ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا الخ'' (ترجمہ) اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی پھر جو شخص معاف کرے اوراصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔
(سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۴۰)

اس کے بعد یہودیوں کا تذکرہ ہے۔ اسلئے کہ وہ بھی کفر وضلال میں منافقین کے

بھائی تھے۔ یہود آنحضرت ﷺ کی نبوت کے تسلیم کرنے کیلئے بے جا اور معاندانہ مطالبات کیا کرتے تھے اور یہ ان کی موروثی عادت اور خصلت تھی لیکن اس کے علاوہ بھی ان کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔ انہی جرائم میں سے ایک جرم یہ بھی تھا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا کرتے تھے اور ساتھ ہی ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کر دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر ۱۵۷، ۱۵۸ میں ارشاد فرمایا کہ ''حالانکہ نہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا تھا اور نہ انہیں سولی دے پائے تھے بلکہ انہیں اشتباہ ہو گیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے وہ اس سلسلے میں شک کا شکار ہیں انہیں گمان کے پیچھے چلنے کے سوا اس بات کا کوئی علم حاصل نہیں ہے اور یہ بالکل یقینی بات ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کر پائے۔''

اس کے بعد اہل کتاب کے دوسرے گروہ یعنی نصاریٰ کا تذکرہ ہے جس میں انکو صحیح عقیدہ اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا ایک نہیں تین ہیں ☆ باپ ☆ بیٹا ☆ روح القدس۔ اس آیت نمبر ۱۷۱ میں اس کی تردید کی گئی ہے اور دین میں غلو کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ بات بتائی گئی ہے۔ جو حقیقت کے عین مطابق ہے یعنی وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور اللہ نے ان کو اپنے کلمہ ''کُن'' سے باپ کے واسطے کے بغیر پیدا کیا تھا اور ان کی روح براہ راست حضرت مریم علیہا السلام کے بطن میں بھیج دی گئی تھی۔

سورۃ النساء کے ختم پر دوبارہ اسی مضمون کی طرف لوٹ رہے ہیں جو اس کے شروع میں بیان ہوا تھا یعنی عورتوں کے معاملے کی رعایت اور قریبی ورثاء کے حقوق کا خیال۔

سورۃ المائدہ

یہ سورۃ مدنی ہے اور مدنی سورتوں میں بعض حضرات نے اس کو آخری سورت بھی فرمایا ہے۔

''مائدہ'' عربی زبان میں دسترخوان کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۱۱۴ میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ سے ان کے متبعین نے یہ دعا کی فرمائش کی تھی کہ اللہ تعالیٰ

ان کے لئے آسمانی غذاؤں کے ساتھ ایک دسترخوان نازل فرمائے۔اس واقعہ کی مناسبت سے اس سورت کا نام ''مائدہ'' یعنی دسترخوان رکھا گیا ہے

اس سورۃ مائدہ کے بعض اجزاء سفر حدیبیہ میں اور بعض فتح مکہ کے سفر میں اور بعض حجۃ الوداع کے سفر میں نازل ہوئے ہیں اس طرح اس کے نزول کا زمانہ ٦ھ سے ١٠ھ تک پھیلا ہوا ہے اسی سورت کی مشہور آیت **الیوم اکملت لکم دینکم** الخ (آیت ٣) حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں نازل ہوئی یہ آیت اہل ایمان کیلئے سرمایہ افتخار ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دین اسلام کو قیامت تک کے لئے پسند فرمالیا ہے۔اب ہر آدمی کی نجات صرف دین اسلام پر ایمان لانے میں ہی موقوف ہے۔

یہ وہ آیت ہے کہ جس کے بارے میں ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ ''اے امیر المومنین !اگر یہ آیت ہمارے اوپر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن قرار دے لیتے۔آپ نے فرمایا کہ میں اس دن کو جانتا ہوں اور اس گھڑی کو بھی جانتا ہوں جب رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی وہ عرفہ کی شام اور جمعہ کا دن تھا'' گویا ہماری اس دن دو عیدیں تھیں۔

اس سورت میں حلال وحرام کے متعدد احکام بیان فرمائے گئے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا سورۃ مائدہ میں جو چیز حلال کی گئی ہے اس کو حلال سمجھو اور جو چیز حرام قرار دی گئی ہے اس کو حرام سمجھو۔

یہ سورت چار بڑے بڑے مضامین پر مشتمل ہے۔

(١) اہل اسلام کو مذہبی، تمدنی اور سیاسی زندگی کے متعلق احکام و ہدایت دیئے گئے ہیں۔مثلاً سفر حج کے آداب، کھانے پینے میں حلال وحرام کی حدود، وضو، غسل تیمّم کے قاعدے، بغاوت، چوری کی سزائیں، قسم توڑنے کا کفارہ اور حرمت شراب جیسے احکام بتلائے گئے ہیں۔

(٢) اہل اسلام کو نصیحت کی گئی ہے کہ کیونکہ اب تم ایک حکمران بن گئے ہو اس لئے یہ دور سخت آزمائش کا دور ہے۔

(۳) یہود و نصاریٰ کو نصیحت کی گئی کہ اب تمہارا زور ٹوٹ چکا ہے اور یہودیوں کی تمام بستیاں مسلمانوں کے زیر قبضہ آ چکیں ہیں اس لئے ان کو چاہئے کہ اپنے غلط رویہ پر غور کریں اور اس کی اصلاح کریں۔

(۴) اخیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان فرمائے گئے ہیں۔

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے بڑے پیار بھرے انداز میں ایمان والوں کو خطاب فرمایا ہے اور یہ اہل ایمان اور امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہ راست خطاب کیا ہے ورنہ کسی اور مذہب میں ایسا نہیں ہوا بلکہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہی خطاب کیا جاتا تھا۔

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا کہ جب تم قرآن میں یٰآیھا الذین اٰمنوا کے الفاظ سنو تو فوراً کان لگا کر توجہ سے سنو کیونکہ اس کے بعد یقیناً کسی بھلائی کا حکم ہوگا۔

اس سورت میں سب سے پہلا حکم عہد کو پورا کرنے کا ہے خواہ وہ عہد وعقد انسان اور رب کے درمیان ہو کہ ہم نے ایمان لا کر جتنے بھی عہد اللہ سے کر لئے ان کو پورا کریں۔ یا ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ ہوں مثلاً بیع وشراء (یعنی خرید وفروخت) اجارہ، نکاح اور قسم وغیرہ۔

اس کے بعد کھانے، پینے میں بعض حرام چیزوں کو بیان کیا گیا ہے جیسے مردار، خون، سور کا گوشت وغیرہ کہ زمانہ جاہلیت میں ان چیزوں کو حلال سمجھا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام قرار دے دیا کہ ان سے کھانے میں صحت وجسم کا بھی نقصان ہے اور فکر ونظر اور دین واخلاق کا بھی نقصان ہے۔

شریعت مطہرہ سب سے آسان شریعت ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسے احکام بیان فرمائیں ہیں جن کو آدمی بسہولت کر سکے اور اس کو کسی بھی موقع پر پریشانی نہ ہو لیکن ہم دین سے اتنا دور ہو چکے ہیں کہ ہمیں ہر حکم مشکل لگتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ تم پر تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے

کہ تمہیں پاک کردے اورتمہارے اوپر اپنا احسان پورا کردے تا کہ تم شکر کرنے والے بن جاؤ'' (آیت نمبر ٦)

اللہ تعالیٰ نے وضو، غسل کے احکامات ارشاد فرمانے کے ساتھ ساتھ مرض کی حالت میں یا پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کا حکم بھی بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے جسمانی ملاپ کیا ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرو اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا اس (مٹی) سے مسح کرلو (آیت نمبر ٦) یہ تیمّم اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

اس کے بعد وہ احکام ارشاد فرمائیں ہیں جن کے ذریعے قرب الٰہی کا درجہ حاصل ہوسکتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ ☆ نماز، ☆ زکوٰۃ، ☆ سارے انبیاء پر ایمان صادق، ☆ تبلیغ دین، ☆ جہاد، ☆ جہاد کیلئے مالی امداد وغیرہ۔

اس کے بعد یہود کی بدخصلتی کا ذکر ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جہاد کے لئے بلایا تو انہوں نے حیلے اور بہانے کرنے شروع کردئے یہاں تک کہ ایک موقعہ پر انہوں یہاں تک کہا کہ ''اے موسیٰ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو ہم تو ادھر ہی بیٹھے ہیں''

اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا تذکرہ ہے کہ قابیل نے حسد کی بناء پر اپنے بھائی کو قتل کردیا تھا اور یہ حسد یہودیوں کے اندر بھی پایا جاتا ہے اسی وجہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا کرتے تھے۔

ہابیل اور قابیل کے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام ہابیل اور دوسرے کا نام قابیل تھا اُس وقت کیونکہ دنیا کی آبادی صرف حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد پر مشتمل تھی اس لئے ان کی اہلیہ کے ہر حمل میں دو جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے ایک لڑکا اور دوسری لڑکی۔ ان دونوں کے درمیان تو نکاح حرام تھا لیکن حمل میں پیدا ہونے والے لڑکے کا نکاح دوسرے حمل والی لڑکی سے ہوسکتا تھا قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بڑی خوبصورت تھی لیکن جڑواں بہن ہونے کی وجہ سے اس کا نکاح قابیل سے جائز نہیں تھا اسکے باوجود اس کا اصرار تھا کہ اسی سے نکاح کرے گا۔ ہابیل

کے لئے وہ لڑکی حرام نہیں تھی اس لئے وہ اسکے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تھا جب دونوں کا اختلاف بڑھا تو فیصلہ اس طرح قرار پایا کہ دونوں کچھ قربانی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں جس کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اس کا دعویٰ برحق سمجھا جائے گا چنانچہ دونوں نے قربانی پیش کی۔ روایات میں ہے کہ ہابیل نے ایک دنبہ قربان کیا اور قابیل نے کچھ زرعی پیداوار پیش کی۔ اس وقت قربانی قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آکر قربانی کو کھالیتی تھی۔ ہابیل کی قربانی کو آگ نے کھالیا اور اس طرح اس کی قربانی واضح طور پر قبول ہوگئی۔ اس پر بجائے اس کے کہ قابیل حق کو قبول کر لیتا، حسد میں مبتلا ہوکر اپنے بھائی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ اگرچہ اپنے دفاع کیلئے حملہ ور کو قتل کرنا جائز ہے لیکن ہابیل نے اپنے اس حق کو استعمال نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے اس بات کو قرآن کریم میں ذکر فرمایا کہ ہابیل نے کہا ''اگر تم نے مجھے قتل کرنے کو اپنا ہاتھ بڑھایا تب بھی میں تمہیں قتل کرنے کو ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ (آیت نمبر ۲۸)

علماء نے اس قصے کے تحت یہ بھی لکھا ہے کہ جو کوئی کسی برائی کی بنیاد رکھتا ہے جب تک وہ گناہ کیا جاتا رہے گا اس وقت تک اس کا گناہ اس کو ملتا رہے گا اور جو کوئی نیکی کی بنیاد رکھتا ہے جب تک نیکی کی جاتی رہے گی اس وقت تک اس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا۔ اس لئے کسی بھی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہئے ہوسکتا ہے وہ ہی ذریعہ نجات بن جائے اور کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کرنا نہیں چاہئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ ہی پکڑ کا باعث بن جائے۔

اسلام انسان کی جان، مال، عزت اور آبرو کی حفاظت کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور انکے لئے خطرہ بننے والوں کیلئے عبرت ناک انجام کی خبر دیتے ہوئے ایسی سزائیں تجویز کرتا ہے کہ ان کا تصور ہی اس کو اس کام کی انجام دہی سے روک دے چنانچہ اگلے رکوع میں (یعنی چھٹے رکوع میں) زمین میں فساد پھیلانے والوں کی سزا ذکر کی گئی ہے۔ اور مفسرین اور فقہاء کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ یہاں مراد ڈاکو ہیں کہ ☆ اگر وہ صرف قتل کرتے ہیں تو اس کی سزا میں انکو بھی قتل کر دیا جائے گا اور ☆ اگر وہ قتل کرنے کے ساتھ ساتھ مال بھی لوٹتے ہیں تو ان کو سولی دی جائے گی اور ☆ اگر صرف مال لوٹتے ہیں قتل نہیں کرتے تو ان کے ہاتھ پاؤں

کاٹے جائیں گے مخالف سمت سے ☆اور اگر صرف ڈرایا دھمکایا نہ قتل کیا نہ مال لوٹا تو یا تو انہیں قید کردیا جائے گا یا جلاوطن کردیا جائے گا۔

یہود ونصاریٰ مسلمانوں کے کھلے دشمن ہیں ہمیشہ سے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کی ہے اس لئے اللہ نے جگہ جگہ قرآن پاک میں ان سے دوستی اور تعلقات رکھنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ''اے ایمان والوں یہودیوں اور نصرانیوں کو یارومددگار نہ بناؤ یہ خود ہی ایک دوسرے کے یارومددگار ہیں اور تم میں سے جو شخص ان کی دوستی کا دم بھرے گا تو وہ پھر انہی میں سے ہوگا۔یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (آیت نمبر ۵۱)

اور کیونکہ ان کی دوستی آدمی کو ارتداد کی طرف لے جاسکتی ہے اس لئے آیت ۵۴ میں ارتداد سے بچنے کی تلقین فرمائی گئی ہے کیونکہ ارتداد کی وجہ سے سارے اعمال ضائع ہوجائیں گئے اور جہنم ہمیشہ کیلئے واجب ہوجائے گی۔

یہود ونصاریٰ سے دوستی سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ اہل ایمان سے دوستی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔چنانچہ ارشاد فرمایا: ''(مسلمان) تمہارے یارومددگار تو اللہ اور اس کے رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو اس طرح نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں کہ وہ (دل سے) اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔(آیت ۵۵)

چھٹے سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) دوسروں کے عیوب کی تشہیر اور ہتکِ عزت حرام ہے۔

(۲) سارے گناہ دو قسموں میں منحصر ہیں، مخلوق پر ظلم اور اللہ کے حکموں سے اعراض۔ یونہی ساری نیکیوں کو دو قسموں میں جمع کیا جاسکتا ہے "اللہ کے حکم کی تعظیم اور اللہ کی مخلوق پر شفقت۔"

(۳) نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کی رسالت سارے مکانوں، سارے زمانوں اور سارے انسانوں کے لئے ہے۔

(۴) ساری اخروی سعادتیں انہی لوگوں کے لئے ہیں جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنا مضبوط تعلق قائم کریں۔

(۵) قرآنِ کریم میں جہاں کہیں "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا " کہہ کر خطاب کیا گیا ہے اسے خوب توجہ سے پڑھنا اور سننا چاہئے کیونکہ یہ انتہائی اپنائیت والا خطاب ہے، قرآن کریم میں ۸۸/ بار یہ خطاب آیا ہے۔

(۶) اہل ایمان پر نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا واجب ہے اور گناہ اور زیادتی میں تعاون کرنا حرام ہے۔

(۷) مردار اور ہر وہ جانور جسے شرعی طریقے سے ذبح نہ کیا جائے اس کا کھانا حرام ہے۔

(۸) تربیت یافتہ کتا بھوک اور خواہش کے باوجود محض مالک کی رضا کے لئے اپنے ہاتھوں کئے ہوئے شکار کی ایک بوٹی بھی نہیں کھاتا۔ کیا انسان بھی اپنے مالک کی رضا اور عدمِ رضا کا اتنا ہی خیال رکھتا ہے؟

(۹) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے رہنا واجب ہے خصوصاً ایسی نعمتیں جو اللہ کے سوا کسی اور سے حاصل ہی نہیں ہوسکتیں۔

(۱۰) کمینے شخص کی زیادتی اور اپنی قدرت کے باوجود معاف کردینا نیک لوگوں کی صفت ہے۔ نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ پر تو اس صفت کا بڑا ہی غلبہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
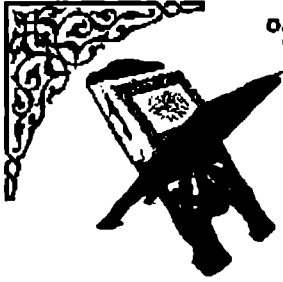
چھٹی تراویح

وَاِذَا سَمِعُوْا (ساتواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں ساتویں سپارے کی مکمل تلاوت کی گئی ہے چھٹے پارے کے آخر میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو حقیقی نصاریٰ ہیں وہ انتہائی نرم گوشہ مسلمانوں کے لئے رکھتے ہیں چنانچہ ساتویں پارے کے شروع میں بھی بعض ان نصاریٰ کا ذکر ہے جو قرآن پاک سن کر اپنی آنکھوں پر قابونہیں رکھ پاتے اوران کی آنکھوں سے آنسوں بہنے لگتے ہیں اصل میں تو اللہ کے کلام میں تاثیر ہی ایسی ہے کہ اگر خالی الذہن ہو کر سنا جائے تو دل پر اثر ضرور کرتا ہے۔ (آیت ۸۳)

اس کے بعد چند احکام بیان کئے گئے ہیں

(۱) کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ (آیت نمبر ۸۷، ۸۸)

(۲) لغو قسم پر کوئی دنیوی مؤاخذہ نہیں یعنی جسمیں کسی کام کو صحیح سمجھ کر قسم کھائے اور اپنے نزدیک سچی قسم کھائے لیکن وہ کام اس کے گمان کے خلاف ہو۔ (آیت نمبر ۸۹)

(۳) شراب، جوا، بت اور پانسے قطعی حرام اور شیطانی عمل ہیں ان کے ذریعے شیطان مومنوں کے دل میں بغض وعداوت کے بیج بوتا ہے۔ اور نماز وذکر سے روک دیتا ہے (آیت نمبر ۹۰، ۹۲)

(۴) احرام کی حالت میں خشکی کا شکار جائز نہیں (۹۴، ۹۶)

(۵) کعبہ اور اس کے اردگرد کا علاقہ حرم قرار دیا گیا ہے جو اسمیں داخل ہو گیا اس کو امن حاصل ہو گیا (آیت نمبر ۹۷)

(۶) مشرکین نے بعض جانوروں کوحرام قرار دے رکھا تھا اور ان کے مختلف نام رکھے ہوئے تھے مثلاً بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کو بھی حرام قرار نہیں دیا (۱۰۳)

اس کے بعد سورۃ کے آخر میں حضرت مسیح علیہ السلام کا تذکرہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے انعامات یاد دلائیں گے جن میں مائدہ کا بھی قصہ ہوگا جس کے نام پر یہ سورت ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسی علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ آپ نے لوگوں کو کہا تھا کہ میری اور میری ماں کی عبادت کرو؟ حضرت عیسی علیہ السلام عرض کریں گے کہ ہم تو آپ کی ذات کو شرک سے پاک سمجھتے ہیں میری مجال نہیں کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو آپ کو یقیناً معلوم ہو جاتا۔ آپ وہ باتیں جانتے ہیں جو میرے دل میں پوشیدہ ہیں اور میں آپ کی پوشیدہ باتوں کو نہیں جانتا۔ یقیناً آپ کو تمام چھپی ہوئی باتوں کا پورا پورا علم ہے۔ (آیت نمبر ۱۱۶)

اسی قیامت کے دن کے تذکرے پر اس سورت کا اختتام ہوا ہے۔

سورۃ الانعام

عربی زبان میں ''اَنعام'' چوپایوں کو کہتے ہیں عرب کے مشرکین مویشیوں کے بارے میں بہت سے غلط عقیدے رکھتے تھے، مثلاً ان مویشیوں کو بتوں کے نام پر وقف کر کے ان کا کھانا حرام سمجھتے تھے چونکہ اس سورت میں ان بے بنیاد عقائد کی تردید کی گئی ہے اسلئے اس سورۃ کا نام سورۃ الانعام رکھا گیا ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند آیات کو چھوڑ کر یہ پوری سورت ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہے

یہ سورت چونکہ مکہ مکرمہ کے اس دور میں نازل ہوئی تھی جب آنحضرت ﷺ کی دعوت اسلام اپنے ابتدائی دور میں تھی اس لئے اس میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی ☆ توحید ☆ رسالت ☆ اور آخرت کو مختلف دلائل کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے اور ان عقائد پر جو

اعتراضات کفار کی طرف سے اٹھائے جاتے تھے ان کا جواب دیا گیا ہے۔

کفار کی طرف سے مسلمانوں پر اس دور میں طرح طرح کے ظلم توڑے جا رہے تھے اسلئے اس سورت میں مسلمانوں کو تسلی بھی دی گئی ہے۔ اور کفار مکہ اپنے مشرکانہ عقائد کے نتیجے میں جن بے ہودہ رسموں اور بے بنیاد خیالات میں مبتلا تھے ان کی تردید بھی اس سورۃ میں بیان کی گئی ہے۔

اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے فرمائی گئی ہے۔ پھر الوہیت اور توحید باری تعالیٰ پر قدرت خداوندی کی بے شمار نشانیوں سے دلیل لائی گئی ہے جو دنیا میں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں مگر کفار و معاندین کی حالت یہ ہے کہ وہ ہر دلیل خداوندی سے اعراض وانکار ہی کرتے ہیں۔ جس پر انہیں وعید سنائی گئی ہے کہ کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کو اعراض وتکذیب کی بدولت ہلاک کیا جا چکا ہے۔

دوسرے رکوع میں ان کفار کو جو آنحضرت ﷺ سے تمسخر کرتے تھے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ ان سرکشوں کو فوری سزا نہ ملنے پر یہ مطمئن نہ ہو جائیں کہ ان سے اعمال کی باز پرس نہیں ہوگی اور اس پر سزا نہیں ہوگی بلاشبہ قیامت کے دن یہ سب جزا وسزا کیلئے جمع ہونگے اور اس وقت ان کے اعمال کی باز پرس اور سزا کا معاملہ ہوگا۔

تیسرے رکوع میں میدان حشر کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور عدالت الٰہی میں کفار ومشرکین کی حاضری اور سوال وجواب کی کیفیت بیان کی گئی ہے اور جب تمام خلائق کو جمع کیا جائے گا اور مشرکین سے پوچھا جائے گا کہ اب وہ تمہارے معبودان باطلہ کہاں ہیں؟

اور اعمال کی باز پرسی کا منظر مؤثر لفظوں میں کھینچا گیا ہے کہ کس طرح یہ مشرکین مجرمانہ حیثیت سے نادم وشرمندہ کھڑے ہوں گے اور ان کے حق میں یہ ہی فیصلہ ہوگا کہ اب اپنے انکار وتکذیب کی بدولت عذاب جہنم کا مزا چکھو۔

اس کے بعد دنیاوی زندگی کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ دنیاوی زندگی تو ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں اور یقین جانو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے آخرت والا گھر کہیں زیادہ بہتر ہے (آیت نمبر ۳۲)

جب کفار ومشرکین اتنے واضح دلائل کے بعد بھی انکار کرتے تو آپ ﷺ کو رنج پہنچتا اس پر آپ کو تسلی دی گئی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ (اے رسول!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان سے آپ کو رنج ہوتا ہے کیونکہ یہ دراصل آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے پھر جس طرح انہیں جھٹلایا گیا اور تکلیفیں دی گئیں اس پر انہوں نے صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچ گئی اور کوئی نہیں جو اللہ کی باتوں کو بدل سکے

(آیت نمبر ۳۴)

آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے جن میں سب سے بڑا معجزہ خود قرآن کریم تھا کیونکہ آپ کے اُمی ہونے کے باوجود یہ فصیح وبلیغ کلام آپ پر نازل ہوا جس کے آگے بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں نے گھٹنے ٹیک دیئے اور کسی نے وہ چیلنج قبول نہ کیا جو سورہ بقرہ وغیرہ میں دیا گیا تھا اسی کی طرف سورۃ عنکبوت میں بھی اشارہ فرمایا گیا کہ تنہا یہی معجزہ ایک حق کے طالب کیلئے کافی ہونا چاہئے لیکن کفار مکہ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے ہر روز نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں اس سلسلے میں جس قسم کے بیہودہ مطالبات وہ کرتے تھے ان کی ایک فہرست قرآن کریم نے سورۃ بنی اسرئیل میں بیان فرمائی ہے اس پر کبھی کبھی آنحضرت ﷺ کو بھی یہ خیال ہوتا کہ اگر ان کے فرمائشی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو شاید یہ لوگ ایمان لا کر جہنم سے بچ جائیں ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو مشفقانہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اگر آپ خود ان کے مطالبات پورے کرنے کیلئے ان کے کہنے کے مطابق زمین کے اندر جانے کے لئے کوئی سرنگ بنالیں یا آسمان پر چڑھنے کے لیئے کوئی سیڑھی ایجاد کرلیں تو یہ بھی کر دیکھیں۔

پھر فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ ہدایت وگمراہی سب حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کے اختیار سوء کی وجہ سے گمراہی میں پڑے رہنے دیتا ہے۔ (آیت: ۳۵)

آیت نمبر ۳۸ میں ارشاد فرمایا کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی صرف انسانوں کے

ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام جانوروں کو بھی قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا کہ جانوروں نے دنیا میں ایک دوسرے پر جو ظلم کئے ہوں گے میدان حشر میں مظلوم جانوروں کو حق دیا جائے گا کہ وہ ظالم سے بدلہ لے لیں، اس کے بعد چونکہ وہ حقوق اللہ کے مکلّف نہیں ہیں اس لئے ان پر دوبارہ موت طاری کردی جائے گی۔ یہاں اس حقیقت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ صرف انسانوں کو ہی نہیں بلکہ جانوروں کو بھی زندہ کیا جائے گا رہا یہ معاملہ کہ ابتداء دنیا سے انتہا تک کے بے شمار انسانوں اور جانوروں کے گلے سڑے اجزاء کو کیسے جمع کیا جائے گا؟ تو فرمایا کہ لوح محفوظ میں وہ بات درج ہے اور یہ ایسا ریکارڈ ہے کہ جس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔

آیت نمبر ۴۰، ۴۱ میں نبی ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے جو خدا کا شریک بتاتے ہیں پوچھئے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا قیامت ہی آجائے تو اس وقت تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ ایسے سخت وقت میں تو مشرکین بھی اللہ کو ہی پکارنے لگتے تھے اور جن کو شریک ٹھہراتے تھے ان سب کو بھول جاتے تھے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ جب مصیبت کے وقت اللہ کو پکارتے ہو تو خوشحالی اور راحت کے اوقات میں بھی اسی کو پکارنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا ہے کہ انہیں متنبہ کرنے کے لئے انہیں کچھ سختیوں میں بھی مبتلا فرمایا تا کہ وہ لوگ جن کے دل سختی کی حالت میں بھی نرم پڑے ہیں سوچنے سمجھنے کی طرف مائل ہوسکیں، پھر ان کو خوب خوشحالی عطا فرمائی تا کہ جو لوگ خوشحالی میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں وہ کچھ سبق لے سکیں جب دونوں حالتوں میں لوگ گمراہی پر قائم رہے تب ان پر عذاب نازل کیا گیا۔

قریش مکہ کہ کچھ سرداروں نے یہ کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے اردگرد غریب اور کم حیثیت قسم کے لوگ بکثرت رہتے ہیں ان کے ساتھ آپ علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھنا ہماری توہین ہے اگر آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھادیں تو ہم آپ کی بات سننے کے لئے آسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں آیت نمبر ۵۲ میں ارشاد فرمایا کہ "ان کے حساب میں

جواعمال ہیں ان میں سے کسی کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے اور آپ کے حساب میں جواعمال ہیں ان میں سے کسی کی ذمہ داری ان پر نہیں جس کی وجہ سے آپ انہیں نکال باہر کریں۔اور ظالموں میں شامل ہو جائیں۔(آیت نمبر۵۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے جس علاقے نینوا میں پیدا ہوئے تھے وہاں کے لوگ بتوں اور ستاروں کو خدامان کر ان کی عبادت کیا کرتے تھے ان کا باپ آزر بھی نہ صرف اس عقیدے کا تھا بلکہ خود بت تراشا کرتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام شروع ہی سے توحید پر ایمان رکھتے تھے اور شرک سے بیزار تھے لیکن انہوں نے اپنی قوم کو غور وفکر کی دعوت دینے کیلئے یہ لطیف طریقہ اختیار کیا کہ چاند، ستاروں اور سورج کو دیکھ کر پہلے اپنی قوم کی زبان میں بات کی۔مقصد یہ تھا کہ یہ ستارے، یہ چاند، اور یہ سورج تمہارے خیال میں میرے پروردگار ہیں لیکن یہ تو ناپائدار اور تغیر پسند چیزیں ہیں۔اور جو چیز خود ناپائدار ہو اور اس پر تغیرات طاری ہوتے رہتے ہوں۔وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے؟

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی ہمیشہ مسلمان ہوتا ہے بچپن سے لیکر موت تک نبی پر کبھی کفر طاری نہیں ہوتا نبی ہر دور میں ایمان والا ہوتا ہے لہذا اس آیت شریفہ میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا عقیدہ نہیں بیان فرمارہے بلکہ اپنی قوم کے عقیدے کی لغویت کو ظاہر فرمارہے ہیں۔

وَحَآجَّهُ قَوْمُهُ ط آیت نمبر۸۰ کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے حجت کرتے ہوئے ان سے دوباتیں کی تھیں۔

(۱) ہم نے اپنے باپ دادا کو بھی ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے ان سب کو گمراہ کہنا ہمارے بس سے باہر ہے۔

(۲) اگر تم نے ہمارے بتوں اور ستاروں کی خدائی سے انکار کیا تو وہ تمہیں تباہ و برباد کرڈالیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی بات کے جواب میں فرمایا کہ تمہارے باپ دادا کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں آئی تھی جب کہ میرے پاس عقلی دلائل بھی ہیں

اور میرے پاس وحی بھی آئی ہے۔

اور دوسری بات کا جواب یہ دیا کہ میں ان بے بنیاد دیوتاؤں سے نہیں ڈرتا کیونکہ نقصان اگر کوئی پہنچا سکتا ہے تو وہ اللہ کی ذات ہے کوئی اور نہیں۔ اور جو لوگ اس کی توحید پر ایمان لاتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے چین عطا کر رکھا ہے۔

جو دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام دے رہے تھے وہی دعوت دوسرے انبیاء علیہم السلام نے بھی اپنے اپنے دور میں دی سورہ انعام کی آیت نمبر۸۳تا۸۶ان میں سے اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام کے نام مذکور ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے وحی سے مشرف فرمایا تھا ان کے علاوہ بھی بے شمار انبیاء گزرے ہیں جن کے نام قرآن کریم میں مذکور نہیں۔

(آیت نمبر۸۷تا۸۹

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کی قوم نے تو ان کو نہیں مانا مگر ان کے بعد تقریباً ہر قوم نے ہی ان کو نبی تسلیم کیا حتی کہ مشرکین عرب جو نبوت و رسالت کے ہی منکر تھے وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا نبی مانتے تھے۔ چنانچہ انہی اہل عرب سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر وہ پیغمبر ہو سکتے ہیں اور ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے تو یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ نبوت کوئی چیز نہیں اور آنحضرت ﷺ کو اللہ کا رسول بنا کر بھیجنے میں آخر کون سی اشکال کی بات ہے جبکہ آپ کی نبوت کے دلائل روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ (آیت نمبر۸۹)

سورہ انعام کے گیارہویں رکوع میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے دلائل ذکر کئے ہیں جو خالق کے وجود اس کے علم وقدرت اور حکمت کے کمال پر واضح طور پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر کفار کا حال یہ ہے کہ وہ ان نشانیوں کو دیکھنے اور ان میں غور وفکر کرنے کے بجائے اللہ کے نبی سے معجزات کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ صاحب طلب معجزات طلب نہیں کرتا بلکہ وہ جدھر نظر اٹھاتا ہے اسے اللہ کی قدرت کی نشانیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ کافر اور مؤمن میں یہ ہی فرق ہے نظر کافر بھی ڈالتا ہے اور روز وہ ہی چیز دیکھتا ہے جو ایک مسلمان دیکھتا ہے مگر کافر کو پوری کائنات مادی اسباب میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ مگر جب ایک

مسلمان اسی چیز کو دیکھتا ہے تو اسے ہر مرحلے میں قدرت کی کاریگری نظر آتی ہے جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمین دار جب زمین میں دانہ ڈالتا ہے تو دانے کے دو حصے ہوتے ہیں ایک حصہ جڑ والا اور دوسرا حصہ تنے والا جڑ والا حصہ نیچے جائے گا اور تنے والا حصہ اوپر آئے گا مگر زمین دار کو یہ کہاں پتہ ہوتا ہے کہ کون سا حصہ جڑ والا ہے اور کونسا حصہ تنے والا۔ وہ تو ایسے ہی بیج ڈالتا چلا جاتا ہے پھینکتا چلا جاتا ہے اب جڑ والے حصہ کو کون نیچے لاتا ہے اور تنے والے حصے کو کون اوپر لاتا ہے اللہ کے نبی فرماتے ہیں کہ ہر دانے کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو دانے کو صحیح کرتا ہے (دروس القرآن ص ۲۰۴) یہ اللہ کی ذات کی کاریگری ہے جس کی طرف ایک اہل ایمان کا ہی دماغ جا سکتا ہے اور جب وہ اس کو ایک ایمانی نظر سے دیکھتا ہے تو بے ساختہ پکار اٹھتا ہے ''سبحان اللہ'' اسی طرح جب پودا زمین سے ایک ننھے پودے کی شکل میں نکلتا ہے اور پھر ایک تناور درخت کی صورت اختیار کرتا ہے اور پھر اس کا پھل رنگ خوشبو، چھوٹا بڑا اور کھٹا میٹھا ہونے کے اعتبار کیسے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے اور کس طرح اس کے اندر ذائقے پیدا ہوتے ہیں یہ سب قدرت خداوندی کی کرشمہ سازی ہی تو ہے۔ اسی لئے یہاں زمین سے اگنے والی چیزوں اور پھلوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ''جب یہ درخت پھل دیتے ہیں تو ان کے پھلوں اور ان کے پکنے کی کیفیت کو غور سے دیکھو۔ لوگو! ان سب چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں (مگر) ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائیں''۔

آیت نمبر ۱۰۸ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا (مسلمانو!) جن (جھوٹے) معبودوں کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں تم ان کو برا نہ کہو جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو برا کہنے لگیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ جن دیوتاؤں کو کافر اور مشرک لوگ خدا مانتے ہیں ان کی حقیقت کچھ بھی ہو لیکن اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ کافروں کے سامنے ان کے لئے بھی نازیبا الفاظ استعمال نہ کریں کہ کہیں اس کے جواب میں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں گستاخی نہ کر بیٹھیں علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کام بذات خود جائز یا مستحب ہو لیکن اندیشہ ہو کہ اس کے

نتیجے میں کوئی دوسرا شخص گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے گا تو اس صورت میں اس جائز یا مستحب کام کو چھوڑ دینا چاہئے۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے ماں باپ کو گالیاں نہ دیا کرو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ اپنے والدین کو کون گالی دے گا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کسی کے باپ کو گالی دو گے تو وہ تمہارے باپ کو گالی دے گا گویا تم نے خود اپنے باپ کو گالی دی۔(دروس القرآن فی شہر رمضان ص ۲۰۶)

اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جو کفار مسلمانوں کو اشتعال دلانے کیلئے اوران کی توہین کرنے کیلئے آنحضرت ﷺ کے خاکے بنارہے ہیں تو مسلمانوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ بھی اس کے جواب میں حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خاکے بنا ئیں یا ان کی کسی بھی اعتبار سے توہین کریں کیونکہ وہ تو ویسے بھی ہمارے ہیں اور ہمارے لئے ضروری ہے کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں اسی طرح تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا بھی اقرار کریں اوران کا احترام بھی کریں کہ یہ جزو ایمانی ہے۔

ساتویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) شراب اور جوے سے اجتناب کو اللہ تعالیٰ نے حصولِ فلاح کا ذریعہ بتایا ہے، گویا انہیں استعمال کرنے سے دنیا اور آخرت میں خسارہ ہوگا۔

(۲) کامل مومن وہ ہے جس کے دل میں اللہ کی رحمت کی امید بھی ہو اور عذاب کا خوف بھی۔

(۳) ایسے سوالات جن کے جواب سے دل میں ناگواری پیدا ہونے کا خطرہ ہو ان سے اعراض ہی بہتر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا: ''مجھے کوئی شخص کسی کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میں دنیا سے اس حال میں جاؤں کہ میرا سینہ صاف ہو۔''

(۴) یہ ضروری نہیں کہ معجزات کسی کے ایمان لانے کا سبب بن جائیں، بعض اوقات وہ کفر و عناد کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔

(۵) اللہ کی طرف جھوٹی باتوں کی نسبت کرنا اور ثابت شدہ حقائق کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم ہے۔

(۶) ضد اور تعصب انسان کو اندھا بہرا کر دیتے ہیں، پھر وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا نہ سنتا ہے اور نہ ہی سمجھتا ہے۔

(۷) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان زندگی ہے اور کفر موت ہے۔

(۸) ہدایت صرف انہی کو ملتی ہے جو کان اور آنکھیں کھلی رکھتے ہیں اور جنہیں اللہ توفیق دیتا ہے۔

(۹) شدت اور مصیبت کے وقت مشرک اور کافر بھی صرف اللہ کو پکارتا ہے (مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں صرف اللہ کو پکارے۔)

(۱۰) مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد کرتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
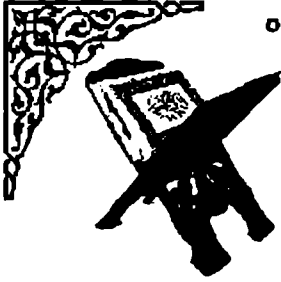
ساتویں تراویح

وَلَوْ اَنَّنَا (آٹھواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ! آج کی تراویح میں آٹھویں سپارے کی مکمل تلاوت کی گئی ہے۔ پہلی امتوں کی طرح اس امت کے کفار و مشرکین کا بھی یہ خاص وطیرہ رہا ہے کہ وہ معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے اور اس سلسلے میں بڑی زوردار قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس واقعی کوئی نشانی آجائے (یعنی ان کا مطلوبہ معجزہ) تو یہ یقیناً اس پر ایمان لے آئیں گے ساتویں پارے کے آخر میں ان کا یہ ہی مطالبہ مذکور تھا اب آٹھویں پارے کے شروع میں اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں ''اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھیج دیتے اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور (ان کی مانگی ہوئی) ہر چیز ہم کھلی آنکھوں ان کے سامنے لاکر رکھ دیتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے''

اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ہی سب کچھ ہے اگر اللہ کے کسی حکم کے خلاف ساری دنیا بھی جمع ہوجائے تو بھی اس پر عمل کرنا اور اللہ کے حکم کو توڑنا جائز نہ ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ ''کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں خالق کی نافرمانی میں'' سورۃ انعام کی آیت نمبر ۱۱۶ میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ ہی بات ارشاد فرمائی ہے کہ ''اگر آپ زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلیں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر ڈالیں گے وہ تو وہم و گمان کے سوا کسی چیز کے پیچھے نہیں چلتے اور ان کا اس کے سوا کچھ نہیں کہ خیالی اندازے لگاتے ہیں'' علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ سے مغربی جمہوریت کی نفی ہوتی ہے کیونکہ مغربی جمہوریت میں اکثر کی رائے کا اعتبار ہے خواہ وہ کتاب وسنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو جب کہ مسلمانوں کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ اگر پوری دنیا کے انسان کسی

ایسی بات پر متفق ہو جائیں جو کتاب وسنت کے واضح حکم کے خلاف ہو تو ان کے اتفاق کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اس اکثریتی رائے کو رد کر دیا جائے گا۔ اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ہی مانا جائے گا۔

کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ان کے دین کی بنیاد محض خیالی اندازوں پر ہے ان کی اس گمراہی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا یہ اس کو حلال سمجھتے تھے اور جس کو اللہ نے حلال قرار دیا اس کو یہ حرام سمجھتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ کچھ کافروں نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا کہ جس کو اللہ تعالیٰ قتل کرتا ہے یعنی وہ اپنی طبعی موت مر جائے اس کو تو تم مردار قرار دے کر حرام سمجھتے ہو اور جس جانور کو تم اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے ہو یعنی ذبح کرتے ہو اس کو حلال قرار دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کا جواب آیت نمبر ۱۱۸ اور ۱۱۹ میں دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حلال وحرام کا فیصلہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے چنانچہ اس نے واضح طور پر ارشاد فرمادیا کہ جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے ذبح کرتے وقت وہ تو حلال ہے اور جو ذبح کئے بغیر مر جائے یا جس پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حرام ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ کفار کے مذکورہ اعتراض کے جواب میں یہ مصلحت بھی بتائی جاسکتی تھی کہ جس جانور کو ذبح کیا جاتا ہے اس کا خون اچھی طرح بہہ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ انسان کے لئے نقصان دہ نہیں رہتا اس کے برخلاف جو جانور خود مر جاتا ہے اس کا خون جسم میں ہی رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے پورا گوشت خراب ہو جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ مصلحت بیان کرنے کے بجائے یہ کہنے پر اکتفا کیا کہ جو چیزیں حرام ہیں وہ اللہ نے خود بیان فرمادی ہیں۔ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کا کام اللہ کا حکم ماننا ہے چاہے اس حکم کی مصلحت اس کی سمجھ میں آئے یا نہیں اگرچہ اللہ کے ہر حکم میں مصلحت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نام گناہ ہے اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر ۱۲۰ میں ارشاد فرمایا کہ ''ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہ چھوڑ دو'' علماء نے لکھا ہے کہ ظاہری گناہوں میں وہ گناہ

داخل ہیں جو انسان اپنے ظاہری اعضاء سے کرے مثلاً جھوٹ، غیبت، دھوکا، رشوت، شراب نوشی، زنا وغیرہ اور باطنی گناہوں سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا تعلق دل سے ہوتا ہے مثلاً حسد، ریا کاری، تکبر، بغض اور دوسروں کی بدخواہی وغیرہ پہلی قسم کے گناہوں کے بارے میں علماء سے معلوم کیا جاتا ہے اور دوسری قسم کے گناہوں کے بارے میں مشائخ سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے افسوس آج مسلمان دونوں قسم کے گناہوں اور ان سے بچنے کی تدابیر سے ناواقف ہیں۔ حالانکہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ اس کو ہر وقت اس بات کی فکر رہے کہ میرا یہ کام اللہ کے کسی حکم کے خلاف تو نہیں اور یہ فکر علماء و مشائخ کے ساتھ جڑنے سے ہی پیدا ہوسکتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ ''اے ایمان والوں تقویٰ اختیار کرو اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوجاؤ''۔ (سورۃ التوبہ، آیت ۱۱۹)

آیت نمبر ۱۲۹ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''اور اسی طرح ہم ظالموں کو ان کے کمائے ہوئے اعمال کی وجہ سے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کافروں پر ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے شیاطین اور دوسرے ظالموں کو مسلط کر دیتے ہیں جو انہیں بہکاتے رہتے ہیں چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی ملک کے لوگ بداعمالیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو ان پر ظالم حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں ایک اور حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی ظالم کے ظلم میں اس کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اسی ظالم کو مدد کرنے والے پر مسلط کر دیتے ہیں (ابن کثیر) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے یہ شیاطین بھی ظالم تھے اور ان کے پیچھے چلنے والے بھی چنانچہ آخرت میں بھی ہم ان کو ایک دوسرے کا ساتھی بنا دیں گے۔

اس آیت کی روشنی میں اگر ہم اپنے ملک کے حالات پر نظر ڈالیں تو یہ آیت ہم پر بالکل فٹ ہوجائے گی۔ رشوت، چور بازاری، لوٹ مار، ایک دوسرے کے حقوق کا غصب، سود، گانے، موسیقی، بے حیائی، قتل و غارت گری، مظلوم علمائے کرام کی شہادتیں، آج ہمارے معاشرے کا ناسور بن گئیں ہیں اور یہ برائیاں ہمارے اندر اس طرح رچ بس گئی ہیں کہ ہم نے ان برائیوں کو برائی سمجھنا بھی چھوڑ دیا ہے بلکہ جس کو جو موقعہ میسر آجائے تو وہ اس

موقعہ سے فائدہ اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ آج ہم پر ایسے حکمران مسلط ہیں جو اللہ ورسول کے نمائندے نہیں بلکہ باطل پرستوں کے نمائندے ہیں، جو عوام کے لئے نہیں بلکہ اپنے خزانے بھرنے کیلئے حکومت کرتے ہیں جن کی موجودگی میں قانون صرف کتاب کا حصہ رہ جاتا ہے جن کی موجودگی میں ایک مسلمان کا مال اوراس کی زندگی ایک مکھی اور مچھر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ان کے دور میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے بہرحال اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے خود ظلم کرنے سے بھی اور ظلم کا شکار ہونے سے بھی۔

آیت نمبر ۱۳۶ تا آیت نمبر ۱۴۴ تک عرب کے مشرکین کی کچھ بے بنیاد رسموں کا بیان ہے ان لوگوں نے کسی معقول اور علمی بنیاد کے بغیر مختلف کاموں کو من گھڑت اسباب کی بنیاد پر حلال یا حرام قرار دے رکھا تھا۔ مثلاً خود اپنی اولاد کو انتہائی سنگ دلی سے قتل کر دیتے۔ اگر لڑکی پیدا ہوئی ہوتو اسے اپنے لئے بڑی شرم کی بات سمجھ کر اسے زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے بعض لوگ اس وجہ سے بھی لڑکیوں کو دفن کر دیتے تھے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اس لئے انسانوں کے لئے مناسب نہیں کہ وہ لڑکیاں رکھیں۔ لڑکوں کو بعض اس وجہ سے قتل کر دیتے تھے کہ ان کو کہاں سے کھلائیں گے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو یہ نذر مان لیتے تھے کہ ہمارا جو دسواں لڑکا ہوگا اسے اللہ یا بتوں کے نام پر ذبح کر دیں گے اس کے علاوہ بھی اپنے مویشیوں اور کھیتوں کی پیداوار کے بارے میں عجیب وغریب عقیدے گھڑ رکھے تھے مثلاً یہ کہ وہ زمین سے حاصل ہونے والے غلے اور چوپاؤں میں اللہ کا حصہ الگ کر لیتے اور اپنے شرکاء کا بھی حصہ الگ کر لیتے پھر جو ان کے شرکاء کا حصہ ہوتا تھا اسے تو اللہ کے حصہ میں نہیں ملنے دیتے تھے لیکن جو اللہ کا حصہ ہوتا تھا وہ اگر شرکاء کے حصہ میں مل جاتا تو اسکو برا نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح اپنے من پسند دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے چوپاؤں کو مختلف قسموں میں تقسیم کر رکھا تھا بعض وہ تھے جو کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کے لئے مخصوص تھے، بعض وہ تھے کہ جن پر سوار ہونا اوران سے کسی بھی طرح فائدہ اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، بعض وہ تھے جنہیں ذبح کرتے وقت اللہ کے بجائے بتوں کے نام ذکر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ

ان پر سوار ہو کر حج کیلئے جانا بھی ناجائز سمجھتے تھے اسی طرح وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ان خاص چوپایوں کے پیٹ میں جو بچہ ہے اگر وہ زندہ پیدا ہوتا ہے تو صرف مردوں کے لئے مخصوص ہے اور اگر مردہ پیدا ہوتا ہے تو مرد اور عورت سب کے لئے حلال ہے۔

ان کی یہ رسمیں ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولادوں کو کسی علمی وجہ کے بغیر محض حماقت سے قتل کیا ہے اور اللہ نے جو رزق ان کو دیا تھا اسے اللہ پر بہتان باندھ کر حرام کرلیا ہے وہ بری طرح گمراہ ہو گئے ہیں اور کبھی ہدایت پر آئے ہی نہیں (آیت نمبر ۱۴۰)

آیت نمبر ۱۵۱، ۱۵۲، اور ۱۵۳ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دس عظیم وصیتیں ارشاد فرمائی ہیں جن پر عمل ہی سے درحقیقت انسان کو سعادت اور عزت والی زندگی دنیا وآخرت میں حاصل ہوتی ہے (۱) اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (۲) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو (۳) اولاد کو غربت کی وجہ سے قتل نہ کرو ان کا اور تمہارا رزق اللہ کے ذمہ ہے (۴) خفیہ اور اعلانیہ ہر قسم کی فواحش اور بے حیائی کی باتوں اور کاموں سے دور رہا جائے۔ (۵) کسی انسان کو ناحق قتل نہ کرو (۶) یتیم کے مال میں ناحق تصرف نہ کرو (۷) ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو (۸) اپنے قریبی رشتے داروں اور غیروں کے درمیان انصاف سے کام لو (۹) اللہ کے عہد کو پورا کرو چاہے وہ عہد براہِ راست اللہ کے ساتھ کیا ہو یا وہ عہد جو کسی انسان سے کیا گیا ہو مگر اللہ کی قسم کھا کر یا اس کو گواہ بنا کر (۱۰) صراط مستقیم ہی کی اتباع کی جائے اور مختلف راستوں پر چلنے سے احتراز کیا جائے۔

سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص کوئی کمائی کرتا ہے اس کا نفع نقصان کسی اور پر نہیں خود اسی پر پڑتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا یعنی ہر شخص کو اپنے انجام کی خود فکر کرنا چاہئے کوئی دوسرا شخص اسے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

سورۃ الاعراف

سورۃ الاعراف مکی سورت ہے اور اس میں ۲۴ رکوع اور ۲۰۶ آیات ہیں اعراف عُرف

کی جمع ہے اور عُرف اونچے مقام کو کہتے ہیں جیسے ٹیلے اور پہاڑ وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اعراف کچھ ٹیلے یا چھوٹی پہاڑیاں یا اونچی دیوار ہے جو جنت اور جہنم کے درمیان واقع ہے اور وہاں کھڑے ہونے والوں کو ایک طرف جنت اور دوسری طرف جہنم نظر آئے گی یہاں ان لوگوں کو کھڑا کیا جائے گا جن کی نیکیاں اور برائیاں میزان میں برابر ہوں گی وہاں سے اصحاب اعراف جنت والوں کو جنت میں اور جہنم والوں کو جہنم میں دیکھیں گے جب تمام جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور تمام جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے تو اعراف والوں کا فیصلہ کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے سب اعراف والوں کو بھی جنت میں بھیج دیں گے۔

گذشتہ سورۃ انعام میں توحید کے مضامین زیادہ تھے اور اس سورت میں رسالت کے متعلق مضامین زیادہ ہیں۔

حروف مقطعات یعنی ''المص'' سے اس سورت کی ابتداء کی گئی ہے اور پھر آنحضرت ﷺ سے خطاب کر کے نزول قرآنی کی غرض وغایت بتلائی جارہی ہے اور ساتھ ہی کتاب اللہ کی پیروی کا بھی حکم دیا جارہا ہے اور اس کی نافرمانی کی صورت میں تباہی وبربادی کے واقعات سنائے جارہے ہیں اور بتلایا جارہا ہے کہ دنیا کی بربادی کے علاوہ آخرت میں بھی تمام انسانوں کے اعمال کا وزن ہوگا۔ اوران کو میزان عمل میں تولا جائے گا جن کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوں گے اور جن کے گناہوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہوگا۔

اس کی آیت ۱۱ر سے اللہ نے جو انسان کو عزت وتکریم بخشی ہے اس کا ذکر ہے یعنی انسان کو پہلے اپنے ہاتھ سے بنایا اور پھر اس میں روح پھونکی اور پھر فرشتوں کو اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔

اسی قصے کے ذیل میں ابلیس کا بھی قصہ ذکر کیا گیا ہے کہ مخالفت خداوندی کا نتیجہ کس قدر برا ہے کہ ابلیس اسی مخالفت کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ہوا اور پھر شیطان کے مکروفریب سے بچنے کی تلقین بھی کی گئی ہے کیونکہ وہ ایسا مکار دشمن ہے جو انسان کی راہ کھوٹی کرنے کیلئے ہر راستہ میں بیٹھا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ ابلیس کی مخالفت کی ابتداء جو

ابتدائے انسانیت سے ہوئی تھی وہ قیامت تک جاری رہے گی اور خیر وشر کا ٹکراؤ بھی ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

آیت نمبر ۲۶ تا ۳۲ اہل عرب کی ایک عجیب وغریب رسم کے پس منظر میں نازل ہوئیں ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے قریب رہنے والے کچھ قبیلے مثلاً قریش وغیرہ ''حمس'' کہلاتے تھے عرب کے دوسرے تمام قبیلے حرم کی پاسبانی کی وجہ سے ان لوگوں کی بڑی عزت کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ عربوں کے عقیدے کے مطابق کپڑے پہن کر طواف کرنا صرف انہی کا حق تھا دوسرے لوگ کہتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں اِن کے ساتھ ہم بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتے چنانچہ یہ لوگ جب طواف کے لئے آتے تو ''حمس'' کے کسی آدمی سے کپڑے مانگتے، اگر اسکے کپڑے مل جاتے تو انہیں پہن کر طواف کر لیتے لیکن اگر کسی کو ''حُمس'' میں سے کسی کے کپڑے نہیں ملتے تو وہ بالکل عریاں ہو کر طواف کرتے تھے یہ آیتیں اس بے ہودہ رسم کی تردید کیلئے نازل ہوئیں ہیں۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو چار بار ''یا بنی آدم'' سے خطاب فرمایا جن میں سے تین دفعہ انہی آیات میں خطاب فرمایا ہے اور ان تینوں خطابوں میں اللہ نے لباس کی نعمت کا ذکر کیا ہے کہ لباس ستر بھی چھپاتا ہے اور زینت کا بھی باعث ہے اور پھر ساتھ ہی فرمایا کہ تقویٰ کا لباس سب سے بہتر لباس ہے کیونکہ ظاہری لباس عریانی سے بچاتا ہے اور تقویٰ کا لباس شیطانی حملوں سے بچاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ بنی آدم کو یہ بار بار خطاب انہیں شیطان کے وساوس اور مکاریوں سے بچانے کے لئے ہے تاکہ انسان اس کی ملمع سازباتیں سن کر دھوکہ نہ کھاجائے کیونکہ وہ ایسا چالاک دشمن ہے جو بظاہر دوست کا لباس پہن کر آتا ہے اور اسے خیر کو شر اور شر کو خیر بنانے کا طریقہ آتا ہے

آج جب ہم اپنے اردگرد نظر ڈالتے ہیں تو ہر طرف بے حیائی کا سیلاب امنڈتا ہوا نظر آتا ہے عورت کو آزادی کا جھانسہ دے کر اس کا لباس اتروادیا گیا ہے اور اسے ہر ایسی جگہ کی زینت بنادیا گیا ہے جہاں مرد کی ہوس ناک نظروں کو شیطانی تسکین مل سکے۔

چوتھا خطاب آیات نمبر ۳۵ ہے جس میں فرمایا گیا کہ اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس

تم ہی میں سے رسول آئیں جو تم کو میری آیات سنائیں تو جو تقویٰ اختیار کرلیں گے اور اپنی اصلاح کرلیں گے تو ایسوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس کے علاوہ اس سورت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اسلام زندگی کے تمام جائز مطالبات کو پورا کرنے والا دین ہے وہ نہ کسی غلط کام کا حکم دیتا ہے اور نہ کسی صحیح کام کو کرنے سے روکتا ہے چنانچہ اسلام نے رہبانیت کی تردید فرمائی ہے کہ جو لوگ حلال اور پاک چیزوں سے بچنے کو اور ان کے استعمال نہ کرنے کو اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اللہ تعالیٰ نے جسم اور روح دونوں کے حقوق رکھے ہیں اس لئے حقیقی مسلمان وہی ہے جو جسم اور روح کے مطالبات کو پورا کرتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتہ چلا کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مسلسل روزے رکھتے ہیں اور رات کو مسلسل قیام کرتے ہیں جس کی وجہ سے اپنی اہلیہ کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اوپر تمہارے رب کا بھی حق ہے، گھر والوں کا بھی حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی حق ہے لہٰذا ہر حق والے کو اس کا حق دو۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ نے ان کی اس نصیحت کا ذکر حضور ﷺ سے کیا آپ ﷺ نے فرمایا سلمان نے سچ کہا۔

آٹھویں پارے کے بارہویں رکوع میں اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان مکالمہ کا تذکرہ ہے اہل جنت دوزخیوں سے سوال کریں گے کہ تمہیں آج بھی اللہ کے وعدوں کے سچے ہونے کا یقین آیا یا نہیں؟ اہل جہنم اقرار کریں گے کہ ہاں واقعی ہم نے اللہ کے وعدوں کو سچا پایا۔ اسی طرح جب دوزخی جہنم کی ہولناک گرمی اور بھوک اور پیاس سے پریشان ہو جائیں گے تو اہل جنت کے سامنے دست سوال دراز کریں گے کہ ہمیں کچھ کھانے اور پینے کو دو لیکن ظاہر ہے کہ ان کا یہ سوال رائیگاں جائے گا۔

اہل جنت اور اہل جہنم کے علاوہ بھی ایک تیسرا گروہ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس رکوع میں فرمایا ہے اور وہ ہیں اہل اعراف یہ وہ لوگ ہوں گے جو مؤمن تو ہونگے لیکن اعمال صالحہ میں دوسرے جنتیوں سے پیچھے رہ گئے ہوں گے انہیں فوری طور پر نہ جنت میں

داخل کیا جائے گا اور نہ جہنم میں بلکہ ان کا فیصلہ مؤخر کر دیا جائے گا تمام اہل جنت اور اہل جہنم کے حساب کتاب کے مکمل ہونے تک جب اہل جنت جنت میں اور اہل جہنم جہنم میں چلیں جائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کو بھی جنت میں جانے کی اجازت مرحمت فرمادیں گے۔

اہل جنت اور اہل جہنم کی طرح اہل اعراف اور اہل جہنم میں بھی مکالمہ ہوگا جو کہ تیرہویں رکوع میں مذکور ہے۔

اس کے بعد اگلے رکوع میں توحید کے اور اللہ کی قدرت کے تین اہم دلائل بیان کئے گئے ہیں:۔

(۱) تہہ بہ تہہ سات آسمان جو کسی ستون کے بغیر کھڑے ہیں اللہ کی قدرت کے واضح ثبوت ہیں۔

(۲) رحمٰن کا عرش جس کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ سارے آسمان وزمین اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور کسی کا خیال اس کی عظمت کا تصور نہیں کر سکتا، اللہ کا عرش ان متشابہات میں سے ہے کہ ہم اس کے ہونے اور اسکے عظیم الشان ہونے کا یقین تو رکھتے ہیں مگر اس کی کیفیت کیا ہے وہ کس طرح کا ہے یہ ہم نہیں جانتے بلکہ اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ جیسی اللہ کی شان ہے اسی کی شان کے مطابق اس کا عرش ہے۔

(۳) وہ سورج چاند اور ستاروں کی تخلیق جو اللہ تعالی کی مشیت اور غلبہ کے تحت ہے یہ سب چاند، سورج، اور ستارے ایسی فضاء میں تیر رہے ہیں جن کی وسعتوں کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا نہ تو یہ آپس میں ٹکراتے ہیں اور نہ ہی اپنے مدار سے باہر نکلتے ہیں۔

سورہ اعراف کے ساتویں رکوع سے چھ انبیاء علیہم السلام یعنی حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب، اور حضرت موسیٰ علیہم الصلوۃ والسلام کے قصے ذکر کئے گئے ہیں۔ جن میں بطور اصول اور کلیہ کے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس جگہ کسی نبی کی بعثت ہوئی اور ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا تو تنبیہ کے لئے اللہ نے پہلے ان کو معاشی تنگی، قحط سالی اور وباء وغیرہ میں مبتلاء کیا پھر فراغت اور خوشحالی کے ذریعے ان کو آزمایا گیا

جب تمام آسائشوں کے باوجود انہوں نے حق کا راستہ اختیار نہ کیا تو پھر تباہی و بربادی کا عذاب ان پر مسلط کر دیا گیا۔

اس اصول کے ذریعے کئی باتیں معلوم ہوئیں (۱) دنیاوی نعمتوں میں طاعت الٰہی کو اور دنیاوی مصائب میں اللہ کی نافرمانی ومعصیت کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ (۲) جن بستیوں پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو وہ بغیر اتمام حجت کے نہیں آیا بلکہ ان کو مہلت بھی دی گئی تنبیہات بھی کی گئیں اس کے بعد اللہ کے عذاب نے پکڑا ہے۔ (۳) کفار ومشرکین سے جن لوگوں کو خوشحالی دی جاتی ہے وہ ایک خاص حکمت کے تحت ہوتی ہے کیونکہ اس میں برکت نہیں اور مسلمانوں کی خوشحالی میں برکت شامل ہوتی ہے اس لئے کفار کی دولت کو دیکھ کر دل چھوٹا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ دولت ان کے لئے وبال بننے والی ہے (۴) عذاب الٰہی سے بے خوف ہوجانا اور مطمئن ہوکر بیٹھ جانا کفر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''ایمان نام ہے امید اور خوف کی درمیانی حالت کا'' اس لئے مسلمانوں کو اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے۔

سب سے پہلا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال تک اس قوم کو تبلیغ فرمائی اور سمجھانے کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا کچھ نیک بخت لوگ جو زیادہ تر غریب طبقے سے تعلق رکھتے تھے ان پر ایمان لائے لیکن قوم کی اکثریت نے کفر کا ہی راستہ اختیار کئے رکھا حضرت نوح علیہ السلام ان کو اللہ کے عذاب سے ڈارتے رہے لیکن جب وہ نہ مانے تو انہوں نے بددعا دی او پھر ان کو ایک شدید طوفان میں غرق کر دیا گیا۔

دوسرا قصہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا ہے۔ قوم عاد عربوں کی ابتدائی نسل کی ایک قوم تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ لسلام سے کم از کم دو ہزار سال پہلے یمن کے علاقے حضر موت کے آس پاس آباد تھی یہ لوگ اپنی جسمانی طاقت اور پتھروں کے تراشنے کے ہنر میں مشہور تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے بت بنا بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی اور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو بڑی دردرمندی سے سمجھانے

کی کوشش کی مگر چند نیک طبع لوگوں کے سوا باقی لوگوں نے ان کا کہنا نہیں مانا پہلے ان کو قحط میں مبتلا کیا گیا اور حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو یاد دلایا کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک تنبیہ ہے اگر اب بھی تم اپنی بداعمالیوں سے باز آجاؤ تو اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کی بارش برسادے گا لیکن اس قوم پر کچھ اثر نہ ہوا آخر کار ان پر تیز وتند آندھی کا عذاب بھیجا گیا جو آٹھ دن تک متواتر جاری رہا یہاں تک کہ یہ ساری قوم ہلاک ہوگئی۔

تیسرا واقعہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا ہے ثمود بھی عاد ہی کی نسل سے تھے اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کے جو ساتھی عذاب سے بچ گئے تھے یہ ان کی اولاد تھی اور ثمود ان کے دادا کا نام تھا اس لئے ان کو عاد ثانیہ بھی کہا جاتا ہے یہ قوم عرب اور شام کے درمیانی علاقے میں آباد تھی ان کے راستوں میں آج بھی ان کے کھنڈرات باقی ہیں اس قوم میں بھی رفتہ رفتہ بت پرستی کی بیماری پیدا ہوگئی تھی اور اس کی وجہ سے بہت سی عملی خرابیاں پھیل گئی تھیں حضرت صالح علیہ السلام نے جوانی سے بڑھاپے تک مسلسل ان کو تبلیغ کی جس کے نتیجے میں ان لوگوں نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ہمارے سامنے کے پہاڑ سے کوئی اونٹنی نکال کر دکھادیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے اونٹنی نکال کر بھی دکھادی اس پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے مگر بڑے بڑے سردار اپنے عہد سے پھر گئے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی روک دیا اور اونٹنی کو بھی نقصان پہنچانے کا ارداہ کیا حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو منع کیا مگر ایک شخص جس کا نام ''قذار'' تھا اس نے اس کو قتل کر ڈالا حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتادیا کہ تین دن میں ان پر عذاب آئے گا اور اس کی نشانی بھی بتادی کہ پہلے دن چہروں کا رنگ پیلا دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن کالا ہوجائے گا اس ضدی قوم نے بجائے استغفار کے حضرت صالح علیہ اسلام کو ہی قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن اللہ نے ان کو ہی ہلاک کر ڈالا پہلے شدید زلزلہ آیا اور پھر ایک ہیبت ناک چیخ کی آواز نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا۔

چوتھا واقعہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا ہے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور عراق میں پیدا ہوئے اور ان کو اللہ نے اردن کے شہر سدوم کی طرف نبی بنا کر

بھیجا تھا یہ مرکزی شہر تھا اور اس کے مضافات میں اور بستیاں بھی تھیں کفر شرک کے علاوہ ان لوگوں کی شرمناک بدعملی یہ تھی کہ وہ ہم جنس پرستی کی لعنت میں گرفتار تھے جس کا ارتکاب قرآن کریم کے مطابق ان سے پہلے کسی نے بھی نہیں کیا تھا حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو منع فرمایا مگر وہ بعض نہ آئے تو اللہ کی طرف سے ان پر پتھروں کی بارش کی گئی اور ان تمام بستیوں کو الٹ دیا گیا۔

پانچواں واقعہ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا ہے جس کا کچھ حصہ آٹھویں پارے میں اور کچھ حصہ نویں پارے میں ہے۔ ان شاء اللہ نویں پارے میں ہی اس کا خلاصہ ذکر کیا جائے گا۔

آٹھویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی، یونہی ہر پرکشش تقریر اور تحریر حق پر مبنی نہیں ہوتی، شیطان کا سب سے موثر حربہ ملمع سازی ہے، وہ بدی کو نیکی اور باطل کو حق کے روپ میں پیش کرتا ہے جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

(۲) ہر قسم کے گناہوں سے توبہ کرنا واجب ہے خواہ وہ خفیہ ہوں یا علانیہ، ظاہری اعضاء سے تعلق رکھتے ہوں یا کہ ان کا تعلق دل سے ہو جیسے کہ بغض و حسد، حب مال اور حب جاہ وغیرہ۔

(۳) ایمان، زندگی اور کفر موت ہے، صاحب بصیرت مومن، روشنی میں زندگی گزارتا ہے جبکہ کافر مختلف قسم کی تاریکیوں میں گھرا رہتا ہے۔ کفر کی تاریکی، راستے کی تاریکی اور اس مشکوک مستقبل کی تاریکی میں جس میں حیرت، اضطراب اور بے سکونی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

(۴) جس بندے کے دل میں ہدایت کی سچی طلب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے شرح صدر عطا فرما دیتا ہے۔

(۵) اللہ کی سنت یہ ہے کہ اعمال، انسانوں کے درمیان محبت اور دوستی کا معیار بن جاتے ہیں، نیک نیکوں سے اور برے بروں سے محبت رکھتے ہیں۔

(۶) قتل اولاد جسمانی بھی ہوتا ہے اور روحانی بھی۔ بچے کی اسلامی نہج پر تربیت نہ کرنا اور اسے شیطان کے ہاتھوں میں کھلونا بنا دینا اس کا روحانی قتل ہے۔ علومِ جدیدہ کی تعلیم کے لئے قائم کی گئیں اکثر درسگاہیں قوم کے نونہالوں کو روحانی طور پر قتل کر رہی ہیں۔

(۷) اسراف جائز نہیں، اسراف کی ایک صورت تو یہ ہے کہ فضول کاموں میں مال اُڑا دے اور دوسری صورت یہ ہے کہ خرچ تو جائز مصرف میں کرے مگر سب خرچ

کردے اور اپنے اہل وعیال کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑے۔

(۸) وہی دلیل معتبر ہوگی جس کی بنیاد علمِ صحیح پر ہوگی، ورنہ فضول بحث کرنے والے تو اپنی گپ شپ کو بھی دلیل کا نام دے دیتے ہیں۔

(۹) ظلم شدید ترین گناہ ہے جو شہروں اور ملکوں کو چٹیل میدانوں میں تبدیل کر دیتا ہے لیکن سب سے بڑا ظلم آیاتِ الٰہیہ کو جھٹلانا ہے۔

(۱۰) جاہلیت اور ضلالت کے اندھیروں میں قرآن کا یہ اعلان روشنی کی ایک کرن کی حیثیت رکھتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ہی ذمہ دار ہے اور ایک کے گناہوں کا بوجھ دوسرے پر نہیں لادا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
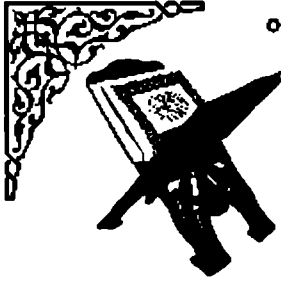
آٹھویں تراویح

قَالَ الْمَلَأُ (نواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں نویں سپارے کی مکمل تلاوت کی گئی ہے۔ آٹھویں پارے کے آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ شروع ہوا تھا جس کا باقی حصہ نویں پارے میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا جو ایک قبیلہ اور بستی دونوں کا نام ہے۔ بعض روایات کے مطابق یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے مدین کے لوگوں میں کفر و شرک کے علاوہ بہت سی بدعنوانیاں بھی تھیں مثلاً ناپ تول میں کمی کرتے تھے، زبردستی ٹیکس وصول کرتے تھے، کچھ لوگ ڈاکے بھی ڈالتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جانے والوں کو روکتے اور انہیں تنگ کرتے حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو سمجھایا مگر قوم نے کچھ اثر نہ لیا حالانکہ حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ نے تقریر و خطابت کا ملکہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے آپ کو خطیب الانبیاء بھی کہا جاتا ہے۔ آخر کار یہ قوم بھی اللہ کے عذاب کا نشانہ بنی۔ اس قوم پر جو عذاب آیا اس کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے ان پر سخت گرمی پڑی جس سے یہ بلبلا اٹھے پھر ایک ٹھنڈی ہوا کا بادل آیا یہ اس کے نیچے جمع ہو گئے اس وقت اس بادل سے آگ برسنے لگی پھر زلزلہ آیا اور اس کے ساتھ عموماً آواز بھی ہوتی ہے جسے چنگھاڑ کہا گیا ہے۔

یہ پانچوں قصے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ آیت نمبر ۹۴ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جن قوموں اور بستیوں کو ہلاک کیا گیا ہے وہ ایسے ہی جلدی اور غصے میں نہیں کیا گیا بلکہ سالہا سال تک ان کو مواقع فراہم کئے گئے ان میں پیغمبر بھیجے، پھر شروع میں انہیں کچھ معاشی

بدحالی، بیماری اور مصیبتوں میں گرفتار کیا اور اس کے بعد بدحالی سے خوش حالی کی نعمت کی طرف بھی ان کو لے گئے تا کہ وہ شکر گزار بن جائیں لیکن جب وہ نرمی یا سختی کسی بھی طرح نہیں سمجھتے تو پھر ان کو عذاب اپنی گرفت میں لیتا ہے

اس کے بعد نویں پارے کے تیسرے رکوع کی آیت نمبر ۱۰۳ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے جو آیت نمبر ۱۶۲ تک پھیلا ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام مبارک قرآن کریم میں سب سے زیادہ آیا ہے اور ان میں بھی سب سے زیادہ اس سورۃ اعراف میں آیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ۱۲۰ سال عمر عطا کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام چوتھی پشت میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے جا ملتے ہیں، سورۃ یوسف میں قرآن کریم نے بتلایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے وزیر خزانہ بنائے گئے تو انہوں نے اپنے والدین اور بھائیوں کو بھی مصر بلا لیا تھا اور یہیں سے بنی اسرائیل کی مصر میں ابتداء ہوئی تھی مصر کے بادشاہ نے ان کو شہر سے الگ ایک علاقہ دے دیا تھا حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد رفتہ رفتہ مصر کے بادشاہوں نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنالیا تھا۔ مصر کے تمام بادشاہوں کو فرعون کہا جاتا تھا انہیں بادشاہوں میں ایک بادشاہ جس کا نام ''منفتاح'' تھا اور اس کی ۶۴۰ سال عمر ہوئی تھی نے خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا (حضرت موسیٰ اور حضرت یوسف علیہما السلام کے درمیان تقریباً ۴۰۰ سال کا فاصلہ ہے) کہ وہ فرعون کو نرمی سے سمجھائیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے یہ دعویٰ کیا کہ میں رب العالمین کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں تو فرعون نے مذاق کے طور پر کہا کہ اچھا اگر تم واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ آپ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوفناک اژدھے کی شکل اختیار کر گئی پھر آپ نے اپنا ہاتھ باہر نکالا اس سے ایسا نور نکلا جس سے ارض وسماء کے درمیان چکا چوند ہوگئی فرعون نے جب یہ دیکھا تو اسے یہ ڈر ہوا کہ کہیں لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں اس لئے اس نے اپنے مشیروں سے کہا کہ یہ ایک جادوگر ہے جو تمہارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے

لہذا تم لوگ مجھے مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہئے انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں بھی بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود ہیں ان سب کو جمع کرلیا جائے تا کہ وہ ایک مجمع عام کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کو شکست دیں چنانچہ ایک مخصوص دن اور مخصوص وقت میں مصر کے ہزاروں لوگ جمع ہوگئے ساحروں کے جادو کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا معجزہ دکھایا تو تمام جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں اسلئے بے اختیار سجدے میں گر گئے اور ایمان قبول کرلیا ان کے قبول ایمان نے فرعون کو سیخ پا کردیا اور وہ گالم گلوچ اور دھمکیوں پر اتر آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایسا ایمان جمایا کہ فرعون کی دھمکیاں ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کرسکیں۔

فرعون اور اس کے حواری اس کے بعد بھی ضد اور ہٹ دھرمی میں لگے رہے اور مسلسل تکبر، سرکشی، انکار اور ظلم وستم کا سلسلہ اس نے جاری رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یکے بعد دیگرے مختلف عذابوں اور آزمائشوں میں بھی مبتلا کیا مثلاً ☆ ایسا طوفان اللہ نے بھیجا کہ ان کی ساری کھیتیاں تباہ ہوگئیں ☆ ٹڈیوں کے دل کے دل آئے اور درختوں کے پتے تک چٹ کر گئے ☆ اس قدر چیچڑیاں پیدا ہوگئیں کہ انہوں نے سارا غلہ ہی خراب کردیا ☆ مینڈکوں کی اتنی کثرت ہوگئی کہ بات کرنے کیلئے منہ کھولتے تو مینڈک منہ کی طرف چھلانگ لگاتے ☆ ان کی نہروں، کنوؤں اور مٹکوں تک کا پانی خون میں تبدیل ہوگیا۔

جب کوئی عذاب آتا اور یہ لوگ پریشان ہوجاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آہ وزاری اور عہد واقرار شروع کردیتے کہ اگر اللہ نے ہمیں اس عذاب سے نجات دے دی تو ہم ایمان لے آئیں گے لیکن جب عذاب ٹل جاتا تو وہی کچھ کرنے لگتے جو پہلے کررہے ہوتے تھے کچھ عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکل جائیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرئیل کو رات کی تاریکی میں لیکر نکل گئے جب بنی اسرائیل کو آزادی نصیب ہوئی تو ان کو ایک دستور زندگی کی ضرورت پیش آئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلالیا وہاں انہوں نے چالیس دن قیام کیا اور روزے رکھے، اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا

شرف بھی حاصل ہوااور دستورزندگی کے طور پر تورات بھی عطا ہوئی۔ ادھر آپ کے پیچھے بنی اسرائیل کو سامری نے بہلا پھسلا کر بچھڑے کی عبادت شروع کروادی آپ واپس تشریف لائے تو آپ کو ان کی اس مشرکانہ حرکت پر بہت دکھ ہوا۔ بنی اسرئیل کی عجیب حالت تھی کہ قدم قدم پر پھسل جاتے تھے، وعدے کرتے اور بھلا دیتے، احکام خداندی کا مذاق اڑاتے یہاں تک کہ ان میں تاویل اور تحریف تک کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ انہیں کہا گیا کہ بستی میں سر جھکا کر داخل ہونا مگر وہ سر اٹھا کر اور سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے، انہیں کہا گیا کہ ہفتے کے دن اللہ کی عبادت کے سوا کچھ نہ کرو مگر وہ حیلے بہانے سے مچھلی کا شکار کرنے لگے ان پر کوہ طور اٹھا کر تورات پر عمل کا وعدہ لیا گیا مگر وہ اپنے وعدے کو نبھانے میں ناکام رہے یہ تمام واقعات سورۃ اعراف کی مختلف آیات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بنی اسرئیل سے وعدہ لینے کے ذکر کی مناسبت سے عہد الست کا بھی ذکر کیا گیا ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام انسانوں سے بھی اس بات کا عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے حکموں کی تعمیل کریں گے۔ مگر اکثر لوگ اس عہد کو بھول گئے۔

سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۵ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''اے رسول ان کو اس شخص کا واقعہ پڑھ کر سنایئے جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں مگر وہ ان کو بالکل ہی چھوڑ نکلا پھر شیطان اس کے پیچھے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا'' عام طور پر مفسرین اس سے بلعم بن باعورا کا قصہ مراد لیتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فلسطین کے علاقے موآب میں یہ ایک عابد وزاہد شخص تھا اور اس کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اس وقت اس علاقے میں بت پرست قوموں کا قبضہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل کا لشکر لیکر اس علاقے پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فوجیں موآب کے دروازے تک پہنچ گئیں تو وہاں کے بادشاہ نے بلعم سے کہا کہ وہ ان کے خلاف بددعا کرے پہلے تو وہ راضی نہ ہوا مگر پھر انعام واکرام کے لالچ میں آ کر ہاتھ اٹھا دیئے مگر اللہ نے اس کی زبان پر بددعا کے بجائے حضرت موسیٰ کے حق میں دعا کو جاری فرما دیا پھر اس نے بادشاہ کو یہ مشورہ

دیا کہ بنی اسرائیل کو عورتوں کے فتنے میں مبتلا کردو بنی اسرائیل اس فتنے میں مبتلا ہوگئے جس کی وجہ سے ان میں عذاب کے طور پر طاعون کی وباء پھوٹ پڑی۔ بلعم بن باعورا کی بدعملی کی وجہ سے اس کی زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی تھی۔

اس قصے سے یہ سبق ملتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم اور عبادت کے شرف سے نوازا ہو اس کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ احتیاط اور تقویٰ سے کام لینا چاہئے اگر ایسا شخص اللہ کی آیات کی خلاف ورزی کر کے ناجائز خواہشات کے پیچھے چل پڑے تو اس کا انجام دنیا اور آخرت دونوں میں بُرا ہوتا ہے۔

سورہ اعراف میں آیت نمبر ۱۷۹ میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کی بنیادی بیماری کی نشاندہی کی ہے کہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے سامنے جواب دہی سے غافل ہیں اور غور کریں تو دنیا میں ہر قسم کی برائی کا اصل سبب ہمیشہ یہ ہی بیماری ہے اگلی آیت میں اس کا علاج بھی ارشاد فرمادیا کہ اللہ کا ذکر کیا جائے اور اپنی ہر حاجت اللہ ہی سے مانگی جائے اس کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ۔

آیت نمبر ۱۸۸ میں ارشاد فرمایا کہ ”کہہ دیجئے کہ جب تک اللہ نہ چاہے میں خود اپنے آپ کو بھی کوئی نفع یا نقصان پہچانے کا اختیار نہیں رکھتا اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو اچھی اچھی چیزیں خوب جمع کرتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی“، یعنی اگر مجھے غیب کی ساری باتیں معلوم ہوجایا کرتیں تو میں دنیا کے سارے فائدے اکٹھے کرلیتا اور کبھی مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی کیونکہ ہر کام کا انجام مجھے پہلے سے معلوم ہوجاتا اس سے معلوم ہوا کہ مجھے غیب کی ساری باتوں کا علم نہیں دیا گیا البتہ جو باتیں اللہ تعالیٰ مجھے وحی کے ذریعے بتادیتے ہیں ان کا مجھے بھی علم ہوجاتا ہے یہ ان کافروں کی بھی تردید ہے جو پیغمبر کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ اسے خدائی اختیارات ہوں اور ان لوگوں کے لئے بھی تنبیہ ہے جو اپنے پیغمبروں کی تعظیم میں حد سے نکل کر انہیں خدائی کا درجہ دے دیتے ہیں اور جس شرک کو مٹانے کے لئے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے ان کی تعظیم کے نام پر اسی شرک کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۹۹ اور ۲۰۰ میں ارشاد فرمایا کہ ”(اے پیغمبر) درگزر کا رویہ اپنایئے، اور

لوگوں کو نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دیجئے اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی کچوکا لگ جائے تو اللہ کی پناہ مانگ لو' مفسرین نے لکھا ہے کہ کچوکا سے مراد وسوسہ ہے اور اس آیت شریفہ میں ہر مسلمان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب کبھی شیطان دل میں کوئی برے خیال کا وسوسہ ڈالے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے اس بات کا ذکر خاص طور پر درگزر کا رویہ اپنانے کے سلسلے میں کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں درگزر کرنے کی فضیلت ہے وہاں بھی اگر شیطانی اثر سے کبھی کسی کو غصہ آجائے تو اس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا ہے۔

سورۃ اعراف کی ابتداء بھی قرآن کریم کی عظمت کے بیان سے ہوئی تھی اور اسکا اختتام بھی قرآن کریم کی تعظیم کے بیان پر ہوا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے' جب کوئی شخص قرآن کریم کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے پڑھتا ہے یا سنتا ہے اور غور وتدبر کرتا ہے تو اس کا دل متاثر ہوتا ہے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

ملحوظہ: اس سورۃ کے آخر میں آیت سجدہ ہے جو شخص عربی میں آیت سجدہ پڑھے گا یا سنے گا اس پر سجدہ کرنا واجب ہے اس سورہ میں یہ پہلا سجدہ ہے اور قرآن کریم میں کل چودہ سجدے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے جو شخص سجدے کی آیت پڑھے اور سجدہ کرے پھر دوسری آیت سجدہ پڑھے اور سجدہ کرے اسی طرح تمام آیت سجدہ الگ الگ پڑھتا جائے اور ہر ایک کے ساتھ سجدہ کرتا جائے اور آخر میں اللہ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام پریشانیوں کو دور فرما دیں گے۔

سورۃ الانفال

اب سورۃ الانفال شروع ہو رہی ہے اس سورۃ کے پہلے ہی جملے میں انفال کا لفظ آیا ہے اسی لفظ کو اس کے نام کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ انفال نفل کی جمع ہے اور اسکے لفظی معنیٰ زیادتی کے ہیں اور شرعی اعتبار سے اس کے معنی وہ مال ہے جو جنگ کے بعد دشمن سے

حاصل ہو جس کو مال غنیمت بھی کہتے ہیں۔ اس سورت کی ابتداء بھی مال غنیمت کا حکم بیان کرنے سے ہوئی ہے۔ اور دسویں پارے کے شروع میں اس کی مزید تفصیل ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ، آپ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، اور مسافروں کو دیا جائے گا جبکہ چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم ہونگے۔

اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو چھ بار یآیّھا الّذین اٰمنوا کے محبت آمیز خطاب سے یاد فرمایا ہے اور جہاد سے متعلق ایسے امور ارشاد فرمائے ہیں جن کے ذریعے میدان جہاد میں کامیابی کے جھنڈے گاڑے جاسکتے ہیں پھر کفار و مشرکین کو نہایت سبق آموز انداز میں تنبیہ کی گئی ہے اور جنگ و صلح کے بھی کچھ احکامات بیان فرمائے گئے ہیں اسی طرح اسلامی مملکت کے دستور قانون کی بعض دفعات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

اس سورت میں اسلام اور کفر کے درمیان ہونے والی سب سے پہلی جنگ یعنی غزوہ بدر کے بارے میں مستقل تبصرہ کیا گیا ہے اور اس اخلاقی مقصد کو بھی بتایا گیا ہے جو حق و باطل کے اس معرکے میں تھا اور ہونا چاہئے تھا۔ اسلئے پہلے غزوہ بدر کی وجہ اور معاندین کے اس پر اعتراضات کے جواب اور پھر مختصراً غزوہ بدر کا حال مندرجہ ذیل بیان کیا جا رہا ہے۔

مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ نے نبوت کے بعد تیرہ سال قیام فرمایا جس کے دوران آپ علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کو کفار نے ہر طرح کی تکالیف پہنچائیں یہاں تک کہ آپ ﷺ کو قتل کرنے تک کا منصوبہ بھی بنایا گیا جس کا تذکرہ بھی اس سورہ میں موجود ہے جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہ بات بھی کفار کو برداشت نہ ہوئی چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو مدینہ منورہ میں خط لکھا کہ تم لوگوں نے محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دی ہے اس کو ختم کردو ورنہ ہم تم پر حملہ کردیں گے (ابوداؤد، کتاب الخراج باب ۲۳ حدیث نمبر ۳۰۰۴) اسی طرح ایک انصاری سردار صحابی حضرت سعد بن معاذ ؓ جب مکہ مکرمہ گئے تو طواف کے دوران ابوجہل نے ان سے کہا کہ تم نے ہمارے دشمنوں کو پناہ دے رکھی ہے اگر تم ہمارے ایک سردار کی پناہ میں نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ واپس نہ جاتے جس کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ اگر مدینہ منورہ کا کوئی آدمی مکہ مکرمہ آئے گا تو قتل کردیا جائے گا

حضرت سعد رضی اللہ نے فرمایا کہ اگر تم ہمارے آدمیوں کو مکہ مکرمہ آنے سے روکو گے تو ہم تمہارے لئے اس سے بڑی رکاوٹ کھڑی کر دیں گے۔ یعنی تمہارے تجارتی قافلے جو مدینہ منورہ کے راستے شام وغیرہ جاتے ہیں تو ہم ان کو روکنے اور حملہ کرنے میں آزاد ہوں گے (صحیح البخاری کتاب المغازی باب ۲ حدیث نمبر ۳۹۵۰) اس کے بعد کفار نے اپنی کچھ کاروائیاں بھی کیں کہ مسلمانوں کے مویشی وغیرہ مدینہ منورہ کے آس پاس سے لوٹ کر لے گئے حالات کے اسی پس منظر میں کفار کا ایک قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے تجارتی قافلہ لے کر واپس مدینہ منورہ کے راستے مکہ مکرمہ جا رہا تھا یہ قافلہ ۱۰۰۰ اونٹوں پر مشتمل تھا اور پچاس ہزار دینار کا سامان لا رہا تھا آنحضرت ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چیلنج کے مطابق اس قافلے پر حملے کا ارادہ کیا اور صرف ۳۱۳ جانثاروں کے ساتھ (جن کے پاس صرف ستر اونٹ، دو گھوڑے اور ساٹھ زرہیں تھیں) مدینہ منورہ سے نکلے۔

معترضین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک پُر امن قافلے پر حملہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا اور بعض روشن خیال مسلمانوں نے بھی مرعوب ہو کر یہ دعویٰ کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ کا ارداہ قافلے پر حملے کا نہیں تھا بلکہ ابوسفیان نے خود خطرہ محسوس کر کے ابوجہل کو حملہ کی دعوت دی تھی۔ لیکن یہ بات درست نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ:۔

(۱) جو واقعات ہم نے اوپر بیان کئے ہیں ان کی روشنی میں فریقین کے درمیان ایک مسلسل جنگ کی حالت موجود تھی دونوں نے نہ صرف ایک دوسرے کو چیلنج دے رکھے تھے بلکہ کفار کی طرف سے عملی طور پر چھیڑ چھاڑ شروع بھی ہو چکی تھی۔

(۲) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انہیں پہلے سے متنبہ کر آئے تھے کہ وہ ان کے قافلوں پر حملہ کرنے میں آزاد ہونگے۔

(۳) اس دور میں شہری اور فوجی افراد کی تفریق نہیں ہوتی تھی بلکہ ہر بالغ مرد ''مقاتلہ'' یعنی لڑنے والا کہلاتا تھا چنانچہ قافلے کی سرکردگی ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی جو آپ ﷺ اور صحابہ کا کھلا دشمن تھا اور اس کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی مسلمانوں کو ستانے میں پیش

پیش تھے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور یہ قافلہ بھی اگر مکہ مکرمہ پہنچ جاتا تو اس قافلے کا مال بھی مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوتا۔

اس لئے اس قافلے کو ایک پُر امن تجارتی قافلہ قرار دینا اس وقت کے حالات سے ناواقفیت یا محض عناد کا کرشمہ ہے اور اس کی وجہ سے ان واقعات کا انکار کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں (آسان ترجمہ قرآن مع اختصار)

غزوہ بدر کا مختصر حال ان شاء اللہ دسویں پارے کے شروع میں یعنی کل کے درس میں ذکر کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔
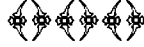
نویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) حق اور باطل کی کشمکش میں اللہ تعالیٰ سے اہل حق کی فتح اور غلبہ کی دعا کرنا انبیاء کی سنت ہے۔

(۲) اگر نعمت کے بعد شکر اور مصیبت کے بعد صبر کی توفیق ملے تو یہ حالت قابل تعریف ہے اور اگر نعمت کے بعد غفلت اور غرور اور مصیبت کے بعد شکوہ و شکایت اور انکار کی صورت ہو تو یہ حالت مذموم اور قابل اصلاح ہے۔

(۳) اسلام میں جادو سیکھنا اور سکھانا حرام ہے، ایسا کرنے والوں کو سزا دی جائے گی۔

(۴) مؤمنوں کا غالب اور کافروں کا مغلوب ہونا عظیم نعمت ہے لہٰذا بلا عذر و مجبوری کافروں کے ماتحت رہنا مناسب نہیں۔

(۵) تکبر ایسا غلیظ ترین عمل ہے جو آیاتِ الٰہیہ سے استفادہ سے محروم رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

(۶) ہدایت اور گمراہی بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور انسانوں کے دل بھی اللہ ہی کے قبضے میں ہیں اس لئے بندے کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت دینے اور گمراہی سے بچانے کی دعا کرے۔

(۷) یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف صورتوں سے آزماتے ہیں، عزت اور کامیابی کے مستحق وہی ہوتے ہیں جو آزمائش میں ثابت قدم رہتے ہیں۔

(۸) تدبر اور تفکر کی اللہ کے نزدیک خصوصی اہمیت ہے اس لئے کہ صحیح نہج پر غور و فکر انسان کو حقیقی علم اور معرفت کا راستہ دکھاتا ہے، متعدد آیات میں اس کی ترغیب دی گئی ہے۔

(۹) انسان کو ہر وقت موت کے لئے تیار رہنا چاہئے ممکن ہے اس کی زندگی کا چراغ گل ہونے والا ہو۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ جو حکم دیتے ہیں اس میں بھلائی ہی بھلائی ہوتی ہے جبکہ انسان بعض اوقات شر کو خیر اور خیر کو شر سمجھ لیتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نویں تراویح

وَاعۡلَمُوۡا (دسواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں دسویں سپارے کی مکمل تلاوت کی گئی ہے۔نویں پارے کے آخر میں سورۃ الانفال کے تحت غزوہ بدر کا تذکرہ ہوا تھا جس کے تحت غزوہ بدر کا پس منظر اور معترضین کا اعتراض اوراس کا جواب ذکر کیا گیا تھا اب مختصراً غزوہ بدر کے احوال ذکر کئے جارہے ہیں۔

معرکہ بدر:

ابوسفیان کو جب یہ اطلاع ملی کہ آپ ﷺ اورآپ کے ساتھی قافلے پرحملہ کرنے کیلئے آرہے ہیں۔تواس نے ایک آدمی مکہ کی طرف دوڑادیااورخودراستہ بدل دیا۔اہل مکہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو فوراً ایک ہزار کالشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار شامل تھے پورے سازوسامان کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوااس ۱۰۰۰ کے لشکر میں ۶۰۰ زرہ پوش اور ۱۰۰ اسوار بھی شامل تھےاوریہ لشکر صرف اپنے قافلے کو بچانے کیلئے نہیں نکلا تھا بلکہ اس نیت سے نکلا تھا کہ اس معاملے کو آج ختم کرہی دیا جائے۔دوسری طرف مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ ان کے پاس پورا سازوسامان بھی نہ تھا کیونکہ وہ جنگ کے ارادے سے نکلے ہی نہیں تھے۔حضور ﷺ کو مقام صفراء میں اس کی اطلاع ملی کہ ایک لشکر جرار ابوجہل کی قیادت میں آرہاہےتو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ دونوں میں سے کسی ایک جماعت کو اختیار کرلو یا تو تجارتی قافلے پرحملہ کردو یا پھراس لشکر سے مقابلہ کرلو اللہ تعالیٰ تمہیں دونوں میں سے کسی ایک پر غلبہ عطا فرمادیں گے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا جو آپ کا رب حکم کرتا ہے اسی طرف چلئے ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اورآپ کا رب جا کرلڑیں ہم

یہاں ہی بیٹھیں ہیں۔

ماہ رمضان المبارک کی ۱۷ تاریخ کو دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی اور اس وقت رسول اللہ ﷺ پر ایک عجیب خشوع وخضوع کی کیفیت طاری تھی آپ ﷺ کبھی بارگاہ خداوندی میں سر بسجود ہوکر آہ وزاری کرتے اور کبھی سائلانہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر فتح ونصرت کی دعائیں مانگتے۔غرض اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو عظیم فتح عطا فرمائی اور فرشتوں کے ذریعے ان کی مدد ونصرت فرمائی۔اس غزوے میں کفار کے ۷۰ بڑے بڑے سردار مارے گئے،۷۰ قید ہوئے اور مسلمانوں میں سے کل ۱۴ صحابہ شہید ہوئے جن میں سے ۶ مہاجرین اور ۸ انصاری صحابہ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس غزوے کو بڑی اہمیت اور فضیلت عطا فرمائی ہے۔علماء نے لکھا ہے کہ غزوہ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کے نام پڑھ کر جو دعا کی جائے وہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کی نصرت کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ کی نصرت کے چار عناصر ذکر فرمائے ہیں (۱) میدان جنگ میں ثابت قدمی (۲) اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنا (۳) آپس میں اختلاف اور لڑائی جھگڑے سے بچ کر رہنا (۴) دشمن سے مقابلے کے وقت ناموافق امور پر صبر کرنا۔

غزوہ بدر کے پس منظر میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ دشمنوں سے مقابلے کیلئے مادی، عسکری، اور روحانی تینوں اعتبار سے تیاری مکمل رکھیں۔غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی لیکن آئندہ کیلئے مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ حالات کے مطابق بھر پور تیاری کر کے رکھیں تاکہ انکے ساز وسامان کو دیکھ کر دشمنوں میں رعب طاری ہو اور وہ اسلامی لشکر کے سامنے آنے سے ہی گریز کریں۔

غزوہ بدر میں جو ۷۰ مشرکین گرفتار ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی عادت مبارکہ کے موافق انکی قسمت کے لئے مشورہ کیا حضرت عمر اور دوسرے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور حضرت ابوبکر اور دوسرے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ

تھی کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات کی رائے کو پسند فرمایا اور انکو فدیہ لیکر چھوڑ دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا چنانچہ ارشا فرمایا'' اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو فدیہ تم نے لیا ہے اسکے بدلے تم پر سخت عذاب آتا'' (آیت نمبر ۶۸)

یہ آیت جس میں رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی طرف سے عتاب ہوا یہ قرآن کریم کی حقانیت کی واضح دلیل ہے کیونکہ اگر حضور ﷺ نے یہ قرآن خود بنایا ہوتا تو اپنے اوپر خود ناراضگی کا اظہار کیوں فرماتے۔

اس سورت میں جہاں مسلمانوں کو ہر وقت جہاد کیلئے مستعد اور تیار رہنے کا حکم ہے اور ہر طرح کی تیاری کرنے کا حکم ہے اسی طرح یہ حکم بھی ہے اگر صلح کا موقع ہو اور صلح مسلمانوں کے لئے فائدہ مند بھی ہو تو پھر صلح کر لینا چاہئے جیسا کہ ارشاد فرمایا'' اگر یہ کافر صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ'' (آیت نمبر ۶۱) معلوم ہوا کہ جذبہ جہاد کا یہ مقصد نہیں کہ ہر صورت میں جنگ ہی کرنا ہے بلکہ مسلمانوں کے فائدے کو مد نظر رکھنا ضروری ہے خود رسول اللہ ﷺ نے متعدد مواقع میں صلح کا راستہ اختیار کیا ہے۔

سورت کے آخر میں ان لوگوں کو ایک دوسرے کا رفیق اور دوست قرار دیا گیا ہے جو اللہ کی رضا کیلئے ہجرت اور جہاد کرتے ہیں ایک دوسرے کو ٹھکانہ دیتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں یعنی اس سورت کی ابتداء اور انتہاء جہاد کے ہی بیان پر مشتمل ہے۔

سورۃ التوبہ

اب سورۃ توبہ شروع ہو رہی ہے یہ بھی مدنی سورت ہے اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس میں ۱۶ رکوع اور ۱۲۹ آیات ہیں یہ سورت دو ناموں سے مشہور ہوئی ایک'' التوبہ'' اور دوسری'' البراء ت''

توبہ اس سورۃ کا نام اس وجہ سے ہے کہ اس میں تین سچے مسلمانوں کی توبہ کی قبولیت کا واقعہ ہے یا اس وجہ سے کہ اس میں توبہ کا ذکر بار بار آیا ہے اور براءۃ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ

اس میں مشرکین سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔

بسم اللہ نہ لکھے ہونے کی وجہ: اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی اس میں مفسرین کے پانچ اقوال ہیں۔

(۱) نبی کریم ﷺ نے خود نہیں لکھوائی تھی۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر ایک زمانے میں بہت کثرت سے آیات نازل ہوتی تھیں اور آپ فرماتے جاتے تھے کہ اس کو فلاں سورت میں رکھ دو اور اس کو فلاں سورت کے بعد لکھ دو لیکن ان دونوں سورتوں کے بارے میں وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ ایک ہی سورت ہیں یا الگ الگ۔ اور کیوں کہ ان کے مضامین ایک جیسے ہیں اس لئے میں نے ان کو برابر برابر رکھ دیا۔

(۳) چونکہ اس میں کفار کے نقض عہد اور منافقین کی رسوائی کا بیان ہے گویا یہ سورۃ عذاب ہے اور بسم اللہ میں رحمت کا ذکر ہے اس لئے اس کے ساتھ جوڑ نہ بیٹھا اس لئے نہ لکھا۔

(۴) صحابہ میں اختلاف تھا کہ یہ الگ الگ سورتیں ہیں یا ایک، تو دو ہونے کے خیال سے الگ الگ لکھ دیں اور ایک ہونے کے خیال سے بسم اللہ نہیں لکھی۔

(۵) اس وقت کے جنگی اصول اور رواج کے مطابق ایسا کیا گیا ہے کیونکہ نقض عہد کے وقت مراسلت کی صورت میں بسم اللہ نہیں لکھی جاتی تھی یہاں بھی مشرکین کے عہد کو توڑنے کا اعلان ہے اس وجہ سے بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب (درس قرآن جلد ۴ص ۵۹۰)

باقی دوران تلاوت بسم اللہ کا حکم یہ ہے کہ اگر پہلے سے تلاوت کر رہے ہیں جیسے ہم نے تراویح میں کی تو پھر بسم اللہ نہیں پڑھیں گے۔ اور اگر اسی سورت سے تلاوت شروع کریں تو پھر بسم اللہ پڑھیں گے۔

یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی عرب کے بہت سے قبائل اس انتظار میں تھے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کفارِ قریش کی جنگ کا کیا انجام ہوتا ہے جب قریش نے صلح حدیبیہ

کے بعد والا معاہدہ توڑا تو آنحضرت ﷺ نے مکہ پرحملہ کردیا اور اللہ نے زبردست فتح عطا فرمادی جس سے کفار کی کمر ٹوٹ گئی۔ البتہ اس کے بعد قبیلہ ہوازن نے ایک آخری کوشش کے طور پر حنین کی وادی میں مسلمانوں سے ایک بڑی جنگ کی لیکن اس میں بھی اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اس جنگ کے بھی بعض واقعات اس سورت میں بیان ہوئے ہیں۔

غزوہ حنین کے مختصر حالات:

جب آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح کرلیا تو آپ کو یہ اطلاع ملی کہ عرب کا مشہور قبیلہ ''بنو ہوازن'' اپنے سردار ''مالک بن عوف'' کی قیادت میں مسلمانوں پرحملہ کرنے کے لئے پر تول رہا ہے اور اس کی تعداد چوبیس سے اٹھائیس ہزار تک ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ چودہ ہزار صحابہ کا ایک لشکر لیکر روانہ ہوئے یہ جنگ مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر وادی حنین میں لڑی گئی۔ بعض مسلمانوں کی زبان سے پہلی دفعہ اپنا اتنا بڑا لشکر دیکھ کر یہ نکل گیا کہ'' آج تو ہماری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہم کسی سے مغلوب ہو ہی نہیں سکتے'' اللہ کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ مسلمان اللہ کے بجائے کسی اور چیز پر بھروسہ کریں چنانچہ جس وقت مسلمان ایک تنگ گھاٹی سے گذر رہے تھے قبیلہ ہوازن نے ایسی تیراندازی کی کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان جنگ سے پیچھے ہٹ گئے رسول اللہ ﷺ اپنے جانباز صحابہ کے ساتھ ثابت قدم رہے آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پیچھے ہٹنے والوں کو بلائیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز پر سب واپس پلٹ آئے اور ایک نئے ولولے سے حملہ کیا اور کچھ ہی دیر میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا ہوازن کے ستر سردار مارے گئے چھ ہزار افراد جنگی قیدی بنائے گئے اور بڑی تعداد میں مویشی اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر ہاتھ لگی۔

اس کے بعد تو قبیلے کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اور عرب کے بیشتر قبائل پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا لیکن رسول اللہ ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ جزیرۂ عرب میں دو دین باقی نہ رہیں اس لئے اس سورت کے شروع میں کفار کو مہلت دی گئی ہے کہ یا تو اسلام قبول کرلیں یا جزیرہ عرب چھوڑ دیں یا پھر جنگ کے لئے تیار ہوجائیں۔ اس کے بعد دوسرا

مرحلہ یہود و نصاریٰ کو بھی وہاں سے نکالنے کا تھا آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں یہ مرحلہ تو مکمل نہ ہو سکا مگر آپ ﷺ نے اس کی وصیت فرما دی تھی (آیت نمبر ۲۹)

غزوہ تبوک کا مختصر حال:

ابھی مسلمان فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بعد آرام سے بیٹھے بھی نہ تھے کہ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کے روم کے بادشاہ ہرقل نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھتے ہوئے ان پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑی فوج جمع کی ہے آنحضرت ﷺ نے پیش قدمی کر کے اس مقابلے کیلئے تبوک جانے کا ارادہ فرمایا اور اذن عام فرمایا کہ ہر ایک نے چلنا ہے یہ وہ زمانہ تھا کہ ☆ شدید گرمی تھی ☆ کھجوریں پکنے کا زمانہ تھا اور اسی پر اہل مدینہ کی معیشت کا سال بھر کا دارومدار تھا ☆ تبوک کا سفر بہت لمبا تھا تقریباً آٹھ سو میل کے صحرا کا سفر تھا ☆ سفر کیلئے سواریاں کم تھیں ☆ یہ جنگ اس وقت کی سپر پاور سے تھی۔ غرض یہ کہ یہ جنگ ہر اعتبار سے پُر مشقت تھی لیکن پھر بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اور آپ تیس ہزار صحابہ کا لشکر لیکر روانہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہرقل کے دل میں مسلمانوں کا ایسا خوف ڈالا کہ اس نے اپنی فوج واپس بلالی۔

اس غزوے میں جہاں اکثر صحابہ نے جانثاری کا اعلیٰ مظاہرہ کیا وہیں منافقین نے بھی اپنے باطنی خبث کا مظاہرہ کیا اور مختلف حیلوں بہانوں سے مدینہ منورہ میں ہی رک گئے اور ساتھ نہیں گئے۔ سورۃ توبہ کی بعض آیات میں منافقین کی ان حرکتوں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

بنیادی طور پر سورہ توبہ کے دو ہی ہدف ہیں (۱) مشرکین اور اہل کتاب کے ساتھ جہاد کے احکام بیان کرنا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ یہ چاہتے تھے کہ جزیرہ عرب اسلام کا مرکز بن جائے چنانچہ جب مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہونا شروع ہو گئیں اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرما دیا کہ اب ان مشرکین کو کچھ عرصہ کی مہلت دے دو اس کے بعد کوئی بت پرست مستقل طور پر جزیرہ عرب میں نہ

رہے۔ان مشرکین کی چار قسمیں تھیں۔

(۱) پہلی قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ مسلمانوں نے جنگ بندی کا کوئی معاہدہ نہیں کیا ہوا تھا ایسے مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ اگر وہ ان چار ماہ میں اسلام لانا چاہیں تو لے آئیں اور اگر جزیرہ عرب سے باہر کہیں جانا چاہیں تو چلے جائیں ورنہ ابھی سے ان کے خلاف یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ ان کو جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا (ترمذی کتاب الحج حدیث نمبر ۸۷۱)

(۲) دوسری قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ تو تھا لیکن اس کی کوئی مدت متعین نہیں تھی ان کے لئے بھی یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب وہ معاہدہ چار مہینے تک جاری رہے گا اس دوران ان کو بھی پہلی قسم کی طرح دونوں طرح کے اختیارات حاصل ہیں بصورت دیگر ان کو بھی جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۳) تیسری قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ آپ ﷺ نے معاہدہ تو کیا تھا لیکن انہوں نے بدعہدی کی اور معاہدہ خود ہی توڑ دیا تھا جس کی مثال صلح حدیبیہ ہے کہ مشرکین نے اس معاہدے کو توڑا تو آپ ﷺ نے مکہ پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ان لوگوں کو کوئی مہلت نہیں دی گئی لیکن کیونکہ دست برداری کا یہ اعلان حج کے موقع پر کیا گیا تھا جو خود حرمت والے مہینے میں ہوتا ہے اور اسکے بعد محرم کا مہینہ بھی حرمت والا ہے اس لئے ان کو محرم کے آخر تک مہلت مل گئی انہی کے بارے میں سورہ توبہ کی آیت نمبر ۵ میں ارشاد فرمایا کہ حرمت والے مہینوں کے گذر جانے تک بھی اگر یہ ایمان نہ لائیں اور نہ جزیرہ عرب سے باہر جائیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔

(۴) چوتھی قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ کسی خاص مدت تک کیلئے مسلمانوں نے جنگ بندی کا معاہدہ کر رکھا تھا اور انہوں نے کوئی بدعہدی بھی نہیں کی تھی ایسے لوگوں کے بارے میں سورہ توبہ کی آیت نمبر ۴ میں یہ حکم نازل کیا گیا کہ ان کے ساتھ معاہدے کی جتنی مدت باقی ہے اسکو پورا کیا جائے اور اس دوران ان کے ساتھ کسی قسم کا تعارض نہ کیا جائے مثلاً قبیلہ کنانہ کے دو چھوٹے قبیلوں بنوضمرہ اور اور بنومدلج کے ساتھ آپ کا ایسا ہی

معاہدہ تھا اور اس کی نو ماہ کی مدت ابھی باقی تھی اور انہوں نے کوئی بدعہدی نہیں کی تھی چنانچہ ان کو معاہدے کے ختم تک یعنی نو مہینوں کی مہلت دے دی گئی۔

ان چاروں قسموں کے اعلانات کو ''برائت'' یا ''دست برداری'' کے اعلانات کہا جاتا ہے۔

یہاں تک کے اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی بدعہدیوں کی وجہ سے یہ بھی اعلان فرما دیا کہ اگلے سال سے ان کے لئے بیت اللہ کا حج بھی ممنوع قرار دے دیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ کئی بار عہد شکنی کے مرتکب ہو چکے تھے (آیت نمبر ۲۸) اور اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو روکنے کیلئے یہود کے ساتھ مل کر سازشیں کرتے چلے آ رہے تھے اسلئے ان سے برائت کا اعلان کرنے کے بعد آیت نمبر ۲۹ اور دیگر آیات میں اہل کتاب سے بھی قتال کی اجازت دے دی گئی کیونکہ مکر و فریب، عہد شکنی، منافقت اور جھوٹ ان کی فطرت میں رچ بس چکا تھا۔ یہود کے قبیلے بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع میں سے ہر ایک نے اسلام دشمنی میں کوئی ایسا موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا جس میں وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکیں چنانچہ قرآن کریم کی تقریباً ۲۰ آیات میں ان کی دسیسہ کاریوں کو طشت از بام کیا گیا ہے قرآن کریم میں فرمایا گیا ''وہ اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور نہ یوم آخرت پر اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اور نہ دین حق کو اپنا دین مانتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں'' (آیت نمبر ۲۹)

جزیہ کی تعریف:

جزیہ کے لفظی معنیٰ بدلہ اور جزا کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس سے مراد وہ رقم ہے جو کفار سے قتل کے بدلے میں لی جاتی ہے یعنی ایسے مردوں سے جو لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اسی لئے عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور تارک الدنیا مذہبی پیشواؤں سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ وجہ یہ ہے کہ کفر و شرک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بغاوت ہے جس کی اصلی سزا صرف قتل ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ان کی سزا میں یہ تخفیف کر دی کہ اگر وہ اسلامی

ریاست کی پُرامن رعیت بن کر رہنا چاہیں تو ایک معمولی رقم ان سے بطور جزیہ لی جائے گی اوران کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔

اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ غیر مسلموں سے مسلمانوں کی طرح زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی لیکن وہ ریاست کے تمام شہری حقوق میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اس لئے بھی ان پر یہ خاص نوعیت کا ٹیکس عائد کیا گیا ہے اور احادیث میں مسلمان حکمرانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ غیر مسلموں کے حقوق کا پورا خیال کریں اوران پر اتنا ٹیکس عائد نہ کریں جو ان کی طاقت سے زائد ہو

طرفہ زمانہ:۔ افسوس آج یہ ہے کہ غیر مسلموں سے تو معلوم نہیں حکومت وقت ٹیکس لیتی بھی ہے یا نہیں اور کتنا لیتی ہے لیکن مسلمان ملک کی مسلم حکومتیں مسلمانوں کا خون نچوڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتیں اور غیر مسلموں کی جان و مال کی تو وہ ضرور حفاظت کرتی ہیں مگر آج ہمارے ملک میں کسی مسلمان کی جان و مال، عزت وآبرو، اولاد، گھر بار کچھ بھی محفوظ نہیں اللہ ہی ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ **فللہ المشتکیٰ اشکوا ضعف قوتی وقلة حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الرحمین.**

حضرت ابرہیم علیہ السلام کے وقت سے چاند کے چار مہینوں کو حرمت والے مہینے سمجھا جاتا تھا یعنی ''ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب اور چار مہینوں میں جنگ کی ممانعت تھی عرب کے بت پرستوں نے اگرچہ بت پرستی شروع کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو بہت کچھ بدل ڈالا تھا لیکن ان مہینوں کی حرمت کو پھر بھی تسلیم کرتے تھے اوران میں جنگ کو بھی ناجائز سمجھتے تھے لیکن جب یہ پابندی بھی ان کو مشکل لگنے لگی تو انہوں نے اس مشکل کا یہ حل نکالا کہ مہینوں کی ترتیب آگے پیچھے کر دیتے مثلاً یہ کہتے کہ اس سال صفر کا مہینہ محرم سے پہلے آئے گا اوراس طرح محرم کے مہینے میں اسکو صفر کہہ کر جنگ کو جائز کر لیتے۔

اس سورت کا دوسرا بڑا ہدف اہل ایمان اور منافقین کے درمیان فرق واضح کرنا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں منافقوں کی علامات اور بدباطنیوں کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ وہ سب کے سامنے ذلیل ورسوا ہو کر رہ گئے اسی لئے اس سورت کا ایک نام

''سورۃ الفاضحہ''یعنی رسوا کرنے والی سورت بھی ہے،اس سورت کے نزول سے قبل انہوں نے اپنے آپ کو اسلام کے زبانی دعوے کے پردے میں چھپا رکھا تھا لیکن اس سورت نے ان کے باطن کو یوں ظاہر کیا کہ ہر ایک نے جان لیا کہ کون منافق ہے اور کون مخلص مؤمن، ان منافقین کی کمزوریوں اور عیوب کو نمایاں کرنے کا ظاہری سبب غزوہ تبوک بنا کیونکہ جہاد تو ویسے ہی جان کو جوکھوں میں ڈالنے والی عبادت ہے جبکہ غزوہ تبوک کے حالات ماقبل میں گذر چکے ہیں کہ وہ کتنا پُر مشقت تھا اس لئے منافقین اس میں کہاں شرکت کرتے چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مختلف جھوٹے اور مضحکہ خیز بہانے کئے مثلاً ایک منافق''جد بن قیس''حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا''یارسول اللہ میں دل کا بڑا کمزور ہوں جبکہ رومیوں کی عورتیں گورے رنگ کی ہوتی ہیں مجھے ڈر ہے کہ اگر میں جہاد میں گیا تو انہیں دیکھ کر فتنہ میں نہ مبتلا ہو جاؤں۔(آیت ۴۹)وغیرہ

منافقین مسلمانوں کے ساتھ اس لئے اٹھتے بیٹھتے تھے کہ مسلمانوں کو جو مال غنیمت اور مالی فوائد حاصل ہوں وہ ہمیں بھی حاصل ہو جائیں اللہ تعالیٰ نے آیات نمبر ۵۵ میں دنیوی مال و دولت کے بارے میں ایک بڑی عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مال و دولت بذات خود کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے انسان اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ بلکہ انسان کا اصل مقصدِ زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول اور آخرت کی بہتری کا سامان ہونا چاہئے البتہ کیونکہ دنیوی زندگی کیلئے بھی مال کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے جائز ذرائع سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مال بذات خود کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا بلکہ وہ راحت و آرام کے وسائل حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے لیکن جب مال ہی کو انسان سب کچھ بنالیتا ہے تو یہ مال اس کے لئے وبال جان بن جاتا ہے اور اس کے دن رات اس سے راحت و آرام حاصل کرنے کے بجائے اسے بڑھانے کی فکر میں گذرتے ہیں جس کی وجہ سے نہ رات کا چین باقی رہتا ہے اور نہ دن کا، نہ بیوی بچوں سے بات کرنے کی فرصت ہوتی ہے نہ آرام نہ وسائل سے مزہ لینے کا وقت۔اور اگر نقصان ہو جائے تو غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے اس صورت میں یہ مال و دولت نعمت بننے کے بجائے دنیا

ہی میں عذاب بن جاتا ہے۔یہی حال اولاد کا بھی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہ ہوتو وہ بکثرت انسان کے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''تمہیں ان کے مال اور اولاد کی کثرت سے تعجب نہیں ہونا چاہئے۔اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں سے ان کو دنیوی زندگی میں عذاب دے اور ان کی جان بھی کفر ہی کی حالت میں نکلے۔''

دسویں پارے کے آخر تک منافقون کا ہی تذکرہ ہے اور ان منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرمادیا کہ اگر آپ ان کے بارے میں ستر بار بھی استغفار کریں گے تو بھی اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ یہ واقعہ عبداللہ بن ابی بن سلول (جو منافقوں کا سردار تھا) کے انتقال کا ہے اس نے ہر موقعہ پر آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچائی لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنا کرتہ مبارک بھی اس کو کفن کے لئے عطا فرمایا اور اس کے لئے دعا مغفرت بھی کی اور نماز جنازہ بھی پڑھائی لیکن اسکے بعد آپ کو منع کر دیا گیا کہ نہ آپ ان کے لئے استغفار کریں اور نہ آپ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔(آیت نمبر ۸۰ اور ۸۴)

اسی طرح ان مخلص مسلمانوں کا بھی تذکرہ ہے جو اپنے کسی عذر کی وجہ سے غزوہ میں شرکت نہ کر سکے ورنہ ان کے جذبات کا یہ عالم تھا کہ جہاد میں شرکت نہ کرنے کے غم کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو امڈ امڈ آتے تھے روایات میں آتا ہے کہ یہ سات انصاری صحابہ تھے حضرت سالم بن عمیر، حضرت عُلبہ بن زید، حضرت عبدالرحمٰن بن کعب، حضرت عمرو بن الحمام، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت ہرمی بن عبداللہ اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہم انہوں نے غزوہ تبوک میں شامل ہونے کیلئے اپنے شوق کا اظہار فرمایا اور آنحضرت ﷺ سے سواری کی درخواست کی جب آپ نے فرمایا کہ میرے پاس سواری نہیں تو وہ روتے ہوئے واپس ہوئے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی جہاد کا شوق اور اور وقت لگانے کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے۔امین

دسویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) کوئی بھی قوم اور فرد محض حسب نسب اور فرقہ وارانہ تشخص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حقدار نہیں ٹھہرتا جب تک کہ وہ اپنے اندر استحقاق والی صفات پیدا نہ کرے۔

(۲) خیانت اور عہد شکنی ہر صورت میں حرام ہے خواہ مسلمان کے ساتھ معاملہ درپیش ہو یا کافر کے ساتھ۔

(۳) جن انسانوں کا اللہ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے اللہ تعالیٰ دشمنوں کے مکر وفریب سے خود ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

(۴) سچے مؤمن کا سینہ حکمت وبصیرت کے نور سے روشن جبکہ کافر اس سے محروم ہوتا ہے۔

(۵) اسلام، دشمن کو اس لئے قید نہیں کرتا کہ اس کا استحصال کرے یا اس کی بے بسی و کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے انتقام لے بلکہ اسلام قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔

(۶) مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں ان کے ساتھ تعاون تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔

(۷) اہلِ تقویٰ اللہ کے محبوب ہیں اللہ کے پسندیدہ کام کرنا اور ناپسندیدہ سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔

(۸) سچا مؤمن اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، اللہ کے ڈر کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور گناہ چھوڑ دیئے جائیں۔

(۹) کفر وشرک کے باوجود صلہ رحمی اور حسن سلوک جائز ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے سوال کیا: ''یارسول اللہ! میری والدہ بڑی رغبت سے میرے پاس آئی ہیں کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تمہیں اس کی اجازت ہے۔

(۱۰) وہ ایمان جو ٹھوس بنیادوں پر قائم نہ ہو وہ سعادت اور نجات کے لئے کافی نہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝
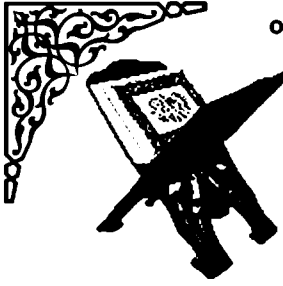
دسویں تراویح

یَعۡتَذِرُوۡنَ (گیارہواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں گیارہویں پارے کی تلاوت کی گئی ہے۔

دسویں پارے میں غزوہ تبوک کے پس منظر میں منافقین کی دسیسہ کاریوں کو طشت ازبام کیا گیا تھا اور اس کا سلسلہ سپارے کے ختم تک ہی چلتا رہا تھا گیارہویں پارے کے شروع میں بھی ان منافقین کا ہی تذکرہ ہے اور اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو خبر دے رہے ہیں کہ جب آپ غزوہ تبوک سے واپس لوٹیں گے تو یہی منافقین آپ کے پاس آئیں گے اور غزوہ میں شریک نہ ہونے کے مختلف جھوٹے اعذار پیش کریں گے اپنی سخت مجبوریوں کو بھی پیش کریں گے اور اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کیلئے جھوٹی قسمیں بھی کھائیں گے۔ آپ ﷺ نے اپنی طبعی شرافت اور اللہ کے حکم کی وجہ سے باوجود اس کے کہ آپ جانتے تھے کہ یہ جھوٹے ہیں اعراض فرمایا اور انکو کچھ نہ کہا۔

منافقوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے مخلص مسلمانوں کی صفات بیان فرمائی اور ان کی تعریف کی ہے جو اپنی غلطی کا سچے دل سے اعتراف کر لیتے ہیں اور جھوٹ بول کر غلطی کو صحیح قرار دینے کی کوشش نہیں کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ کل دس حضرات تھے ان میں سے سات کو اپنی اس سستی پر اتنی شرمندگی تھی کہ آپ کے واپس مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے ہی یہ حضرات خود مسجد نبوی ﷺ پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا اور یہ کہا کہ جب تک آپ ﷺ خود ہمیں معاف فرما کر نہیں کھولیں گے ہم انہی ستونوں سے بندھے رہیں گے جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو دریافت کیا کہ کیا

معاملہ ہے؟ وجہ معلوم ہونے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی ان لوگوں کو جب تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ انہیں کھولنے کا حکم نہیں دے گا چنانچہ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ کی آیت نمبر۱۰۲ نازل فرمائی اور فرمایا ’’اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرلیا ہے انہوں نے ملے جلے عمل کئے ہیں کچھ نیک کام اور کچھ برے، امید ہے اللہ ان کی توبہ قبول کرلے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔‘‘

اگلی آیت ۱۰۳ رمیں صدقے کی دو خاصیتیں بیان فرمائی ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ صدقہ انسان کو گناہوں اور برے اخلاق سے پاک ہونے میں مدد دیتا ہے۔

(۲) صدقے سے انسان کی نیکیوں میں برکت اور ترقی ہوتی ہے۔

اس کے بعد آیت ۱۰۷ رمیں منافقوں کی ایک بڑی سازش کا تذکرہ ہے جس کے ذریعے یہ منافق مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے اور کفر کو فروغ دینا چاہتے تھے اللہ نے قرآن کریم کی آیات اتار کر اس سازش کو ناکام بنادیا۔ اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے ایک شخص ابو عامر مدینہ میں رہتا تھا جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہوگیا تھا اور راہبانہ زندگی اختیار کرلی تھی مدینہ منورہ میں اس کی بہت عزت تھی لوگ اس کو سردار کا درجہ دیتے تھے لیکن جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ آپ کے پاس حاضر ہوا اور کچھ اشکالات اور اعتراضات کئے جن کے جواب آپ ﷺ نے مرحمت فرمائے لیکن یہ مطمئن نہیں ہوا اور کہنے لگا کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو وہ مردود اور عزیز واقارب سے دور ہو کر مرے آپ ﷺ نے فرمایا: آمین۔ اس کے بعد اس کو مسلمانوں سے دشمنی ہوگئی اور غزوہ بدر سے لیکر غزوہ حنین تک کوئی ایسا موقع اس نے ضائع نہیں ہونے دیا جس کے ذریعے یہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچا سکے چنانچہ غزوہ بدر کے بعد اسی نے کفار کو غزوہ احد کے لئے بھی ابھارا اور میدان احد میں گڑھے بھی کھدوائے جن میں گر کر آپ ﷺ زخمی ہوئے اور آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور اسی کی سازشوں سے بعد کے بھی غزوات پیش آئے۔ غزوہ حنین کے بعد یہ شام چلا گیا اور

وہاں سے مدینہ منورہ کے منافقین کے نام خط لکھا اور پھر ان کے ساتھ مل کر ایک سازش تیار کی جس میں اس نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ تم ایک عمارت مسجد کے نام سے بناؤ جو بغاوت کے مرکز کے طور پر استعمال ہو اور سیدھے سادھے مسلمانوں کو جب وہ نماز کے لئے مسجد میں آئیں تو بہکایا جاسکے چنانچہ ان منافقین نے قباء کے علاقے میں یہ عمارت بنائی اور آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی کہ بہت سے کمزور لوگوں کو مسجد قباء دور پڑتی ہے اس لئے ان کی آسانی کی خاطر یہ مسجد ہم نے بنائی ہے آپ ﷺ تشریف لا کر نماز پڑھا دیں تاکہ اس میں برکت حاصل ہو آپ ﷺ اس وقت تبوک جانے کی تیاری فرما رہے تھے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے چاہا تو واپسی پر نماز پڑھ لوں گا۔ لیکن جب آپ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو مدینہ منورہ سے کچھ پہلے ذُواَوان کے مقام پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں آپ ﷺ پر اس نام نہاد مسجد کی حقیقت کھول دی گئی اور اس میں نماز پڑھنے سے آپ ﷺ کو منع فرما دیا گیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے وہیں سے دو صحابیوں مالک بن دُخشم اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ وہ اس عمارت کو تباہ کر دیں چنانچہ ان حضرات نے اس کو جلا کر خاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ تعالیٰ نے اس کا نام مسجد ضرار رکھا ہے اور اس کے بالمقابل مسجد قباء کی تعریف فرمائی جس کی تعمیر آپ ﷺ نے فرمائی تھی اور جس کو اسلام کی سب سے پہلی باقاعدہ مسجد ہونے کا شرف حاصل ہے اس مسجد کی فضیلت یہ بتائی ہے کہ اس میں نماز پڑھنے والے پاکی اور صفائی کا خاص خیال رکھتے ہیں اس میں جسم کی ظاہری پاکی بھی داخل ہے اور اعمال واخلاق کی پاکی اور صفائی بھی۔

اس کے بعد آیت ۱۱۱ر سے یہ فرمایا کہ مؤمن کی جان و مال کو اللہ نے خرید لیا ہے اور اس کو بڑی کامیابی قرار دیا اور ان اہل ایمان کی نو ایسی صفات بھی ان آیات میں ذکر فرمائیں ہیں جو ہر مؤمن کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ وہ نو صفات یہ ہیں (۱) توبہ کرنے والے ہیں (۲) عبادت کرنے والے ہیں (۳) حمد کرنے والے ہیں (۴) روزہ رکھنے والے ہیں (۵) رکوع کرنے والے ہیں (۶) سجدہ کرنے والے ہیں (۷) نیک کاموں کا حکم دینے والے ہیں (۸) بُری باتوں سے منع کرنے والے ہیں (۹) اللہ کی حدود

کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب نے اگرچہ آپ کی بڑی مدد کی تھی لیکن انہوں آخر وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا جب ان کی وفات کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں ترغیب دی کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجائیں مگر اس وقت ابوجہل وغیرہ نے مخالفت کی اور وہ مسلمان نہیں ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ میں آپ کے لئے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کردیا جائے چنانچہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "یہ بات نہ نبی کو زیب دیتی ہے اور نہ دوسرے مؤمنوں کو کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعائیں کریں چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان کے لئے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ وہ دوزخی لوگ ہیں" اور اس کے ذریعے آپ ﷺ کو ان کے لئے استغفار کرنے سے روک دیا گیا۔ اسی طرح بعض مسلمانوں نے بھی اپنے مشرک باپ داداؤں کے لئے استغفار کرنے کا ارادہ کیا تھا ان سب کو بھی منع کردیا گیا۔ اس سے علمائے کرام نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کسی کافر کے لئے اس کی زندگی میں اس نیت کے ساتھ دعا کرنا کہ وہ مسلمان ہوجائے اور اس کی مغفرت ہوجائے جائز ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کے بارے میں یہ یقین ہو کہ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے۔

غزوہ تبوک میں جو مسلمان شرکت سے محروم رہ گئے تھے وہ دس صحابہ تھے جن میں سے سات کا واقعہ تو پہلے گذر چکا باقی تین مخلص مسلمانوں کی توبہ کی قبولیت کا معاملہ اللہ نے اس وقت مؤخر فرمادیا تھا کیونکہ انہوں نے توبہ کرنے میں اتنی جلدی نہیں کی تھی جتنی اُن سات صحابہ نے کی تھی یہ تین صحابہ حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ، اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم تھے ان تینوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور اپنی غلطی کو تسلیم کیا کہ ہم صرف اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے شرکت نہ کرسکے۔ اللہ تعالیٰ نے پچاس دن تک ان کا فیصلہ نہیں فرمایا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے تمام تعلقات حتیٰ کہ بات چیت، اور سلام دعا بھی نہ کیا جائے۔ لیکن یہ بھی ایسے مخلص مسلمان تھے کہ اس سختی کے دور کو برداشت کیا حتیٰ کے کفار کی

طرف سے بہکانے کی بھی کوشش کی گئی لیکن ان تینوں حضرات نے ہر تکلیف برداشت کی مگر ایمان کا دامن نہ چھوڑا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس دن کے بعد ان کی توبہ کو قبول فرمالیا اوران کو یہ اعزاز عطا فرمایا کہ وحی کے ذریعے ان کی برائت کو ظاہر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی خوش ہو کر فرمایا کہ "جب سے تمہیں تمہاری ماں نے جنا ہے اس وقت سے آج سے زیادہ مبارک دن تم پر نہیں آیا"، رضی اللہ عنہم وارضاہ (آیت نمبر ۱۱۷ اور ۱۱۸)

اس کے بعد اہل ایمان کو چار باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔(۱) تقویٰ کو لازم پکڑو (۲) اہل نفاق سے دور رہو (۳) رزق کی تنگی کے وقت اپنے اوپر اللہ کے رسول کو ترجیح دو (۴) اللہ کے دین کے لئے جتنی مشقت اٹھاؤ گے اتنا ہی اجر ملے گا۔

سورہ توبہ کے ایک بڑے حصے میں ان لوگوں کو ملامت کی گئی ہے جو تبوک کے جہاد میں شریک نہیں تھے روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کو پڑھ کر صحابہ نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ آئندہ جو بھی جہاد ہوگا اس میں وہ سب جایا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر ۱۲۲ میں اس سے منع فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا "اور مسلمانوں کے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ وہ (ہمیشہ) سب کے سب (جہاد کیلئے) نکل کھڑے ہوں، لہذا ایسا کیوں نہ کریں کہ ان کی ہر جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کیلئے) نکلا کرے، تا کہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے ہوں) وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کیلئے محنت کریں اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) ان کے پاس واپس آئیں تو یہ ان کو متنبہ کریں تا کہ (وہ گناہوں سے) بچ کر رہیں"۔

اس سورت کی آخری آیات میں حضور ﷺ کی تعریف بیان کی جارہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے اپنے اسمائے حسنیٰ میں سے دو نام "رؤف اور رحیم" منتخب فرمائے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ اپنی امت کے لئے بے حد شفیق اور مہربان تھے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے یہ دو نام کسی اور کیلئے جمع نہیں فرمائے۔

سورة یونس

اس کے بعد سورہ یونس شروع ہورہی ہے یہ مکی سورۃ ہے اس میں ۱۱ رکوع اور ۱۰۹ آیات ہیں اس سورت میں مکی سورتوں کی طرح عقائد اور اصولِ دین مثلاً توحید، رسالت، قیامت اور آخرت میں جزاوسزا کا ذکر ہے۔

اس سورت کے دسویں رکوع میں حضرت یونس علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر آیا ہے جس میں اہل مکہ کو نصیحت کرنا مقصود ہے کہ یونس علیہ السلام کی قوم بروقت ایمان لے آئی تو اس کو اس کے ایمان نے نفع دے دیا اور عذاب خداوندی سے بچ گئے اسی طرح اگر اہل مکہ بھی آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئیں تو نفع حاصل کرنے والے ہوجائیں گے اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام ''یونس'' رکھا گیا ہے۔

سورت کی ابتداء اظہار عظمت قرآن سے فرمائی گئی ہے اور پھر نبی کریم ﷺ کی عظمت شان کو بیان کرکے اثبات رسالت محمدیہ ﷺ کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور رسالت سے متعلق کفار ومشرکین کے شبہات واعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد ربوبیت، الوہیت اور عبودیت کی حقیقت اور خالق ومخلوق کے درمیان تعلق کی بنیاد بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ جو رب اور خالق ہے وہی معبود بننے کے لائق ہے کائنات کا سارا نظام اس کی ربوبیت اور قدرت پر گواہ ہے۔

آیت ۷ رسے بتایا گیا ہے کہ دنیا کے اندر رہنے والے انسانوں کے دو گروہ ہیں جو ایک تو وہ ہیں اللہ کی الوہیت اور ربوبیت کی تکذیب کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو تصدیق کرتے ہیں۔ تکذیب کرنے والوں کا انجام آگ بتایا گیا جبکہ تصدیق کرنے والوں کا انجام جنت اور اس کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں۔

سورہ یونس کی آیت نمبر ۱۱ میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اگر انسانوں کی بدعملیوں پر اللہ تعالیٰ فوراً پکڑ فرماتے تو ساری دنیا کا صفایا ہوچکا ہوتا لیکن یہ عجلت پسندی انسان کی طبیعت اور صفت تو ہے مگر اللہ کی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ '' جو لوگ ہم سے آخرت میں

ملنے کی توقع نہیں رکھتے ہم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ڈھیل جہاں بے ایمان لوگوں کیلئے آخرت میں مزید ہلاکت کا سامان ہے وہیں اہل ایمان کیلئے نعمت غیر مترقبہ بھی کیونکہ غلطیوں سے تو کوئی بھی بچا ہوا نہیں ہے ہر ایک سے غلطی ہوتی ہے لیکن ایمان والا غلطی کے بعد توبہ کرکے اپنے رب کو راضی کر لیتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ ''تمام بنی آدم خطا کار ہیں اور سب سے بہترین خطا کار وہ ہے جو توبہ کر لے'' اسلئے اہل ایمان کو اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے۔

مشرکیں کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ جو قرآن ہمیں پڑھ کر سناتے ہیں ہمیں یہ نہیں چاہئے بلکہ یا تو اس میں کچھ تبدیلی کریں یا پھر دوسرا قرآن لے آئیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ '' آپ ﷺ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیل کروں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ اگر کبھی میں اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھوں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا خوف ہے'' (آیت نمبر ۱۵)

یہ بات کفار بھی جانتے تھے کہ آپ ﷺ کبھی جھوٹ نہیں بولتے اسی لئے ان ہی کفار نے آپ ﷺ کو صادق وامین کا لقب دے رکھا تھا اور اسی وجہ سے جب ابتداء اسلام میں آپ ﷺ نے کوہ صفاء پر چڑھ کے لوگوں کو متوجہ کیا تھا اور فرمایا کہ اگر میں یہ کہہ دوں کہ تمہارے اس پہاڑ کے پیچھے دشمن چھپا ہوا ہے اور تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مان جاؤ گے تو کہنے لگے اے محمد! ہماری آنکھیں غلط دیکھ سکتی ہیں ہمارے کان غلط سن سکتے ہیں لیکن آپ ﷺ کی زبان کبھی غلط نہیں کہہ سکتی کیونکہ ہم آپ کو بار بار آزما چکے ہیں آپ نے ہمیشہ سچ بولا اور امانت داری کا ثبوت دیا۔ یہ بات ان مشرکین مکہ نے کہی جو یہ دیکھ چکے تھے کہ مکہ پر حملہ کرنے والوں کا (جیسے ابرہہ، اسکے لشکر اور اسکے ہاتھیوں کا) اللہ کیا حشر فرماتے ہیں اور اس کو دیکھتے ہوئے کسی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ مکہ پر حملہ کرے اس کے باوجود مکہ کا کوئی شخص یہ نہ کہہ سکا کہ ہم آپ کی بات نہیں مان سکتے آپ کی سیرت کی صفائی اور زبان کی صداقت کا یہ ہی وہ پہلو تھا جس کا دشمن بھی اعتراف کرنے پر مجبور تھا۔ اسی طرح ابوسفیان سے جب زمانہ

کفر میں روم کے بادشاہ ''ہرقل'' نے سوال کیا کہ ''کیا نبوت سے پہلے تم نے کبھی محمد ﷺ کو جھوٹ بولتے دیکھا یا سنا؟'' تو اس وقت کافر اور مشرک ہونے کے باوجود بھی ابوسفیان اسکا جواب نفی میں دینے پر مجبور ہوگئے۔ تو ہرقل نے ان کا جواب سن کر کہا تھا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ لوگوں سے تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولنا شروع کردے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''کہ آپ ﷺ کہہ دیجئے اگر اللہ چاہتا تو میں اس قرآن کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا اور نہ اللہ تمہیں اس سے واقف کرواتا آخر اس سے پہلے بھی تو میں ایک عمر تمہارے درمیان بسر کرچکا ہوں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے۔'' (آیت نمبر۱۶)

اگلی آیات میں ان مشرکین کی یہ کیفیت بیان کی جارہی ہے کہ یہ مشرکین ویسے تو بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں مگر جب کوئی سختی یا مصیبت پیش آتی ہے تو اس وقت مالک حقیقی کو ہی پکارتے ہیں اور اپنے جھوٹے معبودوں کو بھول جاتے ہیں (آیت نمبر۲۲) اور پھر چند آیات کے بعد فرمایا کہ ذرا آپ ﷺ ان سے یہ تو پوچھئے کہ ''کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ یا بھلا کون ہے جو سننے اور دیکھنے کی قوتوں کا مالک ہے؟ اور کون ہے جو جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے باہر نکال لاتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کا انتظام کرتا ہے؟ تو یہ لوگ کہیں گے کہ ''اللہ'' تو آپ ﷺ ان سے کہئے ''کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟'' (آیت نمبر۳۱) اس سے معلوم ہوا کہ عرب کے مشرکین بھی یہ مانتے تھے کہ ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس نے بیشتر اختیارات مختلف دیوتاؤں کو سونپ دیئے ہیں جو خدائی میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اور اب ان کو راضی رکھنے کیلئے ان کی عبادت کرنا چاہئے۔ اس لئے یہ آیت کریمہ ان پر یہ حقیقت واضح کررہی ہے کہ جب تم خود مانتے ہو کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو پھر کسی اور کی عبادت کرنا کیسی بے عقلی کی بات ہے۔

قرآن کریم کی صداقت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو چیلنج کیا ہے اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ کسی انسان کا کلام ہے تو تم اس کے بنانے سے کیوں عاجز ہو تم بھی بنالو اگر پورا قرآن نہیں بنا سکتے تو تم اس جیسی ایک سورت ہی بنا کرلے آؤ اور ساتھ

ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ یہ کام اکیلے کرنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ اس کام کے لئے اللہ کے سوا جس کو چاہو بلالو، اگر سچے ہو (آیت نمبر ۳۸)

ہر انسان بظاہر کتنا ہی خوشحال ہو لیکن پھر بھی اپنے مستقبل کی فکر اسے لگی رہتی ہے اور اگر ایمان والا ہو تو اس کو آخرت کی زندگی کی بھی فکر ہوتی ہے کہ نامعلوم وہاں کیا ہوگا اور اسی طرح ماضی کا بھی کوئی نہ کوئی رنج وغم پریشان کرتا ہی رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس رنج وفکر سے آزاد ہونے کا نسخہ یہاں ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے دوستوں میں شامل ہو جاؤ کیونکہ ''یاد رکھو جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے'' (آیت نمبر ۶۲) اور اگلی آیت شریفہ یعنی آیت ۶۳ میں اللہ کے دوستوں کے بارے بھی بتادیا گیا کہ اللہ کے دوست وہ ہیں جو ''ایمان لائے، اور تقویٰ اختیار کئے رہے۔ اور اللہ نے اپنے دوستوں کے بارے میں فرمایا کہ ''ان کے لئے خوشخبری ہے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی زبردست کامیابی ہے۔'' حقیقت یہ ہے کہ کہنے کو یہ مختصر سی آیت ہے اور مختصر سی بات ہے لیکن دیکھا جائے تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ دنیا میں اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے اولیاء میں شامل فرمائے۔

توحید کے دلائل، بعث بعد الموت کے یقینی ہونے اور قرآن کریم کی صداقت بیان کرنے کیلئے تین قصے بیان کئے گئے ہیں، جن میں سے پہلا قصہ شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کا ہے جن کی عمر اور زمانہ تبلیغ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ طویل ہے مگر ان کے متبعین بہت کم تھے پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے جنہوں نے فرعون جیسے خدائی کے دعویدار کا مقابلہ کیا، تیسرا قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے اور انہی کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ وہ اپنی قوم کے ایمان سے مایوس اور اللہ کے عذاب کے یقینی آنے کو دیکھ کر ''نینویٰ'' کی سرزمین چھوڑ کر چلے گئے، آگے جانے کے لئے جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی والوں نے سمندر میں طغیانی کی وجہ سے قرعہ ڈالا کہ یقیناً کوئی اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام ہے جس کی وجہ سے یہ پریشانی پیش آرہی ہے چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام ہی تینوں مرتبہ قرعہ نکلا اور انہوں نے ان کو اٹھا کر

سمندر میں پھینک دیا جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے ان کو نگل لیا، اللہ نے انہیں مچھلی کے پیٹ میں بھی زندہ رکھا بالآخر چند روز بعد مچھلی نے انہیں ساحل پر اگل دیا، ادھر یہ ہوا کہ ان کی قوم کے مرد، عورتیں، بچے اور بڑے سب صحرا میں نکل گئے اور انہوں نے آہ وزاری اور توبہ واستغفار شروع کر دیا اور سچے دل سے ایمان قبول کرلیا جس کی وجہ اللہ کا عذاب ان سے ٹل گیا۔

سورۃ یونس کی ابتداء بھی قرآن کریم کے ذکر سے ہوئی تھی اور اس کی انتہاء بھی اس سچی کتاب کی اتباع پر ہورہی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ''فرمادیجئے !اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے حق (قرآن) آچکا ہے تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو اس ہدایت کا فائدہ اسی کو حاصل ہوگا اور جو کوئی گمراہی اختیار کرے گا، اسکی گمراہی کا نقصان خود اسی کو ہوگا، اور میں تمہارے کاموں کا ذمہ دار نہیں ہوں''۔

گیارہویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) صدقہ کرنے والوں کو دعا دینا اللہ کا حکم اور رسولِ اکرم ﷺ کی مبارک سنت ہے۔

(۲) مسلمانوں کی اکثریت ایسی ہے کہ ان کے اعمال ملے جلے ہیں وہ اطاعت وعبادت بھی کرتے ہیں اور ان سے گناہ بھی سرزد ہوجاتے ہیں، ان میں سے توبہ کرنے والوں کو رحمت اور مغفرت کی امید رکھنی چاہئے۔

(۳) حقیقی صلحاء وہی ہے جن کے قول وعمل میں تضاد نہ ہو اور وہ ہر صورت میں سچ بولیں۔

(۴) تقویٰ صرف خشوع خضوع کا نام نہیں ہے بلکہ کفار کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانا بھی تقویٰ ہے اور ایسے ہی متقیوں کو اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے۔

(۵) قرآنِ کریم کا مذاق اڑانے والے اگر توبہ نہ کریں تو ان کی موت کفر پر واقع ہوتی ہے۔

(۶) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص صبح شام یہ کلمات سات مرتبہ پڑھے گا اللہ پریشانی سے اس کی حفاظت فرمائے گا خواہ وہ کیسی ہی پریشانی کیوں نہ ہو۔

حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰـهَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ.

(۷) ایمان اور اعمال صالحہ جنت کی چابیاں اور اس کی طرف ہدایت کا راستہ ہیں۔

(۸) جہاد فی سبیل اللہ جو اللہ کی رضا کے لئے ہو اس کا بدلہ جنت ہے۔

(۹) اسلام ظاہری وباطنی ہر قسم کی نظافت کی ترغیب دیتا ہے۔

(۱۰) خوف اور امید کی بڑی فضیلت ہے، خوف انسان کو گناہوں کے چھوڑنے پر اور امید زیاہ سے زیادہ نیکیاں جمع کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
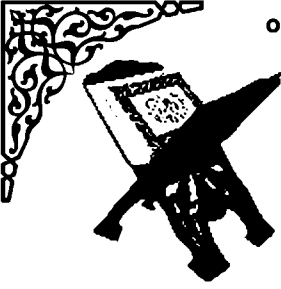
گیارھویں تراویح

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ (بارہواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں بارہویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔

سورۃ ھود

اس کی ابتدائی پانچ آیات گیارھویں پارے میں ہیں اور بقیہ پوری سورت بارہویں پارے میں ہے یہ سورت مکی ہے اس میں دس رکوع اور ۱۲۳ آیات ہیں سورہ ھود ان سورتوں میں سے ہے جن میں گذشتہ اقوام پر نازل ہونے والے قہر الٰہی اور مختلف قسم کے عذابوں کا اور قیامت کے ہولناک واقعات کا ذکر خاص انداز میں فرمایا گیا ہے یہ ہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی ریش مبارک کے کچھ بال سفید ہوگئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بطور اظہار رنج کے عرض کیا یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہوگئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھے سورہ ھود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔

اس سورت کے مضامین بھی پچھلی سورت یعنی سورہ یونس سے ملتے جلتے ہیں البتہ سورۃ یونس میں جن پیغمبروں کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان ہوئے تھے اس سورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، خاص طور پر حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہم السلام کے واقعات زیادہ تفصیل سے انتہائی بلیغ اور مؤثر اسلوب میں بیان کئے گئے ہیں اور ان واقعات سے بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بڑی بڑی زور آور قوموں کو تباہ کر چکی ہے اور جب انسان اس نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذاب کا مستحق ہو جائے تو چاہے وہ کتنے ہی بڑے پیغمبر سے قریبی رشتہ رکھتا ہو اُس

کا یہ رشتہ اس کو عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتا جیسے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو نہیں بچا سکا۔

اس سورت میں عذاب الٰہی کے واقعات بہت ہی مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں اور دین پر استقامت کا حکم بہت ہی تاکید کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ سورہ ھود اور اس جیسی دوسری سورتوں کے اندازِ تنبیہ کی وجہ سے آپ ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں یہ خوف ہر وقت لگا رہتا تھا کہ کہیں وہ بھی اپنی نافرمانی کی وجہ سے اسی طرح کے کسی عذاب کا شکار نہ ہو جائے۔

اس سورت کی ابتداء بھی حروف مقطعات سے کی گئی ہے جس کے بعد قرآن کریم کے تین وصف بیان کئے گئے ہیں (۱) اس کی آیات محکم اور مضبوط ہیں (۲) اس کی آیات مفصل ہیں (۳) اس کا نزول حکیم وخبیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

سورہ ھود کی آیت نمبر ۶ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ساری مخلوق کو رزق دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے چاہے وہ انسان ہوں یا جنات، چوپائے ہوں یا پرندے، پانی میں رہنے والی مچھلیاں اور دیگر آبی مخلوقات ہوں یا زمین پر رہنے والے حشرات الارض و دیگر حیوانات۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ''اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمہ نہ لے رکھا ہو۔'' لیکن جن لوگوں نے اپنی آنکھوں پر ضد و عناد کی پٹی باندھ رکھی ہے وہ ہی اللہ کی توحید اور اسکی رزاقیت کا انکار کرتے ہیں۔

مشرکین قرآن کریم کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم بھی عربی ہو، فصاحت وبلاغت کے دعویدار ہو اگر یہ انسان کا ہی کلام ہے تو پھر تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ (آیت نمبر ۱۳) کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ایک کھلا چیلنج تھا اور کفار اس کے پورا کرنے سے عاجز تھے اس لئے سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳ میں جو مدنی سورت ہے میں اس چیلنج کو ان کے لئے اور آسان کر دیا کہ صرف ایک سورت بنا کر لے آؤ۔ مگر مشرکین عرب جو اپنی فصاحت وبلاغت پر ناز کرتے تھے ان میں سے کوئی بھی اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو سب

سے بڑا ظلم قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کی ۱۳/ حالتوں اور ذلتوں کو آیت نمبر ۱۸/ تا ۲۲/ میں بیان کیا ہے۔

(۱) اللہ پر جھوٹ بولا اور اللہ کی طرف غلط بات کو منسوب کیا۔

(۲) ایسے لوگوں کی اللہ کے سامنے پیشی ہوگی۔

(۳) اللہ کی طرف سے مقرر کردہ گواہ گواہی دیں گے کہ ان لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا تھا۔

(۴) یہ ظالم! اللہ کے نزدیک ملعون ہیں۔

(۵) یہ ظالم! لوگوں کو حق کے راستے سے روکتے ہیں۔

(۶) دین میں شبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۷) آخرت کے منکر ہیں۔

(۸) یہ لوگ روئے زمین پر کہیں بھی اللہ سے بچ نہیں سکتے۔

(۹) قیامت کے دن ان کا کوئی حامی ومددگار نہ ہوگا۔

(۱۰) ان کا عذاب دوچند (یعنی دوگنا) ہے۔

(۱۱) یہ حق بات کو نہ سن سکتے ہیں اور نہ ان کو حق سجھائی دیتا ہے۔

(۱۲) ان لوگوں نے اپنے لئے سب سے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔

(۱۳) سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے یہ ہی ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا اور افتراء کرنا سب سے زیادہ بے جا حرکت ہے اور جو حکم اللہ نے نہیں دیا اس کو اللہ کی طرف منسوب کرنا یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔

اور یہ ہی حال رسول اللہ ﷺ پر افتراء کرنے اور جھوٹ بولنے کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی تو اسے اپنا ٹھکانا آگ میں بنانا چاہئے۔ اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”میں کسی ایسے گناہ سے واقف نہیں ہوں جس کے مرتکب کو اہل سنت میں سے کسی نے کافر قرار دیا ہو سوائے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے کے۔ (موضوعات کبیر از ملا علی قاری رحمہ اللہ بحوالہ درس قرآن)

دنیا کے اندر قرآن کریم اور وحی الہی کو ماننے والی اور نہ ماننے والی دو جماعتیں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مثال دے کر فرمایا کہ ''ان دو گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھتا بھی، سنتا بھی ہو کیا یہ دونوں اپنے حالات میں برابر ہو سکتے ہیں؟'' (آیت نمبر ۲۴) یعنی جس طرح ایک وہ شخص جو سب کچھ دیکھ سکتا ہے اور دوسرا وہ شخص جو کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا برابر نہیں ہو سکتے تو پھر ایک وہ شخص جو ایمان رکھتا ہے اور قرآن کو مانتا ہے اور دوسرا وہ شخص جو نہ ایمان رکھتا ہے اور نہ قرآن کو مانتا ہے کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

قرآن پاک کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جہاں وہ بات کو دلائل کے ساتھ سمجھاتا ہے وہیں قصص بھی بیان کرتا ہے اور پہلی اقوام کے حالات و واقعات کو سنا کر ان سے سبق لینے اور عبرت پکڑنے کی ترغیب بھی دیتا ہے اسی لئے قرآن کریم میں مختلف انبیاء کرام کے قصص مختلف جگہوں پر آئے ہیں کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں طویل۔ مگر کیونکہ ان سے مقصد تاریخی قصے سنانا نہیں بلکہ سبق حاصل کرنا ہے اس لئے جتنی ضرورت ہوتی ہے اتنا ہی بیان کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے بعض اوقات بعد کا حصہ پہلے اور پہلا حصہ بعد میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اور یہ ہی قرآن کریم کا حسن ہے اور اسی وجہ سے باوجود تکرار اور اعادے کے ہر جگہ جدید لذت اور نیا لطف حاصل ہوتا ہے۔

سورہ ھود میں بیان کئے گئے قصوں میں بھی کفار و مشرکین کیلئے سبق و عبرت اور اثبات رسالت ہے کہ دیکھو محمد عربی ﷺ شروع سے تمہارے ساتھ رہتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ انہوں نے کسی تعلیم گاہ سے بلکہ کسی استاد سے بھی کبھی تعلیم حاصل نہیں کی۔ یعنی وہ اُمی ہیں اس کے باوجود وہ گذشتہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے قصے اتنی صحت، باریکی اور کامل درجہ کی درستگی کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں تو یہ بغیر وحی کے ممکن نہیں خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''(اے پیغمبر) یہ غیب کی کچھ باتیں ہیں جو ہم آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔ یہ باتیں نہ آپ ﷺ اس سے پہلے جانتے تھے اور نہ آپ ﷺ کی قوم۔ لہذا صبر سے کام لیجئے، بیشک آخری انجام متقیوں کے ہی حق میں ہوگا'' (آیت نمبر ۴۹)

اللہ کا عذاب جس قوم پر اور جس بستی پر آتا ہے تو ان کے اعمال اور ظلم کی وجہ سے آتا ہے اور جب اللہ کی پکڑ آتی ہے تو بڑی دردناک ہوتی ہے یہ ہی ان قصوں کا سبق ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے قصوں سے کون لوگ سبق اور عبرت حاصل کرتے ہیں یہ بات اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کے قصے میں ارشاد فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''یہ ان بستیوں کے کچھ حالات ہیں جو ہم آپ ﷺ کو سنا رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ بستیاں وہ ہیں جو اپنی جگہ کھڑی ہیں اور کچھ کٹی ہوئی فصل (کی طرح بے نشان) بن چکی ہیں۔ اور ان پر ہم نے کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تمہارے پروردگار کا حکم آیا تو جن معبودوں کو وہ اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے وہ ان کے ذرا بھی کام نہیں آئے اور انہوں نے ان کو تباہی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ اور جو بستیاں ظالم ہوتی ہیں تمہارا رب جب ان کو گرفت میں لیتا ہے تو اس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے واقعی اس کی پکڑ بڑی دردناک، بڑی سخت ہے۔ ان ساری باتوں میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو۔ (آیت نمبر ۱۰۰ تا ۱۰۲)

آیت نمبر ۱۰۶ ر تا ۱۰۸ ر میں اللہ تعالیٰ نے اہل محشر کی دو قسمیں ذکر فرمائی ہیں ایک سعداء یعنی سعادت مند اور دوسرے اشقیاء یعنی بد بخت۔ سعادت مند سے مراد اہل ایمان ہیں کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا کے بعد کسی نہ کسی وقت جنت میں بھیج دیئے جائیں گے اور شقی یعنی بد بخت وہ ہیں جو کفر کی حالت میں ہی اس دنیا سے چلے گئے وہ ہمیشہ دوزخ میں ہی رہیں گے امام بلخی رحمہ اللہ نے شقی اور سعید کی پانچ پانچ نشانیاں لکھی ہیں۔ سعید کی پانچ یہ ہیں (۱) دل کی نرمی (۲) اللہ کے خوف سے بہت رونا (۳) آرزو کا تھوڑا ہونا (۴) دنیا سے نفرت (۵) اللہ کے سامنے شرمندہ رہنا۔ اور شقی کی پانچ نشانیاں یہ ہیں (۱) دل کی سختی (۲) آنکھوں کی خشکی (۳) دنیا کی رغبت (۴) آرزوؤں کا زیادہ ہونا (۵) بے حیائی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔ اور سعداء میں ہمیں شامل فرمائیں۔

سورہ ھود کی آیت نمبر ۱۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو استقامت کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ''لہذا (اے پیغمبر!) جس طرح آپ ﷺ کو حکم دیا

گیا ہے اُس کے مطابق آپ ﷺ بھی سیدھے راستے پر ثابت قدم رہیے اور وہ لوگ بھی جو توبہ کرکے آپ ﷺ کے ساتھ ہیں'' یہ حکم صرف آپ ﷺ کو یا آپ ﷺ کے صحابہ کو نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کو ہے اور یہ ایک ایسا حکم ہے جس کا تعلق عقائد، اقوال، اعمال اور اخلاق سب ہی کے ساتھ ہے استقامت کوئی آسان چیز نہیں بلکہ انتہائی مشکل صفت ہے جو صرف اللہ کے مخصوص بندوں کو ہی حاصل ہو پاتی ہے۔ استقامت کا لغوی معنیٰ تو ہیں سیدھا کھڑا ہونا جس میں کسی طرف جھکاؤ نہ ہو اور شریعت کی اصطلاح میں اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ''انسان اپنے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، کسب معاش اور اس کے آمد و خرچ کے تمام ابواب میں اللہ جل شانہٗ کی قائم کردہ حدود کے اندر شریعت کے بتلائے ہوئے راستے پر سیدھا چلتا رہے'' خلاصہ یہ کہ اپنی پوری زندگی ان تعلیمات کے مطابق گذار دی جائے جن کے مطابق گزارنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس دنیا میں سب سے دشوار کام استقامت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر اس سے زیادہ سخت آیت کوئی نازل نہیں ہوئی۔ علمائے ربانیین نے استقامت کو عین کرامت قرار دیا ہے بلکہ حضرات صوفیائے کرام نے تو یہاں تک فرمایا کہ استقامت سے بڑی کوئی کرامت نہیں۔

اللہ کی طرف رغبت حاصل کرنے کا اور استقامت کے حصول کی کوشش کرنے کا اللہ نے نسخہ آیت نمبر ۱۱۴ میں ارشاد فرمایا کہ ''(اے پیغمبر ﷺ!) دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نماز کو قائم کرو۔ یقیناً نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ ایک نصیحت ہے اُن لوگوں کے لئے جو نصیحت مانیں۔ اور صبر سے کام لو، اس لئے کہ اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے'' اس آیت کریمہ میں انتہائی جامع نصیحت فرما دی کہ کیونکہ استقامت ایک مشکل کام ہے اس لئے اس سلسلے میں نماز سے مدد حاصل کرو کہ وہ نیکیوں کی سردار ہے اس کی وجہ سے برائیاں مٹیں گی اور نیکیاں بڑھ کر استقامت کے حصول میں مددگار ہونگی اور اگر اس دوران میں کوئی تکلیف آجائے تو صبر کا دامن تھام لو کیونکہ اللہ نیکیوں کو ضائع نہیں فرماتے جلد ہی وہ اس پریشانی اور تکلیف کو دور فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنی زندگیاں اللہ کے حکم کے مطابق گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس پر استقامت نصیب فرمائے۔

سورۃ یوسف

اس کے بعد سورہ یوسف شروع ہورہی ہے اور یہ بھی مکی سورت ہے اس میں ۱۲ ررکوع اور ۱۱۱ رآیات ہیں اس سورہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات اور ان کے نتائج کے اور کوئی مضمون بیان نہیں کیا گیا۔ قرآن کریم میں صرف دو ہی سورتیں ہیں جو جن انبیاء کے نام سے منسوب ہیں پوری سورت میں صرف انہی کا قصہ موجود ہے ایک سورہ یوسف اور دوسری سورہ نوح۔ اور قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ سوائے اس سورت کے کہیں اور بیان نہیں کیا گیا۔ جبکہ دوسرے انبیاء کے حالات اور واقعات متعدد مقامات اور مختلف پیراؤں میں ذکر کئے گئے ہیں جو پورے قرآن میں بکھرے ہوئے ہیں ان ٹکڑوں کو جوڑنے سے پورا واقعہ سمجھ میں آجاتا ہے۔ بلکہ عجیب لطف یہ ہے کہ دوران تلاوت جب کسی نبی کا قصہ آجائے تو اس حصے کو سمجھنے کیلئے پورے قصے کو پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ اسی حصہ میں ایسی جامعیت اور کاملیت ہوتی ہے کہ وہ تلاوت قرآن کرنے والے کو اسی جگہ اپنے سحر میں گرفتار رکھتی ہے۔ اور اس قصے کے تمام فوائد اسی جگہ سے اس کو حاصل ہو جاتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ بھی قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ مخالفین نہ تو قرآن کریم کے مکرر قصوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی غیر مکرر قصوں کا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سورہ یوسف کا موضوع دراصل حضور ﷺ کے شاندار مستقبل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ سورت مکی دور کے آخری حصہ میں نازل ہوئی جب کہ حضور ﷺ کو کفار کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا تھا، آپ ﷺ پریشان تھے مگر اللہ نے یہ سورت نازل فرما کر آپ ﷺ کی کامیابی اور مشرکین کی ناکامی کی پیشگوئی فرمادی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسروں کی بات کر کے اپنوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے حضور ﷺ کے روشن مستقبل کی

طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح برادران یوسف ناکام ہوئے اسی طرح کفار مکہ بھی ذلیل وخوار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو بہت رفعت اور بلند مرتبہ عطا فرمائیں گے۔ چنانچہ جب اللہ نے آپ ﷺ کو مکہ کی فتح عطا فرمائی تو یہی قریش مکہ نادم وشرمندہ ہوئے اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی، جاؤ تم آزاد ہو تم پر کوئی الزام نہیں۔''

قرآن کریم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو احسن القصص فرمایا ہے علماء فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بہت سے حقائق اور عجائبات موجود ہیں مثلاً:۔☆ حاسد اور محسود کا انجام واضح ہوتا ہے۔☆ مالک اور مملوک کا معاملہ سمجھ میں آتا ہے ☆ قید اور رہائی کا مسئلہ بھی اسمیں بیان کردیا گیا ☆ قحط اور خوشحالی کا بھی تذکرہ کردیا گیا ☆ گناہ اور معافی کا معاملہ بھی پیش آیا ☆ جدائی اور ملاپ کے لمحات بھی اس واقعہ میں آئے۔☆ سفر اور حضر کی احتیاطی تدابیر بھی بتائی گئیں ☆ اسی واقعہ میں عزت اور ذلت اور قضاء وقدر کے مسائل بھی سامنے آئے ہیں۔☆ اسی واقعہ سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ صبر تمام خوبیوں کی چابی ہے حدیث شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔☆ معاملات کی اصلاح کیلئے مناسب تدابیر اختیار کرنا عقلمندی کی نشانی ہے۔☆ اللہ تعالیٰ کی توحید، ایمان، اور اخلاق پر بھی بحث کی گئی ہے اور انہیں انتہائی موثر انداز میں سمجھایا گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا مختصر قصہ:

بعض روایات میں آتا ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ سوال کروایا تھا کہ بنی اسرئیل کے لوگ جو فلسطین کے باشندے تھے مصر میں جا کر کیوں آباد ہوئے؟ ان لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کے پاس چونکہ بنی اسرائیل کی تاریخ معلوم کرنے کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ اس سوال کا جواب نہیں دے پائیں گے اور اس طرح آپ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا موقعہ مل جائے گا کہ آپ ﷺ (معاذ اللہ) اللہ کے سچے نبی نہیں

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اس سورت کے ذریعے پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کروادیا۔

بنی اسرائیل کے جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے ان کا دوسرا نام ''اسرائیل'' تھا ان کے بارہ صاحبزادے تھے انہی کی نسل سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے بنے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کے ساتھ فلسطین میں مقیم تھے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین یہ سب سے چھوٹے تھے اسلئے طبعی طور پر باپ کی محبت انکے ساتھ زیادہ تھی جس کی وجہ سے ان کے بقیہ بھائیوں نے سازش کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں پھینک دیا تھا جہاں سے ایک قافلے نے انہیں نکال کر مصر کے ایک سردار (عزیز مصر) کے ہاتھ بیچ دیا تھا شروع میں وہ غلامی کی زندگی گزارتے رہے پھر اس عزیز مصر کی بیوی نے آپ سے گناہ کا ارادہ کیا جس کے انکار پر اُس نے آپ کو گرفتار کر کے جیل میں ڈلوادیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا جس کی آپ نے صحیح تعبیر دے دی اور ساتھ ہی نقصان سے بچنے کی تدبیر بھی بتادی جس پر بادشاہ آپ پر مہربان ہوگیا اور آپ کو باعزت بری کر کے اپنا وزیر خزانہ مقرر کیا اور بعد میں حکومت کے سارے اختیارات انہی کو سونپ دیئے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو بھی فلسطین سے مصر بلوالیا۔ اسطرح بنواسرائیل فلسطین سے مصر منتقل ہوگئے۔

بارہویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) قرآن کریم کے نزول کی علت یہ ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں اور مشرک استغفار اور توبہ کریں تا کہ دنیا و آخرت کی سعادت اور کمال حاصل کرسکیں۔

(۲) اہل معصیت کو اللہ کی مہلتوں سے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے اس لئے کہ پھر پکڑ اچانک آتی ہے اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

(۳) مؤمن کا کمال یہ ہے کہ وہ صبر و شکر میں ڈھلا ہوا ہو کیونکہ اسی کا بدلہ مغفرت اور جنت ہے۔

(۴) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ لوگوں کو ہدایت دیں بلکہ ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کفر اور نافرمانی کے انجام سے ڈرائیں۔

(۵) جنت کے وارث اہل ایمان و طاعت ہیں اور جہنم کے وارث اہل کفر و ظلم ہیں۔

(۶) دنیا میں عذاب کے نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ بدلے کی جگہ آخرت ہے دنیا نہیں۔

(۷) اولاد میں سے کسی ایک سے زیادہ محبت کا اظہار دوسروں میں عداوت کا باعث بنتا ہے۔

(۸) غم کا اظہار گناہ نہیں حدیث میں ہے "اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق میں غمزدہ ہیں۔"

(۹) کسی چیز میں کوئی حکمت نہیں مگر اللہ کے حکم سے اور حق وہی ہے جسے اللہ نے حق قرار دیا اور باطل وہ ہے جسے اللہ نے باطل قرار دیا۔

(۱۰) باپ کے لفظ کا استعمال دادا میں بھی ہوتا ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک باپ ہے اپنے بعد والے کا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝
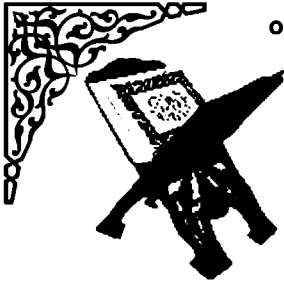
بارہویں تراویح

وَمَا اُبَرِّئُ (تیرہواں سپارہ مکمل)

الحمد للہ آج کی تراویح میں تیرہویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً:۔

☆ بعض اوقات مصیبت، نعمت اور راحت تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

☆ حسد بہت خطرناک بیماری ہے اگر سگے بھائیوں میں بھی ہو جائے تو بہت نقصان ہوتا ہے۔

☆ اچھے اخلاق، اعلیٰ اوصاف اور بہتر تربیت، بہر حال اپنا اثر دکھا کر رہتی ہے۔

☆ عفت وعصمت، امانت واستقامت ساری بھلائیوں کا سرچشمہ ہیں۔

☆ مرد اور عورت کا خلوت میں میل جول فتنہ کا باعث ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور عقیدے کی پختگی سے مصائب برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

☆ مؤمن کو چاہئے کہ ہر مصیبت کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرے۔

☆ سچا داعی انتہائی مشکل حالات میں بھی دعوت کے فریضے کو نہیں چھوڑتا۔

☆ ہر مسلمان کو عموماً اور داعی کو خصوصاً اپنے دامن کو برائی سے بچانے کا بڑا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔

☆ اس قصہ سے صبر کی فضیلت اور اس کے بہترین نتائج کا بھی یقین ہو جاتا ہے۔

☆ اس قصے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو

کوئی روک نہیں سکتا اور کسی کو تکلیف میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو کوئی بچا نہیں سکتا۔

اس قصے کے مطالعہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت اور طہارت کی کئی شہادتیں سامنے آتی ہیں۔

☆ پہلی شہادت رب العالمین کی ہے جو قرآن کریم کے اس قصے کے ذریعے دی گئی ہے۔

☆ دوسری شہادت شیطان کی ہے کیونکہ اس نے راندۂ درگاہ ہوتے وقت بارگاہ رب العزت میں یہ کہا تھا کہ "تیری عزت کی قسم میں سب انسانوں کو گمراہ کردوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہیں" اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے اور ایک پیغمبر سے زیادہ پاکباز اور نیک کون ہوسکتا ہے اس لئے خود شیطان کے بقول ہی ان کو گمراہی کے راستے پر ڈالنا ممکن نہ تھا۔

☆ تیسری شہادت خود حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے کیونکہ انہوں نے خود دعا فرمائی کہ "یارب! یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں اس کے مقابلے میں قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ اور اگر تو نے مجھے ان کی چالوں سے محفوظ نہ کیا تو میرا دل بھی ان کی طرف کھنچنے لگے گا اور جو لوگ جہالت کے کام کرتے ہیں ان میں میں بھی شامل ہو جاؤں گا۔" (آیت نمبر ۳۳)

☆ چوتھی شہادت خود عزیز مصر کی بیوی کی تھی کیونکہ اس نے خود عورتوں کے سامنے اس بات کا اقرار کیا تھا اور کہا تھا کہ "اب دیکھو! یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنے دیئے تھے! یہ بات واقعی سچی ہے کہ میں نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے اس پر ڈورے ڈالے، مگر یہ بچ نکلا۔" (آیت نمبر ۳۲)

☆ پانچویں شہادت عزیز مصر کے خاندان کے اس بچے کی تھی جو بولنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ظاہر کرنے کیلئے اسے قوت گویائی عطا فرمائی اور جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جھولے میں اپنی ماں کی برأت ظاہر کی تھی اسی طرح اس بچے نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ظاہر کی اور کہا "اگر یوسف کی

قمیض سامنے کی طرف سے پھٹی ہو تو عورت سچ کہتی ہے اور وہ جھوٹے ہیں۔ اور اگر ان کی قمیض پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹ بولتی ہے، اور یہ سچے ہیں۔'' (آیت نمبر ۲۶، ۲۷)

☆ چھٹی شہادت ان عورتوں کی ہے جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتوں کو کاٹ لیا تھا اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا تھا'' حاشا اللہ! یہ شخص کوئی انسان نہیں ہے، ایک قابل تکریم فرشتے کے سوا یہ کچھ اور نہیں ہو سکتا'' (آیت نمبر ۳۱)

سورہ یوسف کے اختتام پر ارشاد خداوندی ہے'' یقیناً ان کے واقعات میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے بڑی عبرت کا سامان ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں جو جھوٹ موٹ گھڑ لی گئی ہو بلکہ اس سے پہلے جو آسمانی کتابیں آچکی ہیں ان کی تصدیق ہے، اور ہر بات کی وضاحت ہے اور جو لوگ ایمان لائیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان ہے۔ (آیت نمبر ۱۱۱) گویا سورت کے اختتام پر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ قصہ یوسف صرف ایک تاریخی قصہ یا کوئی کہانی نہیں جس کو پڑھ لیا اور تھوڑی دیر کے مزے لے لئے بلکہ اس قصہ میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے بڑی عبرت کا سامان ہے کہ دیکھو جو اللہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک جنگل کے کنویں سے نکال کے مصر کے تخت پر بٹھا سکتا ہے تو کیا وہ اللہ اپنے محبوب ﷺ کو ان کفار و مشرکین کے ظلم وستم سے نکال کر رفعت و منزلت کے بلند مقام پر فائز نہیں کر سکتا یقیناً وہ اللہ آپ کے لائے ہوئے دین کو بھی سب پر غالب فرمادے گا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے اپنے تمام بھائیوں پر غالب فرمادیا تھا۔

سورة الرعد

اس کے بعد سورہ رعد شروع ہو رہی ہے اس سورت کے دوسرے رکوع کی آیت نمبر ۱۳ میں'' رعد کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ ہیں'' بادل کی گرج''۔ علامت کے طور پر یہ ہی نام اس سورت کا مقرر کر دیا گیا ہے یہ سورت بھی مکی ہے اور قیام مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی اس سورت میں چھ رکوع اور ۴۳ آیات ہیں

تمام مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا بھی بنیادی موضوع عقائد، یعنی توحید، رسالت

اور آخرت کا اثبات اور ان پر عائد کئے جانے والے اعتراضات کا جواب ہے پچھلی سورہ یوسف کے آخر میں (آیت نمبر ۱۰۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ''آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں لیکن کفار ان کی طرف دھیان دینے کے بجائے ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں'' اس سورت میں کائنات میں پھیلی ہوئی ان نشانیوں کی کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ جس قادر مطلق نے اس کائنات کا یہ محیر العقول نظام بنایا ہے اسے اپنی خدائی قائم کرنے کے لئے کسی مددگار یا شریک کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی بھی گواہی دیتا ہے اور اس بات کی بھی کہ یہ سارا نظام اس نے بے مقصد نہیں پیدا کیا۔ اس کا یقیناً کوئی مقصد ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا میں کئے گئے ہر کام کا کسی دن حساب ہو اور اس دن نیکیوں کا انعام اور برائیوں کی سزا دی جائے اس سے خود بخود آخرت کا عقیدہ ثابت ہو جاتا ہے۔ پھر نیکی اور برائی کا تعین کرنے کیلئے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح ہدایات بندوں کو دی جائیں۔ ان ہدایات کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکام دنیا والوں تک پہنچاتے ہیں لہذا اسی سے رسالت کا بھی عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔

اس سورت کے شروع میں اس طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ قرآن سراسر سچی اور اصلی باتوں سے پُر اور سراسر حقیقت کا اظہار ہے۔ یہ انسان کے پاس اس کے پیدا کرنے والے اور پالنے والے احکم الحاکمین کا پیغام لے کر آیا ہے اور اللہ عزوجل نے اپنے رسول ﷺ کو یہ کتاب دے کر تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''(اے پیغمبر) جو کچھ آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لا رہے'' (آیت نمبر ۱) یہ کتاب بتاتی ہے کہ تمام چیزوں کا بنانے والا اور پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے لیکن تعجب ہے کہ اکثر لوگ ایسی جامع اور کامل کتاب کو بھی نہیں مانتے اور جو اس کتاب کو نہیں مانتا وہ کسی اور کتاب کو کیا مانے گا۔

سورہ رعد کی آیت نمبر ۳ اور ۴ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ''حقیقت یہ ہے کہ ان ساری باتوں میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں

جوغور وفکر کریں"۔۔۔"یقیناً ان سب باتوں میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں" معلوم ہوا کہ یہ سورت مصنوعات اور آیات خداوندی میں غور وفکر کی دعوت دے رہی ہے کہ آسمان اور زمین، سورج اور چاند، رات اور دن، پہاڑ اور صحراء، جنگل اور نہریں، غلہ جات اور مختلف رنگوں، ذائقوں اور خوشبوؤں والے پھل پیدا کرنے والا وہی ہے اور موت اور زندگی، نفع ونقصان اس اکیلے کے ہاتھ میں ہے ذرا غور وفکر تو کرو۔

صرف زمین میں ہی انسان غور وفکر کرے تو اللہ کی قدرت کی روشن دلیلیں اس کو نظر آ جائیں گی کہ انسانی ضرورت کی ساری چیزیں بھی اسی زمین سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ انسان تو زیادہ سے زیادہ زمین کو نرم کر کے اس میں بیج ڈال دیتا ہے اور کبھی کبھی پانی دے دیتا ہے لیکن آگے انسان بالکل بے بس ہو جاتا ہے یہ اللہ ہی ہے جو اس سے پھل، پھول پیدا کرتا ہے اور وہ طرح طرح کے ذائقوں اور رنگوں پر مشتمل ہوتے ہیں کوئی شیریں ہے تو کوئی ترش، کوئی چھوٹا ہے تو کوئی بڑا۔ اللہ رب العزت کی عجیب قدرت ہے کہ اس نے ان میں بھی نر اور مادہ کا نظام رکھا ہے جدید سائنس نے بھی اس بات کو مان لیا ہے کہ عالم میں کوئی پھل اور پھول ایسا نہیں جس میں دونوں صفتیں نر اور مادہ نہ پائی جاتی ہوں۔

کفار ومشرکین کو رسول اللہ ﷺ پر تین قسم کے اعتراضات تھے سورۂ رعد میں اللہ تعالیٰ نے ان اعتراضات اور ان کے جوابات کو نقل فرمایا ہے

پہلا اعتراض ان کا یہ تھا کہ آپ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور یہ ہماری عقل میں نہیں آتا؟ اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر ۵ میں اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ جو ذات یہ عظیم کائنات عدم سے وجود میں لا سکتی ہے اس کے لئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟ لیکن تعجب کے لائق تو یہ بات ہے کہ یہ کافر لوگ کھلی آنکھوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے بیشمار مظاہر دیکھنے کے بعد بھی نئے سرے سے پیدا کرنے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں۔

دوسرا اعتراض ان کا یہ تھا کہ اگر آپ ﷺ نبی ہیں اور ہم آپ ﷺ کی نافرمانی میں لگے ہوئے ہیں تو آپ ﷺ ہم پر جلد عذاب کیوں نہیں منگوا لیتے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب

آیت نمبر ۶ میں دیا ہے کہ تم سے پہلے بہت سی قوموں پر اللہ کا عذاب آچکا ہے تم پر بھی آسکتا ہے مگر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی شان حلم اور عفو سے ہر چھوٹے بڑے جرم پر فوراً گرفت نہیں کرتا وہ لوگوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو دیکھتا رہتا ہے اور درگزر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب ظلم وستم اور نافرمانیاں حد سے تجاوز کر جاتی ہیں تو پھر اللہ کا عذاب آتا ہے اور پھر اس سے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں سب سے بڑھ کر پرامید اور پُرتسلی یہی آیت ہے: وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ اور یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کے لئے ان کی زیادتیوں کے باوجود آپ کے رب کی ذات ایک معاف کرنے والی ذات ہے۔

تیسرا اعتراض ان کا یہ تھا کہ جو معجزہ اور نشانی ہم طلب کرتے ہیں وہ کیوں ظاہر نہیں کئے جاتے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب آیت نمبر ۷ میں دیا کہ فرمائشی معجزات کا پورا کرنا یہ پیغمبر اور ولی کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا کام ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی تصدیق کے لئے جو چاہے اور جب چاہے معجزہ دکھائے چنانچہ آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا: اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (اے پیغمبر ﷺ) بات یہ ہے کہ آپ ﷺ تو صرف خطرے سے ہوشیار کرنے والے ہیں اور ہر قوم کیلئے کوئی نہ کوئی ایسا شخص ہوا ہے جو ہدایت کا راستہ دکھائے۔

آیت نمبر ۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ الخ ہر شخص کے آگے اور پیچھے وہ نگران فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے باری باری اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ ایک جماعت دن کے وقت انسانوں کی نگرانی پر مامور ہے اور دوسری جماعت رات کے وقت ان کی حفاظت کرتی ہے ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ فرشتے مختلف حادثات سے انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں البتہ جب اللہ تعالیٰ کا ہی حکم یہ ہو کہ کسی شخص کو کسی تکلیف میں مبتلا کیا جائے تو یہ فرشتے وہاں سے ہٹ جاتے ہیں۔ ابن

جریر میں بروایت حضرت عثمان غنی ؓ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان فرشتوں کا کام صرف دنیاوی تکالیف اور مصائب سے ہی حفاظت نہیں بلکہ وہ انسانوں کو گناہوں سے محفوظ رکھنے کی بھی کوشش کرتے ہیں انسان کے دل میں خوف خدا اور نیکی کا داعیہ پیدا کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ گناہ سے بچ جائے لیکن اگر وہ پھر بھی فرشتوں کے الہامات سے غفلت برت کر گناہ میں مبتلا ہو ہی جائے تو پھر وہ دعا اور کوشش کرتے ہیں کہ وہ جلد توبہ کرکے گناہ سے پاک ہو جائے لیکن اگر وہ پھر بھی کسی طرح متنبہ نہیں ہوتا تو پھر وہ فرشتے اس گناہ کو اس کے اعمال نامے میں لکھ دیتے ہیں۔ حضرت کعب بن احبار ؓ فرماتے ہیں کہ اگر یہ فرشتوں کا پہرہ انسانوں پر نہ ہو تو جنات انکی زندگی وبال بنادیں۔

انسانوں کی حفاظت پر جو فرشتے مقرر ہیں اس سے کسی کو یہ غلط فہمی ہوسکتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا یہ انتظام کر رکھا ہے تو پھر انسان کو بے فکر ہو جانا چاہئے اور گناہ وثواب کی پرواہ بھی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ فرشتے اس کی حفاظت پر مأمور ہیں اللہ تعالیٰ نے اسی آیت نمبر ۱۰ رمیں اس غلط فہمی کو بھی دور فرمادیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ الخ ''یقین جانو اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت میں تبدیلی نہ لے آئے۔ اور جب اللہ کسی قوم پر کوئی آفت لانے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اس کا ٹالنا ممکن نہیں اور ایسے لوگوں کا خود اس کے سوا کوئی رکھوالا نہیں ہوسکتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی اچھی حالت کو بدحالی میں خود بخود نہیں بدلتا لیکن جب وہ نافرمانی پر کمر باندھ کر اپنی حالت خود بدل ڈالیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے اور اسے کوئی دور نہیں کرسکتا چنانچہ وہ نگران فرشتے بھی ایسی صورت میں کام نہیں دیتے۔

آج اگر امت مسلمہ اپنے لئے عزت چاہتی ہے تو اسے ذلت والے اسباب ترک کرکے عزت والے اسباب ووسائل اختیار کرنے ہوں گے محض عزت کی آرزو سے عزت کا حصول ناممکن ہے۔

آیت نمبر ۱۷ میں حق کی پائیداری اور باطل کی بے ثباتی کی دو مثالیں بیان فرمائی گئیں ہیں ایک مثال تو یہ دی کہ جب آسمان سے بارش اترتی ہے اور پانی رواں ہوتا ہے تو کوڑے

کرکٹ اور گھاس پھونس کو پانی کی سطح پر بہالاتا ہے اور دوسری مثال یہ بیان فرمائی کہ جیسے تیز آگ میں چاندی لوہا، تانبہ اور دوسری دھاتیں پگھلاتے ہیں تا کہ زیور اور ہتھیار وغیرہ تیار کریں اس میں بھی میل کچیل اور جھاگ اوپر اٹھتا ہے مگر تھوڑی دیر بعد میل کچیل علیحدہ کر دیا جاتا ہے اور جو اصلی اور کارآمد چیز ہوتی ہے وہی باقی رہ جاتی ہے جس سے لوگ مختلف طور پر نفع اٹھاتے ہیں یہی مثال حق اور باطل کی بھی ہے کہ جب وحی آسمانی دین حق کو لیکر اترتی ہے تو انسانوں کے قلوب اپنے اپنے ظرف کے موافق فائدہ حاصل کرتے ہیں اور جب حق و باطل کا سامنا اور ٹکراؤ ہوتا ہے تو جس طرح میل کچیل یا کوڑا کرکٹ اوپر آجاتا ہے اسی طرح بظاہر باطل جھاگ کی طرح حق کو دبا لیتا ہے لیکن ایسا عارضی اور وقتی ہوتا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد جو اصلی اور کارآمد چیز تھی وہی رہ جاتی ہے اور باطل جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے یا کوڑا کرکٹ کی طرح بہہ جاتا ہے۔ ان مثالوں سے مقصود یہ ہے کہ کسی مؤمن کو باطل کی عارضی عیش سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے انجام کار حق ہی خالص چیز کی طرح ثابت وقائم رہے گا دنیا بھر میں باطل کی مادی جھاگ جو اٹھی ہوئی دکھائی دیتی ہے یہ جھاگ خود بخود بیٹھ جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں حق کے سچے پرستار کھڑے ہو جائیں لیکن افسوس جو صورت نظر آرہی ہے وہ تو یہ ہے کہ حق کے نام لیواؤں نے اہل باطل کے اور اہل باطل نے اہل حق کے طور طریقے اپنا رکھے ہیں وہ ان طریقوں کو اپنا کر فائدہ اٹھا رہے ہیں اور حق کے نام لیوا ان کے طور طریقے اپنا کر اپنی دنیا بھی برباد کر رہے ہیں اور آخرت بھی۔

آیت نمبر ۲۰ سے اہل تقوی اور حقیقی عقل مندوں کی آٹھ صفات بتائی گئی ہیں

(۱) وہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی نہیں کرتے۔ (آیت نمبر ۲۰) حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں مسلمان اور کافر کی تفریق نہیں: ☆ عہد کسی سے بھی ہو پورا کرنا چاہئے ☆ ہر ایک سے صلہ رحمی کی جائے ☆ امانت میں خیانت نہ کی جائے چاہے وہ کسی کی ہو۔

(۲) جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں جوڑے رکھتے ہیں۔ (آیت نمبر ۲۱) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی نیکی جس کا صلہ بہت جلد ملتا ہو

صلہ رحمی سے بڑھ کر نہیں ہے اور کوئی گناہ جسکا وبال دنیا میں علاوہ سزائے آخرت کے ملے گا قطع رحمی اور ظلم سے بڑھ کر نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ قطع رحمی کرنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

(۳) اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (آیت نمبر ۲۱)

(۴) بُرے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔ (آیت نمبر ۲۱)

(۵) اللہ کی رضا کے لئے صبر کرتے ہیں۔ (آیت نمبر ۲۲)

(٦) نماز قائم کرتے ہیں۔ (آیت نمبر ۲۲)

(۷) اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں۔ (آیت نمبر ۲۲)

(۸) برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں۔ (آیت نمبر ۲۲) ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تم اپنے طرز عمل کو لوگوں کے طرز عمل کا تابع بنا کر نہ رکھو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھلائی کریں اور اگر لوگ ظلم کریں تو ہم بھی ظلم کریں گے۔ تم اپنے نفس کو ایک قاعدے کا پابند بناؤ اگر لوگ نیکی کریں تو تم بھی نیکی کرو اور اگر لوگ تم سے بدسلوکی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔

ان کے مقابلے میں اشقیاء کی بھی تین نمایاں علامات بیان کی گئی ہیں۔

(۱) وہ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں۔ (آیت نمبر ۲۵)

(۲) اللہ نے جن رشتوں کو قائم رکھنے اور جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو توڑتے ہیں۔ (آیت نمبر ۲۵)

(۳) زمین میں فساد کرتے ہیں۔ (آیت نمبر ۲۵)

سورت کے آخر میں اللہ نے اپنے نبی کی نبوت کی خود شہادت دی ہے اسی طرح وہ اہل کتاب بھی آپ کی نبوت کے گواہ ہیں جو تعصب سے پاک ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ''اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ''آپ ﷺ پیغمبر نہیں ہیں'' آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ ''میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اللہ ہی کافی ہے، نیز ہر وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے''

سورۃ ابراھیم

یہ سورت مکی ہے اور اس سورت میں ۵۲/آیات اور ۷/رکوع ہیں۔ چونکہ عرب کے مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے اس لئے سورت کے آخر سے پہلے رکوع میں ان کی وہ پُر اثر دعائیں نقل کی گئی ہیں جس میں انہوں نے شرک اور بت پرستی کی صاف صاف برائی بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ انہیں اور ان کی اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھا جائے اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورہ ابراہیم رکھا گیا ہے۔

سورت کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوئی ہے اور ابتداءً قرآن کریم کے نزول کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ یہ قرآن لوگوں کو کفر و شرک کی ظلمت سے نکال کر حق کی روشنی کی طرف لانے کے لئے نازل کیا گیا ہے پھر جو اس قرآن کا انکار کریں گے ان کو عذاب شدید کی وعید سنائی گئی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ''یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں اپنے رب کے حکم سے یعنی غالب اور قابل تعریف ذات کے راستے کی طرف''

آیت نمبر ۴ میں ارشاد فرمایا ''اور ہم نے جب بھی کوئی رسول بھیجا خود اس قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ ان کے سامنے حق کو اچھی طرح واضح کر سکے۔'' اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل فرمایا کیونکہ اس کے اولین مخاطب عربی ہی تھے اور قانون خداوندی ہے کہ احکام شریعت ہمیشہ اسی قوم کی زبان میں نازل فرماتے ہیں تاکہ وہ اس کو آسانی سے سمجھ سکیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی زبان عبرانی تھی اس لئے ان پر تورات بھی عبرانی زبان میں نازل کی گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی زبان سریانی تھی تو انجیل بھی سریانی زبان میں نازل کی گئی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کیوں کے قیامت تک آنے والے ہر انسان کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے چاہے اس کی زبان کوئی بھی ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی سب سے خوبصورت اور فصیح و بلیغ زبان میں یعنی عربی زبان میں نازل فرمایا اور آپ ﷺ نے عربی سے محبت پیدا کرنے کیلئے حکم فرمایا کہ عربی

زبان سیکھو تین وجہ سے (۱) قرآن عربی میں ہے (۲) میری زبان عربی ہے (۳) اہل جنت کی زبان عربی ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عربی سیکھو اسلئے کہ وہ تمہارا دین ہے۔ یعنی تمہارا دین اسی زبان میں ہے چنانچہ عربی زبان کو سیکھے بغیر نہ قرآن کریم کو سمجھا جا سکتا ہے نہ احادیث کو اس لئے مسلمان جہاں دوسری زبان سیکھتے ہیں وہیں ان کو عربی بھی سیکھنی چاہئے بلکہ اس کو اور زبانوں پر ترجیح دینا چاہئے۔

سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۴ تا ۲۶ میں حق اور ایمان کے کلمہ کو شجرہ طیبہ (پاکیزہ درخت) کے ساتھ اور باطل اور ضلالت کے کلمہ کو شجرہ خبیثہ (ناپاک درخت) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

کلمہ طیبہ سے مراد کلمہ توحید ہے یعنی لا الہ الا اللّٰہ اور اکثر مفسرین نے فرمایا کہ پاکیزہ درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوطی سے جمی ہوتی ہیں اور تیز ہوائیں اور آندھیاں اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی ہیں نہ اسے اپنی جگہ سے ہلا سکتی ہیں اسی طرح جب کلمہ توحید انسان کے دل و دماغ میں پیوست ہو جاتا ہے تو ایمان کی خاطر اسے کیسی ہی تکلیفوں یا مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے اسکے ایمان میں کوئی کمزوری نہیں آتی۔ کھجور کے درخت کی دوسری صفت اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں اور زمین کی کثافتوں سے دور رہتی ہیں اسی طرح جب کلمہ توحید مؤمن کے دل میں پیوست ہو جاتا ہے تو اسکے تمام نیک کام جو درحقیقت اسی کلمے کی شاخیں ہیں آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچ کر اس کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں اور دنیا پرستوں کی کثافتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

ناپاک کلمے سے مراد کلمہ کفر ہے اس کی مثال ایسا خراب درخت ہے جس کی کوئی مضبوط جڑ نہ ہو بلکہ وہ جھاڑ جھنکار کی شکل میں خود اُگ آئے اس میں جماؤ بالکل نہیں ہوتا اسلئے جو شخص چاہے اسے آسانی سے اکھاڑ سکتا ہے اسی طرح کافرانہ عقیدوں کی کوئی عقلی یا نقلی بنیاد نہیں ہوتی ان کی تردید آسانی سے کی جا سکتی ہے اور غالباً اس سے مسلمانوں کو یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ کفر و شرک کے جن عقیدوں نے آج مسلمانوں پر زمین تنگ کی ہوئی ہے

عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ان کو اس طرح اکھاڑ کر پھینک دیا جائے گا جیسے جھاڑ جھنکار کو اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

آیت نمبر ۳۵ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وادی مکہ میں لے جا کر بسانے کا ذکر ہے اور پھر ان دعاؤں کا ذکر ہے جو آپ نے بیت اللہ کی تعمیر کے دوران اہل مکہ، اپنی اولاد اور اپنے خاندان کے لئے مانگیں تھیں۔ ان دعاؤں میں انہوں نے امن، رزق، دلوں کے میلان، اقامت صلوۃ اور مغفرت کی درخواست کی تھی۔

سورت کے آخر میں نزول قرآن کا مقصد بیان کر دیا گیا کہ ''یہ تمام لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے اور اس لئے دیا جارہا ہے تا کہ انہیں اس کے ذریعے خبر دار کیا جائے اور تا کہ وہ جان لیں کہ معبود برحق بس ایک ہی ہے اور تا کہ سمجھ رکھنے والے نصیحت حاصل کر لیں۔
(آیت نمبر ۵۲)

تیرہویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) جائز ہے پکا عہد لینا اہم امور میں اگرچہ قریبی لوگوں سے مثلاً اولاد سے ہی ہو۔

(۲) معاصی کا صدور آدمی سے جب ہی ہوتا ہے جبکہ وہ اللہ کی جلالت شان اور اس کے وعدہ و وعید سے غافل ہو۔

(۳) صاحب فضل و کمال لوگوں کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلنا جائز ہے مثلاً حجاج وغیرہ کے لئے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ بعض دفعہ اپنے رسولوں اور مومن بندوں کی مدد میں تاخیر فرماتے ہیں تاکہ ان کے دشمنوں کی دشمنی کھل کر سامنے آجائے پھر جب اللہ کی مدد آتی ہے تو اللہ کے ولی عزت دار ہو جاتے ہیں اور ان کے دشمن ذلیل۔

(۵) عقیدے کی بنیاد تین چیزیں ہیں: ☆ توحید ☆ رسالت
☆ مرنے کے بعد زندہ ہونا اور جزاء و سزا کا ملنا۔

(۶) نعمتیں ہمیشہ گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے زائل ہوتی ہیں۔

(۷) جب آسمانی بجلی چمکے تو اس وقت یہ دعا پڑھنا مستحب ہے:

سُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلَآئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهٖ.

(۸) مؤمن مثل زندہ کے ہے، دیکھتا ہے، جانتا ہے اور عمل کرتا ہے اور کافر مثل مردہ کے ہے اندھا ہے، نہ جانتا ہے اور نہ عمل کرتا ہے۔

(۹) اللہ کا وعدہ ہے اعمالِ صالحہ کرنے والے مومن بندے سے خوشحالی اور اچھے ٹھکانے کا۔

(۱۰) کفر، شرک اور ظلم یہ عذاب کو لازم کرتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ اللہ کا ذکر اور شکر نہیں کرتے اور ذکر و شکر کا نہ ہونا ہی ان باتوں کا سبب ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ کا عذاب لازم ہو جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝
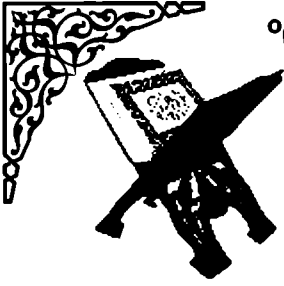
تیرہویں تراویح

رُبَمَا (چودھواں سپارہ مکمل)

سورۃ الحجر

الحمدللہ آج کی تراویح میں چودہویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔ چودہویں پارے کی ابتداء سورۃ الحجر سے ہورہی ہے جس کی صرف پہلی آیت تیرہویں سپارے میں ہے اور باقی تمام سورت چودہویں پارے میں ہے۔

اس سورت کی آیت نمبر ۹۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ اس آیت میں پہلی بار آپ ﷺ کو کھل کر اسلام کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔

اس سورت کے چھٹے رکوع یعنی آخری رکوع میں اصحاب الحجر کا تذکرہ ہے ''حجر'' قوم ثمود کا مرکزی شہر تھا اور اسکے کھنڈرات مدینہ کے شمال مغرب میں مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے ملتے ہیں قافلے اب بھی یہاں سے گزرتے ہیں مگر آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق یہاں کوئی ٹھہرتا نہیں۔ اس سورت میں کیوں کہ ''حجر'' کے باشندوں اور ان کی ہلاکت کا تذکرہ ہے اس لئے اس کا نام ''سورۃ الحجر'' رکھ دیا گیا۔

اس سورت میں ۶ رکوع اور ۹۹ آیات ہیں۔

اس سورت میں زیادہ تر منکرین نبوت اور منکرین رسالت کی عقوبت اور ہلاکت اور اللہ رب العزت کی وحدانیت اور قیامت وغیرہ کے تذکرے ہیں۔

اس سورت کی آیت نمبر ۹ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح طور پر ارشاد فرما دیا ہے کہ اگرچہ قرآن کریم سے پہلے بھی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں ہیں لیکن کیونکہ وہ خاص خاص قوموں اور

خاص خاص زمانوں کیلئے نازل کی گئی تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا کوئی ذمہ نہیں لیا تھا بلکہ ان کی حفاظت کا کام انہی لوگوں کے سپرد کر دیا تھا جو ان کے مخاطب تھے لیکن کیونکہ قرآن کریم آخری آسمانی کتاب ہے جو قیامت تک کے لیے نافذ العمل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے یہ ہی وجہ کہ آج تقریباً پندرہ سو سال گذرنے کے باوجود بھی اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوسکی اور نہ قیامت تک ہو سکے گی۔ ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لئے انسانوں کے سینوں کو کھول دیا اور چھوٹے چھوٹے بچے اسے اس طرح یاد کر لیتے ہیں کہ اگر بالفرض کوئی دشمن قرآن کریم کے سارے نسخے (معاذ اللہ) ختم کر دے یا جلا دے (جیسے کے آج کل یہود و نصاری اس منصوبے پر عمل کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں قرآن کریم کو جگہ جگہ جلا کر) تب بھی ان شاء اللہ یہ چھوٹے چھوٹے اللہ کے سپاہی اسے دوبارہ کسی معمولی تبدیلی کے بغیر لکھوا سکتے ہیں اور یہ قرآن کریم کی بہت بڑی خصوصیت ہے۔

آیت نمبر ۲۳ اور اس کے بعد کی آیات میں انسان کو زندگی اور موت دونوں کے بارے میں یاد دلایا ہے اور تاکید کی گئی ہے دنیا کی زندگی کی طرف صرف اتنا ہی دھیان دینا چاہئے جتنا زندگی کے قیام کیلئے ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ''ہم ہی زندگی دیتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں۔ تم میں سے جو آگے نکل گئے اُن کو بھی ہم جانتے ہیں اور جو پیچھے رہ گئے ہیں ان سے بھی ہم واقف ہیں''

پھر انسان کی پیدائش کا ابتدائی حال بیان کیا گیا ہے کہ ''ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا'' (آیت نمبر ۲۶) یعنی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قدرت الٰہی نے کس طرح ایک حقیر ترین شے سے جو ہمیشہ تمہارے قدموں میں پامال ہوتی رہتی ہے تمہاری ہستی کو پیدا کیا اور اس درجہ تک بلند کیا کہ ملائکہ سے بھی سجدہ کروادیا۔

تخلیق انسانی کا یہ ابتدائی واقعہ اللہ کے قادر مطلق اور حکیم ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ بے جان مٹی سے ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا جسے حرکت کرنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے

پھرنے، سوچنے سمجھنے، عناصر کو مسخر کرنے اور امکانات کی دنیا میں آگے بڑھنے کی قدرت حاصل ہو یہ کسی قادر اور حکیم کا ہی کام ہوسکتا ہے۔

آیت نمبر ۲۸ سے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق انسانی کے ساتھ ہی اس کا دشمن بھی وجود میں آ چکا تھا اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو ابلیس کو بھی فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے (کیونکہ راجح قول کے مطابق ابلیس فرشتہ نہیں تھا) یہ حکم شامل تھا مگر اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا اور اپنی بڑائی اور تکبر کو ظاہر کرتے ہوئے انسان کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا دشمن بن گیا اور اس نے انسان کو بہکانے اور اللہ کی رحمت سے دور کرنے کا بیڑا اٹھالیا لیکن اللہ کی رحمت بھی اپنے بندوں پر اس قدر وسیع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی وقت اسی شیطان کی زبان سے ہی یہ کہلوادیا ''یارب! چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس لئے اب میں قسم کھاتا ہوں کہ ان انسانوں کیلئے دنیا میں دلکشی پیدا کروں گا اور ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا۔ سوائے آپ کے ان بندوں کے جنہیں آپ نے اپنے لئے مخلص بنالیا ہو'' (آیت نمبر ۴۰) یعنی جو لوگ ایسے ہوں گے جو اخلاص اور بندگی کا راستہ اختیار کریں گے ان پر شیطان کے بہکاوے کے اثرات نہیں ہوں گے۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے خود بھی یہ ارشاد فرمادیا ''یہ ہے وہ سیدھا راستہ جو مجھ تک پہنچتا ہے۔ یقین رکھو کہ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا'' علماء کرام فرماتے ہیں کہ ''میرے بندوں'' سے مراد وہ بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلنے کا پختہ عزم رکھتے ہوں اور انہی سے مدد مانگتے ہوں شیطان انہیں بھی بہکانے کی کوشش تو کرے گا مگر وہ اپنے اخلاص اور اللہ کے فضل وکرم سے اس کے دھوکے میں نہیں آئیں گے۔ البتہ جو ابدی شقی اور فطرت کے خبیث ہیں وہ شیطان کی اتباع کریں گے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم تیار کر رکھی ہے جس کے سات دروازے ہیں اور ہر ایک دروازے کے لئے ان میں سے جماعتیں تقسیم کردی گئی ہیں۔

اللہ کے بندے ایک تو وہ ہیں جن کے بارے میں شیطان نے بھی کہہ دیا ''سوائے آپ کے ان بندوں کے جنہیں آپ نے اپنے لئے مخلص بنالیا ہو'' ان کو شیطان بھی نہیں

بھکا پاتا، اور ایک وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''سوائے ان لوگوں کے جو تیرے پیچھے چلیں گے'' یعنی وہ پورے طور پر شیطان کے قبضے میں ہیں، اور ان دونوں کے درمیان میں اللہ کے وہ بندے بھی ہیں جن سے کبھی گناہ بھی ہو جاتا ہے اور شیطان ان پر مسلط ہونے کی کوشش کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتے ہیں اور وہ توبہ استغفار کر کے سعادت مندوں میں شامل ہو جاتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایسے ہی بندوں کے بارے میں آیت نمبر ۴۹، ۵۰ میں نبی کریم سرور دو عالم ﷺ سے ارشاد فرمایا کہ '' میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ میں ہی بخشنے والا، بڑا مہربان ہوں اور یہ بھی بتا دیجئے کہ میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے'' یہ آیات خوف اور امید دونوں مقامات کی جامع ہیں مؤمن کے دل میں اللہ کا خوف بھی ہونا چاہئے اور اس کی رحمت کی امید بھی ہونی چاہئے۔

اسی مناسبت سے آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں (فرشتوں کے آنے کا) قصہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں اللہ کی رحمت کا بھی بیان ہے کہ یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں بیٹے کی خوشخبری سنانے کیلئے آئے تھے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر تقریباً ۱۲۰ سال تھی اور آپکی اہلیہ بھی بہت بوڑھی تھیں بظاہر یہ ولادت کی عمر نہ تھی اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی۔ اور اس قصہ میں اللہ کے سخت عذاب کا بھی ذکر ہے کہ انہی فرشتوں کے ذریعے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب بھی نازل کیا گیا۔

ان دونوں خوشی اور عذاب کے واقعات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ''حقیقت یہ ہے کہ اس سارے واقعے میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں اور یہ بستیاں ایسے راستے میں واقع ہیں جس پر لوگ مستقل چلتے رہتے ہیں۔ یقیناً اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔'' (آیت ۷۵، ۷۶، ۷۷)

''ایکہ'' حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور ''اصحاب حجر'' حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی، یہ قومیں بھی ظلم اور زیادتی کی راہ پر چل پڑی تھیں اللہ تعالیٰ نے ان قوموں پر بھی گذشتہ نافرمان قوموں کی طرح عذاب نازل فرمادیا۔

اس سورت کے آخر میں سورہ فاتحہ کی فضیلت اور قرآن کریم کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے کہ ''ہم نے آپ کو سات ایسی آیات دے رکھی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے'' اور قرآن کریم کی عظمت یہ بیان فرمائی کہ جس کو یہ نعمت میسر آجائے اسے مال داروں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہئے چنانچہ یہ ارشاد فرمایا کہ ''اور تم اُن چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اُڑانے کیلئے دے رکھی ہیں اور نہ ان لوگوں پر اپنا دل کڑھاؤ'' (آیت نمبر ۸۸)

اللہ رب العزت کو ایمان والوں سے کتنی محبت ہے اس کا اندازہ اسی آیت کے چھوٹے سے حصے سے ہوتا ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ سے ارشاد فرمارہے ہیں کہ ''اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اُن کے لئے اپنی شفقت کے بازو پھیلا دیجئے'' اللہ رب العزت ہمیں بھی اس ایمان کی قدر کی توفیق نصیب فرمائے تاکہ ہم بھی آپ ﷺ کے شفقت سے پھیلے ہوئے بازوؤں میں سمانے والوں شامل ہو جائیں۔

سورة النحل

سورۃ النحل مکی سورت ہے اس میں ۱۶ رکوع اور ۱۲۸ آیات ہیں اس سورت کا بنیادی موضوع اللہ تبارک وتعالیٰ کی اُن نعمتوں کا مفصل بیان ہے جو اللہ نے اس کائنات میں انسان کے فائدے کے لئے پیدا فرمائی ہیں اسی لئے اس سورت کا دوسرا نام ''سورۃ النعم'' بھی ہے اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے آیت نمبر ۶۸ میں شہد کی مکھی کا تذکرہ کیا ہے جس کو نحل کہتے ہیں کہ وہ کس طرح اللہ کے حکم سے پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنے چھتے بناتی ہیں اور شہد پیدا کرتی ہیں اسی لئے اس سورت کا نام النحل رکھا گیا ہے۔

عرب کے مشرکین عام طور پر یہ تسلیم کیا کرتے تھے کہ کائنات میں پھیلی ہوئی بیشتر نعمتیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی خدائی میں وہ بت بھی شریک ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں اسلئے اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد انہیں توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی

ہے۔ ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اور ایمان نہ لانے کی صورت میں انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

آیت نمبر ۳ سے اللہ کی نعمتوں کے بیان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ اس نے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا، انسان کو نطفے سے پیدا کیا، چوپائے پیدا کئے جن میں مختلف منافع بھی ہیں اور وہ اپنے مالک کیلئے فخر و جمال کا باعث بھی ہوتے ہیں گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے جو بار برداری کے کام بھی آتے ہیں اور ان میں رونق اور زینت بھی ہوتی ہے۔ بارش وہی برساتا ہے، پھر اس بارش سے زیتون، انگور، کھجور اور دوسرے بہت سے میوے جات اور غلے وہی پیدا کرتا ہے رات اور دن، سورج اور چاند کو اسی نے انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے دریاؤں سے تازہ گوشت اور زیور وہی مہیا کرتا ہے سمندر میں جہاز اور کشتیاں اسی کے حکم سے رواں دواں ہیں یہ اور اس جیسی نعمتیں ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بجا طور پر فرماتے ہیں ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے بے شک اللہ بخشنے والا انتہائی مہربان ہے (آیت نمبر ۱۸) جب انسان اللہ کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتا تو ان کا مکمل طور پر شکر کیسے ادا کر سکتا ہے، انسان کے جسم اور اس کے مختلف اجزاء کو ہی لیجئے اگر اس میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو زندگی کا مزہ ختم ہو جاتا ہے انسان تمنا کرتا ہے کہ اگر دنیا کا سارا مال و متاع بھی خرچ کر کے یہ خرابی دور ہو جائے تو سودا سستا ہے اگر معدے میں زخم ہو جائے یا پیشاب رک جائے یا سوء ہضم کا عارضہ مستقل طور پر لاحق ہو جائے تو نہ کھانے کا مزہ آتا ہے نہ پینے کا اگر گردہ یا جگر خراب ہو جائے یا شریانے تنگ ہو جائیں خون کی پیداوار میں رُکاوٹ ہو جائے تو ایسی تکلیف ہوتی ہے کہ انسان موت کی آرزو کرنے لگتا ہے غافل انسان کو کیا خبر کہ اس کے جسم کا نظام کیسے چلایا جا رہا ہے یا اگر صرف داخلی اور بدنی نعمتوں پر ہی ایک سرسری نظر ڈال لے تو دنگ رہ جاتا ہے اور یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی اس کی نعمتوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا خارجی نعمتوں کا تو تذکرہ ہی کیا۔ (خلاصۃ القرآن)

سورۃ النحل کی آیت نمبر ۵۸ تا ۶۰ میں کفار کی دو خصلتوں کی مذمت کی گئی ہے (۱) بیٹی کی پیدائش کو معیوب سمجھنا (۲) جس اولاد (بیٹی) کو اپنے لئے ناپسند کرتے تھے اس کو اللہ کی

طرف منسوب کرتے تھے یعنی فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ یعنی اول تو ان کا یہ فیصلہ ہی برا ہے کہ لڑکیوں کو عذاب اور ذلت سمجھیں، دوسرے یہ کہ جس کو اپنے لئے ذلت سمجھیں اسی کو اللہ کی طرف منسوب کریں۔

مسئلہ ان آیتوں میں واضح اشارہ پایا گیا ہے کہ گھر میں لڑکی پیدا ہونے کو مصیبت اور ذلت سمجھنا جائز نہیں یہ کفار کا فعل ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ لڑکی کی پیدائش پر زیادہ خوشی کا اظہار کرے تا کہ اہل جاہلیت کے فعل پر رد ہو سکے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ وہ عورت مبارک ہوتی ہے کہ جس کے پیٹ سے پہلے لڑکی پیدا ہو، قرآن کریم کی آیت شریفہ **یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور** میں بھی اناث کو مقدم کرنے سے اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ پہلے پیٹ سے لڑکی پیدا ہونا افضل ہے۔ ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جس کو لڑکیوں میں سے کسی کے ساتھ سابقہ پڑے اور پھر وہ ان کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے تو یہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو جائیں گی (روح البیان) خلاصہ یہ کہ لڑکی کے پیدا ہونے کو برا سمجھنا یہ جاہلیت کی رسم ہے مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے اور اسکے بالمقابل جو اللہ کا وعدہ ہے اس پر مطمئن اور مسرور ہونا چاہئے۔

اس سورت کا مشہور نام سورۃ النحل ہے کیونکہ اس سورت میں اللہ نے شہد کی مکھی کا تذکرہ کیا ہے شہد کی مکھی اپنی عقل وفراست اور حسن تدبیر کے لحاظ سے تمام حیوانات میں ممتاز جانور ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو خطاب بھی امتیازی شان کا کیا ہے۔

شہد کی مکھیوں کی فہم وفراست کا اندازہ ان کے نظام حکومت سے بخوبی ہو سکتا ہے اس ضعیف جانور کا نظام زندگی انسانی سیاست وحکمرانی کے اصول پر چلتا ہے تمام نظم ونسق ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو تمام مکھیوں کی حکمران ہوتی ہے اس کے عجیب وغریب نظام اور مستحکم قوانین وضوابط کو دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ خود یہ ''ملکہ'' تین ہفتوں کے عرصے میں چھ ہزار سے بارہ ہزار تک انڈے دیتی ہے اور یہ خود اپنی قد وقامت اور وضع قطع کے لحاظ سے دوسری مکھیوں سے ممتاز ہوتی ہے یہ ملکہ تقسیم کار کے اصول پر اپنی رعایا کو مختلف امور پر

مامور کرتی ہے ان میں سے بعض دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں اور کسی نامعلوم اور خارجی فرد کو اندر داخل نہیں ہونے دیتیں۔ مکھیوں میں سے اگر کوئی گندگی پر بیٹھ جائے تو چھتے کے دربان اسے باہر روک لیتے ہیں اور ملکہ اس کو قتل کروا دیتی ہے۔ (کاش انسان مکھیوں سے ہی عبرت حاصل کر لے اور خوراک یا دوا کے نام پر کھلانے والے کو عبرت کا نمونہ بنا دے) بعض انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں، بعض نابالغ بچوں کی تربیت کرتی ہیں۔ بعض معماری اور انجینئرنگ کے فرائض ادا کرتی ہیں ان کے تیار کردہ اکثر چھتوں کے خانے بیس ہزار سے تیس ہزار تک ہوتے ہیں اور یہ ان خانوں کو مسدس شکل میں بناتی ہیں پرکار اور اسکیل وغیرہ جیسے آلات سے بھی اگر ان کی پیمائش کی جائے تو بال برابر بھی فرق نہیں ملتا مسدس شکل کے علاوہ دوسری کسی شکل مربع اور مخمس وغیرہ کو اس لئے اختیار نہیں کرتیں کہ ان میں بعض کونے بیکار رہ جاتے ہیں۔ بعض موم جمع کر کے ان معمار مکھیوں کے پاس لے جاتی ہیں جن سے وہ اپنے مکانات کی تعمیر کرتے ہیں یہ موم نباتات پر جمے ہوئے سفید قسم کے سفوف سے حاصل کرتی ہیں گنے پر یہ مادہ بکثرت نظر آتا ہے بعض مختلف قسم کے پھولوں کو چوس کر شہد بناتی ہیں۔ یہ مختلف پارٹیاں نہایت سرگرمی سے اپنے فرائض سرانجام دیتی ہیں اور اپنی ملکہ کے حکم کو دل وجان سے قبول کرتی ہیں۔

شہد کی مکھیوں کے اس حیرت انگیز نظام اور حسن کارکردگی کو دیکھ کر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دنیا کی حقارت کی مثال دیتے ہوئے فرمایا ''انسان کا بہترین ریشمی لباس اس کائنات کے ایک چھوٹے سے کیڑے کا لعاب ہے یعنی ریشم کے کیڑے کا اور اس کا نفیس اور لذت بخش مشروب ایک مکھی (یعنی شہد کی مکھی) کا فضلہ ہے۔''

(معارف القرآن)

فقر وغنی اور معیشت میں انسانوں کے مختلف درجات ہونا کہ کوئی غریب ہے، کوئی امیر، کوئی متوسط۔ یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضہ ہے اور انسانی مصالح کا مقتضیٰ اور رحمت خداوندی ہے اگر یہ صورت نہ رہے اور مال وسامان میں سب انسان سب برابر ہو جائیں تو نظام عالم میں خلل اور فساد پیدا ہو جائے گا اسی لئے جب سے

دنیا آباد ہوئی ہے کسی دور اور کسی زمانے میں تمام انسان مال ومتاع کے اعتبار سے برابر نہیں رہے اور نہ ہو سکتے ہیں اور اگر زبردستی ایسی مساوات پیدا کر بھی دی جائے تو چند ہی روز میں تمام انسانی کاروبار میں خلل اور فساد کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ روس کا کمیونزم کا نظام اس کی زندہ مثال ہے۔

حق تعالیٰ نے جیسے تمام انسانوں کو عقل ودماغ، قوت وطاقت اور صلاحیتوں میں مختلف مزاجوں میں تقسیم کیا ہے اور ان میں ادنیٰ، اعلیٰ اور متوسط کی اقسام ہیں جس کا کوئی بھی صاحب عقل انکار نہیں کر سکتا اسی طرح یہ بھی ناگزیر ہے کہ مال ومتاع میں بھی یہ مختلف درجات قائم ہوں کہ ہر شخص اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے صلہ پائے اور اگر اہل صلاحیت اور نااہل کو برابر کر دیا جائے تو اہل صلاحیت کے ساتھ ناانصافی ہوگی اور ان کی حوصلہ شکنی ہوگی جب معیشت میں اس کو سب کے برابر ہی رہنا ہے تو کون سا داعیہ ہے جو اسے جدوجہد اور فکر وعمل پر مجبور کرے اور اس کا لازمی نتیجہ صلاحیتوں کو برباد کرنا ہوگا۔ (آیت نمبر ۷۱)

قرآن کریم ہر چیز کی روح کو بیان کرتا ہے انسان کے گھر کا اصل مقصد اور سب بڑی غرض وغایت قرآن کریم نے سکون کو قرار دیا ہے اسی طرح ازدواجی زندگی کا اصل مقصد بھی سکون ہی کو قرار دیا ہے کیونکہ عادۃً انسان کسب معاش اور دیگر ضروریات زندگی کے حصول کے لئے زیادہ تر وقت گھر سے باہر ہی گزارتا ہے اور گھر بنانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب حرکت وعمل سے تھک جائے تو گھر پر جا کر آرام کرے اور سکون حاصل کرے اور سکون اصل میں قلب ودماغ کا سکون ہے جو اس کو اپنے گھر میں ہی حاصل ہوتا ہے جب کہ اس گھر میں دو صفتیں ہوں (۱) انسانی طبیعت کے مطابق گھر ایسا ہو کہ اس میں اس کو سکون ملے (۲) گھر کے مکین ایسے ہوں جو ایک دوسرے کی راحت اور سکون کا باعث بنیں۔

آج کی دنیا میں تعمیرات کا سلسلہ عروج پر ہے اور ان میں ظاہری ٹیپ ٹاپ پر بے حد خرچ بھی کیا جاتا ہے لیکن ان میں ایسے مکانات بہت کم ہیں جن میں قلب اور جسم کا سکون حاصل ہو بعض اوقات تو مصنوعی تکلفات خود ہی آرام وسکون کو برباد کر دیتے ہیں اور وہ نہ ہوں تو گھر کے مکین ہی ایک دوسرے کا سکون ختم کر دیتے ہیں ایسے عالی شان مکانات سے

وہ جھگی اور جھونپڑی اچھی ہے جس میں رہنے والے کے قلب وجسم کوسکون حاصل ہورہا ہو۔
سورۃ نحل کی آیت نمبر ۸۰ میں اللہ تعالیٰ نے گھر کو اپنی نعمتوں میں سے شمار فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ''اور اس نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کوسکون کی جگہ بنایا'' اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو بھی اپنے گھر والوں کے سکون کا ذریعہ بنائے۔ آمین

سورہ نحل کی آیت نمبر ۹۰ قرآن کریم کی جامع ترین آیات میں شمار ہوتی ہے جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند جملوں میں سمودیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خیر وشر کی سب سے جامع آیت ہے یہ ہی وہ آیت ہے کہ جس کی بنا پر حضرت اکثم بن صیفی رضی اللہ عنہ اسلام میں داخل ہوئے اسی آیت کی وجہ سے ولید بن مغیرہ جیسا دشمن اسلام بھی تعریف کرنے پر مجبور ہوگیا اسی آیت کے بارے میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے میں صرف لوگوں کی دیکھا دیکھی شرما شرمی میں مسلمان ہوا تھا لیکن اسلام میرے دل میں نہیں بسا تھا لیکن جب یہ آیت آپ ﷺ سے سنی تو میرے دل میں ایمان مضبوط ومستحکم ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میرے دل میں گھر کرگئی۔

اس آیت شریفہ میں تین باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۱) عدل (۲) احسان (۳) قرابت داروں کودینے کا حکم

عدل:۔ اس کے معنی برابری کرنے کے ہیں۔ اس کا حکم عام ہے احکام اور معاملات میں بھی عدل ضروری ہے فرائض وواجبات میں بھی، اولاد کے ساتھ بھی، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ بھی، اپنے پرائے کے ساتھ بھی، بیویوں خادموں اور ملازموں کے ساتھ بھی۔

احسان:۔ ہر اچھا عمل احسان ہے احسان کا تعلق اللہ کے ساتھ بھی ہے، جماعت اور خاندان کے ساتھ بھی، یہاں تک کہ حیوانوں کے ساتھ بھی احسان کا حکم ہے۔

قرابت داروں کو دینے کا حکم:۔ یوں تو ہر مستحق کی مدد کرنی چاہئے لیکن قرابت داروں کے ساتھ تعاون کرنے کا دہرا اجر ملتا ہے۔

تین باتوں سے رکنے کا حکم دیا گیا ہے (۱) فحش کام (۲) ہر برا کام (۳) ظلم

(۱) فحش کام:۔ ہر ایسا عمل جس کی قباحت بالکل واضح ہو وہ فحش ہے جیسے زنا، لواطت،

شراب، جواوغیرہ۔

(۲) ہر برا کام:۔ ایسے اعمال جوشریعت کی نظر میں قبیح (بُرے) ہیں اور جن سے طبع سلیم نفرت کرتی ہے۔

(۳) ظلم:۔ یہ ہے کہ انسانوں کی عزت وحرمت اور انکے اموال اور جانوں پر زیادتی کی جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''ظلم کے سوا کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا بدلہ اور عذاب جلد دیا جاتا ہو''۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظلم پر آخرت کا عذاب شدید تو ہوتا ہی ہے اس سے پہلے دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ظالم کو سزا دیتے ہیں۔ اگر چہ وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ فلاں ظلم کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مظلوم کی مدد کرنے کا وعدہ فرما رکھا ہے۔

اس آیت شریفہ میں جو احکامات اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہیں اگر غور کیا جائے تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی مکمل فلاح کا نسخہ اکسیر ہے۔

اس سے اگلی آیت یعنی آیت نمبر ۹۱ میں اللہ کا ارشاد ہے کہ ''اور پورا کرو عہد اللہ کا جب آپس میں عہد کرو اور نہ توڑو قسموں کو پکا کرنے کے بعد''۔ لفظ عہد ان تمام معاملات ومعادات کو شامل ہے جن کا زبان سے التزام کیا جائے یعنی اس کی ذمہ داری لی جائے خواہ اس پر قسم کھائے یا نہیں۔ کسی سے عہد کر لینے کے بعد عہد شکنی کرنا بڑا گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز عہد شکنی کرنے والے کی پشت میں ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا جو میدان حشر میں اسکی رسوائی کا سبب ہوگا۔

سورت کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کو کفار کی حرکتوں پر صبر کی تلقین کی گئی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ''اور (اے پیغمبر ﷺ) آپ ﷺ صبر سے کام لیجئے اور آپ ﷺ کا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اور ان کافروں پر صدمہ نہ کیجئے اور جو مکاریاں یہ لوگ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے تنگ دل نہ ہوں یقین رکھئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو احسان پر عمل پیرا ہیں۔

اللہ ہمیں بھی ان لوگوں جیسا بنا دے جن کا اللہ ساتھی ہے یعنی تقویٰ والے اور محسنین میں سے۔ آمین

چودھویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) قرآن کریم کھول کر بیان کر دیتا ہے ہر اُس بات کو جس کی طرف انسان کی سعادت اور کمال کے اعتبار سے احتیاج ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے انسان پر رحمت کے مظاہر میں سے ایک یہ ہے کہ انسان عذاب طلب کرتا ہے اور اللہ رحمت نازل فرماتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا خود ذمہ لے رکھا ہے ہر طرح کی کمی بیشی سے۔

(۴) انسان کی اصل تخلیق مٹی سے ہے اور جنوں کی آگ کے شعلے سے۔

(۵) اسلام وہ راستہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی ہے اپنی رحمت اور فضل سے اور اس کے علاوہ جتنے بھی راستے ہیں وہ عدل اور حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔

(۶) کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں میں غور وفکر کرنا ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم کی آیات میں غور کرنا کیونکہ بندہ حق کی معرفت غور وفکر کے بغیر نہیں حاصل کر سکتا۔

(۷) انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر سے عاجز ہے لیکن وہ اس سے اتنا ہی شکر طلب کرتا ہے جتنا اس کے لئے ممکن ہے۔ کلمہ ''الحمد للہ'' سب سے بہترین شکر ہے اور اپنے عاجز ہونے کا اعتراف یہ بھی شکر کا ایک طریقہ ہے۔

(۸) اعمال نفس کے تزکیہ اور روح کی پاکیزگی کا باعث ہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ قلب اور جوارح کے اعمال جنت میں داخلے کا سبب ہیں۔

(۹) اللہ کی نشانیوں کو جھٹلانے والے محروم ہوتے ہیں اللہ کی ہدایت سے۔ اس لئے کہ ہدایت کا راستہ ایمان اور قرآن ہے۔ پس جس نے ان کا انکار کر دیا اس کو ہدایت کہاں سے ملے گی۔

(۱۰) مومن جھوٹ نہیں بولتا اس لئے کہ سچائی پر ثواب اور جھوٹ پر عذاب ہونے پر اس کا ایمان ہے اور کافر جھوٹ بولتا ہے اس لئے کہ اس کو سچ اور جھوٹ کے ثواب و عتاب پر ایمان نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o
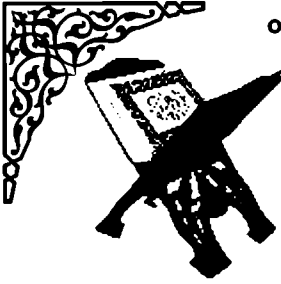
چودھویں تراویح

سُبْحٰنَ الَّذِیْ (پندرھواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں پندرہویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔ سورۃ الاسراء مکی ہے اس میں ۱۱۱/آیات اور ۱۲/رکوع ہیں، اسراء کے معنی ہیں رات کو لے جانا کیونکہ اس سورت میں واقعہ معراج کا ذکر ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور پھر وہاں سے آسمانوں میں لے جایا گیا اس لئے اس سورت کو اسراء کہتے ہیں، جیسا کہ اس سورت کی پہلی آیت اسی واقعے کی طرف نشاندہی کررہی ہے۔ معراج کے واقع کی ٹھیک ٹھیک تاریخ یقینی طور پہ متعین کرنا مشکل ہے لیکن زیادہ تر روایات کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ عظیم واقعہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے دس سال بعد اور ہجرت سے تین سال پہلے پیش آیا تھا اس وقت اسلام کی دعوت کا پیغام نہ صرف عرب کے بت پرستوں تک بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں تک بھی پہنچ گیا تھا۔

لفظ معراج عروج سے نکلا ہے جس کے معنی چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں کیونکہ اس شب میں آپ ﷺ نے عالم بالا کے منازل طے فرمائے تھے ساتوں آسمانوں، سدرۃ المنتہٰی اور اس سے بھی بلند ہوکر آیات اللہ کا مشاہدہ فرمایا اس لئے باعظمت واقعہ کو معراج سے تعبیر فرمایا بعض علماء نے فرمایا اس واقعہ کا وہ حصہ جس کا ذکر بصراحت اس آیت میں فرمایا گیا ہے، اسرا ہے جس کے معنی رات میں لے جانے کے ہیں اور وہاں سے آگے کے سفر کو یعنی مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک کے سفر کو معراج کہا جاتا ہے۔

معراج کے واقعہ کا خلاصہ:

حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور رات کے وقت انہیں

ایک جانور پر سوار کیا جس کا نام براق تھا وہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آپ ﷺ کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے گیا، وہاں آپ ﷺ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کی امامت کروائی پھر وہاں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو ساتوں آسمانوں پر لے گئے۔ ہر آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر سے ہوئی، اس کے بعد جنت کے ایک درخت ''سدرۃ المنتہیٰ'' پر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کو براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف عطا ہوا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت پر پانچ نمازیں فرض فرمائیں پھر رات میں آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے اس آیت میں اس سفر کے صرف پہلے حصہ کا بیان کیا گیا ہے کیونکہ آگے آنے والے تذکرہ سے اسی کا تعلق زیادہ ہے سفر کے دوسرے حصے کا تذکرہ سورہ نجم میں آئے گا۔

صحیح روایات کے مطابق یہ معجزانہ سفر بیداری کی حالت میں پیش آیا تھا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک عظیم نشانی آپ ﷺ کو دکھائی گئی۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ واقعہ بیداری کے بجائے خواب میں دکھایا گیا۔ کیونکہ یہ بات صحیح احادیث کے خلاف تو ہے ہی خود قرآن کریم کا اسلوب واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ایک نشانی قرار دیا ہے اگر یہ صرف ایک خواب کا واقعہ ہوتا تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ انسان خواب میں بہت کچھ دیکھتا رہتا ہے پھر اسے اپنی ایک نشانی دینے کے کوئی معنیٰ نہیں تھے۔

آیت نمبر ۳ میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو کشتی میں سوار تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے ڈوبنے سے بچالیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا اسے یاد دلا کر فرمایا جا رہا ہے کہ اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ ان لوگوں کی اولاد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ بنائے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں اگرچہ دوسرے مومنین بھی تھے مگر طوفان کے رک جانے کے بعد جب کشتی سے اترے تو کچھ ہی مدت کے بعد سب مر گئے تھے اور ان کی نسل بھی باقی نہیں رہی البتہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین

بیٹے ''حام، سام اور یافث'' باقی رہے اور انہی کی نسل عالم میں پھیلی۔ اس لئے آیت مذکورہ میں ذریۃ سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا ''یام'' ایمان نہیں لایا تھا۔ اور طوفان میں غرق ہو گیا تھا۔ باقی تینوں سے مختلف نسلیں پھیلیں اقوام ایشیا ''سام'' کی اولاد، اقوام افریقہ ''حام'' کی اولاد اور اقوام امریکہ اور یورپ ''یافث'' کی اولاد بتلائے جاتے ہیں۔

اس سورت کا ایک نام ''بنی اسرائیل'' بھی ہے کیونکہ اس سورت کے شروع میں بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آنے والے اہم واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کہ کس طرح دو مرتبہ انہیں اللہ کی نافرمانی کی پاداش میں ذلت و رسوائی اور دشمن کے ہاتھوں بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ آیت نمبر ۴ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''اور ہم نے کتاب میں فیصلہ کر کے بنی اسرائیل کو اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کا مظاہرہ کرو گے۔

ان دو واقعات کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئیں تھیں تو بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ان پر حملہ کر کے ان کا قتل عام کیا تھا اور جو زندہ رہ گئے تھے انہیں گرفتار کر کے فلسطین سے بابل لے گیا تھا۔ جہاں مدت دراز تک وہ اس کی غلامی میں جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ''چنانچہ جب ان دو واقعات میں سے پہلا واقعہ پیش آیا تو ہم نے تمھارے سروں پر ایسے بندے مسلط کر دیئے جو سخت جنگجو تھے اور وہ تمھارے شہروں میں گھس کر پھیل گئے اور یہ ایک ایسا وعدہ تھا جسے پورا ہو کر رہنا ہی تھا۔'' تقریباً ستر سال تک بخت نصر کی غلامی میں رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر اس طرح رحم فرمایا کہ ایران کے بادشاہ اخسوہرس نے بابل پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس موقع پر اسے ان یہودیوں کی حالت زار پر رحم آیا۔ اور اس نے انہیں آزاد کر کے دوبارہ فلسطین میں بسا دیا۔ اس طرح ان کو دوبارہ خوشحالی ملی اور ایک مدت تک وہ بڑی تعداد میں وہاں آباد رہے۔ مگر جب خوشحالی ملنے پر انہوں نے دوبارہ بد اعمالیوں پر کمر باندھی تو وہ دوسرا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر ۷ میں ارشاد فرمایا

ہے۔''چنانچہ جب دوسرے واقع کی میعاد آئی (تو ہم نے دوسرے دشمنوں کوتم پر مسلط کردیا) تاکہ وہ تمھارے چہروں کو بگاڑ ڈالیں اور تاکہ وہ مسجد میں اسی طرح داخل ہوں جس طرح پہلے لوگ داخل ہوئے تھے اور جس جس چیز پر ان کا زور چلے اس کو تہس نہس کردیں۔''

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شاہ روم ہے کہ اس کو ان پر مسلط کردیا اور اس نے ان کو خوب قتل کیا اور قید کیا اور پھر بیت المقدس کے تمام اموال کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں پر لاد کرلے گیا، یہ تاحال اب تک بھی وہیں ہیں آخر زمانے میں حضرت مہدی علیہم الرضوان ان کو دوبارہ بیت المقدس میں لائیں گے۔

یہی فتنہ وفساد یہود کی تاریخ رہی ہے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بھی انہوں نے اپنے آباء کی روایت کے مطابق جب جرائم اور سازشوں کی راہ اختیار کی تو ان پر مسلمانوں کو غلبہ نصیب کردیا جنہوں نے انہیں جزیرہ عرب سے نکال باہر کیا، آج پھر ان کا فتنہ وفساد عروج تک پہنچ گیا ہے دنیا میں جہاں کہیں مسلمان ظلم وستم کی چکی میں پس رہے ہیں وہاں یہودیوں کی سازش ضرور شامل ہے، اب دیکھئے اللہ کا قہر ان پر کب نازل ہوتا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے اجتماعی زندگی کے کئی اسلامی اخلاق وآداب ارشاد فرمائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہی اخلاق وآداب کی وجہ سے امتیں اور معاشرے عروج وزوال طے کرتے ہیں۔ بعض اہل علم نے ان کو سفر معراج کا پیغام بھی قرار دیا ہے۔
یہ آداب آیت ۲۳ تا آیت ۲۹ تک پھیلے ہوئے ہیں، اور وہ درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

(۲) والدین کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ''وہ دونوں ہی تیری جنت یا دوزخ ہیں۔''یعنی اُن کی اطاعت وخدمت جنت میں اور ان کی بے ادبی اور ناراضگی دوزخ میں لے جاتی ہے۔

(۳) رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو۔ اس آیت میں اہل قرابت، مسکین اور مسافروں کو مالی مدد دینے اور صلہ رحمی کرنے والوں کا حق فرما کر اس

طرف اشارہ کردیا کہ یہ دینا ان پر احسان نہیں بلکہ ایسے لوگوں کی کفالت جو ضرورت مند ہوں اہل استطاعت پر فرض ہے۔

(۴) مال کو فضول خرچی میں نہ اڑاؤ یعنی نہ بخل کرو، نہ ہاتھ اتنا کشادہ رکھو کہ کل کو پچھتانا پڑے۔

(۵) اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے ضعیف اور کمزور طبقہ ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری امداد ہوتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اپنے اہل وعیال، والدین اور بچوں پر جو خرچ کرتا ہے، اسے وہ انہی کمزور عورتوں اور بچوں کی خاطر ہی ملتا ہے۔

(۶) زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ساتوں آسمان اور زمین شادی شدہ زنا کار پر لعنت کرتی ہیں اور جہنم میں ایسے لوگوں کی شرمگاہ سے ایسی سخت بدبو پھیلے گی کہ اہل جہنم بھی پریشان ہوں گے۔

(۷) کسی جاندار کو ناحق قتل نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر گناہ کے بارے میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے مگر کافر کو اور جس نے جان بوجھ کر کسی مسلمان کو ناحق قتل کردیا۔

(۸) یتیم کے مال میں ناجائز تصرف نہ کرو۔

(۹) وعدہ کرو تو اسے پورا کرو یعنی جیسے فرائض و واجبات اور احکامِ الٰہی کے پورا کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہوگا، ایسے ہی باہمی معاہدات کے متعلق بھی سوال ہوگا۔

(۱۰) ناپ تول پورا پورا کیا کرو۔

(۱۱) جس چیز کے بارے میں تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔

(۱۲) زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تواضع اور پستی اختیار کرو، کوئی آدمی کسی دوسرے پر فخر اور اپنی بڑائی کا امتیاز نہ کرے اور کوئی کسی پر ظلم نہ کرے۔

اس کے علاوہ اس سورت میں قرآن کریم کی عظمت وصداقت اس کے نزول کے مقاصد، اس کے معجزہ ہونے، اللہ کی طرف سے انسان کو تکریم دیئے جانے، اسے روح

اور زندگی جیسی نعمتیں دیئے جانے، نبی کریم ﷺ کو تہجد کا حکم دیا جانے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ اور قرآن کریم کے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کی حکمت جیسے مضامین بھی مذکور ہیں۔

سورۃ الکھف

اس سورت کے پہلے ہی رکوع میں ''کہف'' کا لفظ آیا ہے۔اسی لئے علامت کے طور پر اسی کو سورت کا نام دیا گیا ہے۔کہف کے معنی ہیں وسیع غار اور اصحاب کہف کے معنی ہوئے غار والے۔

یہ سورت بھی مکی ہے، جب مخالفین کی طرف سے ظلم وستم اور مزاحمت نے شدت اختیار کرلی،اس وقت جو مسلمان ستائے جا رہے تھے ان کو اصحاب کہف کا قصہ سنایا جا رہا ہے تا کہ ان کی ہمت بندھے اور ان کو معلوم ہو کہ اہل ایمان اپنا ایمان بچانے کے لئے کیا کچھ کر چکے ہیں۔

اس سورت میں ۱۲؍رکوع اور ۱۱۰؍آیات ہیں۔ یہ سورت مشرکین مکہ کے تین سوالات کے جوابات میں نازل ہوئی تھی جو انہوں نے یہود مدینہ کے مشورے اور سکھلانے پر کئے تھے۔مشرکین مکہ نے یہود سے جا کر کہا کہ محمد ﷺ نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، کچھ ایسے سوالات بتاؤ کہ امتحان کی غرض سے پوچھے جائیں۔ چنانچہ یہود نے تین سوال سکھائے کہ یہ پوچھ لینا۔اب یہاں دو روایات ہیں کہ یہود کے تین سوال کیا تھے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ تین سوال یہ تھے:

(۱) روح کیا ہے؟ (۲) اصحاب کہف کا قصہ کیا ہے؟

(۳) ذوالقرنین کون تھا؟

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ دو سوال تو یہی تھے:

(۱) اصحاب کہف کا قصہ کیا تھا؟ (۲) ذوالقرنین کون تھا؟

(۳) حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کیا قصہ ہوا؟

یہ تینوں قصے عیسائیوں اور یہودیوں کی تاریخ سے متعلق تھے۔ حجاز میں اہل عرب میں ان کا کوئی چرچا نہ تھا، اس لئے یہود نے امتحان کی غرض سے ان سوالات کا انتخاب کیا تھا تا کہ یہ بات کھل جائے کہ محمد ﷺ کے پاس کوئی غیبی ذریعہ علم ہے یا نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ کہف نازل فرما کر یہود کے تینوں سوالات کے جوابات تفصیل سے دے دیئے اور جوابات اس انداز سے دیئے کہ وہ تینوں قصہ اس وقت کے حالات پر چسپاں ہو گئے جو کفار اور مسلمانوں کے درمیان درپیش تھے۔

مولانا علی میاں رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کا موضوع ''معرکہ ایمان و مادیت'' ہے اور اس سورت کا آخری دور کے فتنوں سے خاص تعلق ہے جس کا سب سے بڑا علمبردار دجال ہے۔ یہ سورت مسلمانوں کو دجال کے فتنہ سے مقابلے کے لئے تیار کرتی ہے۔ اس سورت میں جتنے اشارے، واقعات اور مثالیں ہیں، وہ سب مادیت اور ایمان کی کشمکش کو بیان کرتی ہیں۔

سورۃ الکہف کے فضائل:

اس سورت کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں:

(۱) ایک رات ایک صحابی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں سورہ کہف پڑھ رہے تھے کہ قریب بندھا ہوا گھوڑا ابدکنے لگا۔ ان صحابی نے چہرہ اوپر اٹھایا تو ایک نور تھا جو بادل کی طرح سایہ کئے تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ اگلے دن رسول اللہ ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کو پڑھا کرو، یہ سکینہ تھا جو سورہ کہف کے پڑھنے کی وجہ سے نازل ہوا تھا۔

(۲) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھ لے تو وہ اگلے جمعہ تک ہر فتنے سے محفوظ رہے گا۔

(۳) ایک روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھے تو اس کے قدم سے لے کر آسمان کی بلندی تک نور ہو جائے گا جو قیامت کے دن روشنی دے گا اور اگلے جمعہ تک اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(۴) ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے سورہ کہف کی آخری دس آیتیں یاد کرلیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

اصحاب کہف کا قصہ:

ان حضرات کے واقعے کا خلاصہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ یہ کچھ نوجوان تھے جو ایک مشرک بادشاہ کے دور حکومت میں توحید کے قائل تھے۔ بادشاہ نے اس وجہ سے ان کو بہت پریشان کیا تو یہ حضرات شہر سے نکل کر ایک غار میں چھپ گئے تھے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے اُن پر گہری نیند طاری فرمادی اور یہ تین سو نو سال تک اُسی غار میں پڑے سوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیند کے دوران اپنی قدرت کاملہ سے ان کی زندگی کو سلامت رکھا اور ان کے جسم کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھا۔ تین سو نو سال بعد ان کی آنکھ کھلی تو انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی لمبی مدت تک سوتے رہے ہیں لہٰذا ان کو بھوک محسوس ہوئی تو اپنے میں سے ایک صاحب کو کچھ کھانا خرید کرلانے کے لئے شہر بھیجا اور یہ ہدایت بھی کی کہ احتیاط سے شہر میں جائیں تاکہ ظالم بادشاہ کو پتہ نہ چل سکے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس تین سو نو سال کے عرصے میں وہ ظالم بادشاہ مرکھپ گیا اور ایک نیک صحیح العقیدہ شخص بادشاہ بن گیا تھا۔ یہ صاحب شہر پہنچے تو کھانا خریدنے کے لئے وہی پرانا سکہ پیش کیا جو تین سو سال پہلے اس ملک میں چلا کرتا تھا۔ دکان دار نے وہ سکہ دیکھا تو اس طرح یہ بات سامنے آئی کہ وہ تین صدیوں تک سوتے رہے تھے۔ بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے بھی بہت عزت واحترام کے ساتھ اپنے پاس بلایا اور بالآخر جب ان حضرات کی وفات ہوئی تو ان کی یادگار میں ایک مسجد تعمیر کروائی۔

اصحاب کہف کے قصہ سے حاصل ہونے والی چند خاص نصیحتیں:

(۱) ایک سچے مومن کو کسی حال میں حق سے منہ موڑنے اور باطل کے آگے سر جھکانے کے لئے تیار نہ ہونا چاہئے۔

(۲) مومن کا اعتماد اور بھروسہ اسباب دنیا پر نہیں بلکہ اللہ کی ذات پر ہونا چاہئے اور پھر

جب اللہ پر بھروسہ کیا جاتا ہے تو اس کی طرف سے مدد آتی ہے۔

(۳) بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے مظاہر دنیا میں جاری قانون فطرت کے علاوہ واقعات پیش کر کے بھی کرتے ہیں جیسے یہ اصحاب کہف کا قصہ۔

(۴) نوع انسانی کی تمام اگلی پچھلی نسلوں کو بیک وقت زندہ کر کے اٹھا دینا اللہ کی قدرت سے کچھ مشکل نہیں۔

(۵) آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا وعدہ یا اقرار کرنا ہو تو اس کے ساتھ ان شاء اللہ کا کلمہ ضرور ملا لینا چاہئے۔

(۶) اہل ایمان کو اپنی توجہ بس کام کی بات پر رکھنا چاہئے، غیر ضروری باتوں میں نہ الجھنا چاہئے۔

آیت نمبر ۳۱ میں ارشاد فرمایا: ''پس یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، ان کو وہاں سونے کے کنگنوں سے مزین کیا جائے گا۔ وہ اونچی مسندوں پر تکیہ لگائے ہوئے باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنے ہوں گے۔ کتنا بہترین اجر اور کیسی حسین آرام گاہ۔''

مفسرین نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ سونا اور ریشمی کپڑا مردوں کو جنت میں ملنا ہے، جو شخص یہ چیزیں یہاں پہنے گا تو وہاں نہ پہن سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ریشم کا کپڑا اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہے۔ (نسائی) ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اس کو نکال کر پھینک دیا اور فرمایا کہ بھلا تم میں سے کوئی آگ کے انگارے کو اٹھا کر ہاتھ میں رکھ سکتا ہے؟

آج کے دور میں نوجوان لڑکے سونے کی انگوٹھیاں پہنتے ہیں، خاص طور پر شادی بیاہ کے موقع پر تو یہ رواج بہت عام ہو گیا ہے کہ لڑکی والے لڑکے کو سونے کی انگوٹھی پہناتے ہیں۔ ان احادیث کو سامنے رکھ کر غور کر لیا جائے کہ اگر آج ہم نے یہ چیزیں استعمال کیں تو آخرت میں ان سے محروم رہ جائیں گے اور یقیناً آخرت کا سونا اور ریشم دنیا کے ریشم اور سونے سے کہیں زیادہ قیمتی ہوں گے۔

اس سورت کی آیت نمبر ۶۰ سے حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے جو مشرکین مکہ کا دوسرا سوال تھا۔ یہ قصہ آدھا پندرھویں سپارے میں ہے اور باقی سولہویں سپارے میں ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ چونکہ ہر پیغمبر اپنے وقت میں دین کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہی فرمادیا کہ میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ہدایت دی گئی کہ اس کا صحیح صحیح جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ سب سے بڑا عالم کون ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم کے کچھ ایسے گوشوں سے روشناس کرائیں جو ان کی واقفیت کے دائرے سے باہر تھے۔ چنانچہ انہیں حکم دیا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جائیں۔ ان کو پتہ یہ بتایا کہ جہاں دو دریا ملتے ہیں وہاں تک سفر کریں اور اپنے ساتھ ایک مچھلی لے جائیں۔ ایک موقع ایسا آجائے گا کہ وہ مچھلی گم ہو جائے گی۔ بس اسی جگہ ان کو حضرت خضر علیہ السلام مل جائیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے نوجوان شاگرد حضرت یوشع علیہ السلام کو ساتھ لے کر اس سفر پر روانہ ہوئے جو بعد میں خود پیغمبر بننے والے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک چٹان پر پہنچ کر کچھ دیر کے لئے سو گئے، اسی دوران وہ مچھلی جو ایک زنبیل میں تھی وہاں سے کھسک کر دریا میں جا گری اور جہاں گری وہاں پانی میں سرنگ سی بن گئی جس میں جا کر مچھلی غائب ہوگئی۔ حضرت یوشع علیہ السلام اس وقت جاگ رہے تھے اور انہوں نے یہ واقعہ دیکھا بھی مگر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے اس لئے ان کو جگانا مناسب نہیں سمجھا، بعد میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جاگے تو آگے روانہ ہوئے اور حضرت یوشع علیہ السلام ان کو یہ بات بتانا بھول گئے اور یاد اس وقت آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ مانگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس اس چٹان کے پاس پہنچے تو حضرت خضر علیہ السلام وہاں چادر اوڑھے لیٹے ہوئے نظر آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ساتھ رہنے

کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اس شرط پر اجازت دی کہ کوئی سوال نہیں کریں گے۔ پھر جب یہ حضرات آگے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ تین عجیب واقعات پیش آئے۔ پہلا کشتی والا جس میں حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا تختہ نکال کر اس میں سوراخ کر دیا تھا۔ دوسرا واقعہ معصوم بچے کا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اس بچے کا سر دھڑ سے الگ کر دیا جب کہ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور تیسرا واقعہ بستی والوں کا کہ جب یہ لوگ ایک بستی میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان کی مہمان داری نہیں کی لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے پھر بھی ایک گرتی ہوئی دیوار کو درست کر کے سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تینوں واقعے میں خاموش نہ رہ سکے اور پوچھ بیٹھے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت خضر علیہ السلام نے تیسرے سوال کے جواب میں جدائی کا اعلان کر دیا اور پھر ان تینوں واقعات کی اصل حقیقت واضح فرمائی۔

(۱) تختہ اس لئے توڑا کیونکہ آگے ظالم بادشاہ کی حکومت ہے جو ہر نئی کشتی کو چھین لیتا ہے، عیب دار ہونے کی وجہ سے اب وہ اس پر قبضہ نہیں کریں گے۔ جس کی وجہ سے ان غریبوں کا ذریعہ معاش محفوظ ہو گیا۔

(۲) بچے کو اس لئے قتل کیا کہ اللہ کے علم میں یہ بات تھی کہ یہ بڑا ہو کر اپنے والدین کے لئے بہت بڑا فتنہ بنے گا اور اس بچے کے والدین نیک تھے۔ اللہ نے اس کے والدین کو فتنے میں مبتلا ہونے سے بچا لیا اور اس کے بدلے ان کو نیک اولاد دینے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

(۳) دیوار اس لئے تعمیر کی کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ چھپا ہوا تھا، اگر یہ گر جاتی تو خزانہ ظاہر ہو جاتا اور یہ یتیم بچے اس سے محروم رہ جاتے۔ ہم نے اس کو تعمیر کر دیا تا کہ خزانہ چھپا رہے اور بچوں کا نقصان نہ ہو اور بڑے ہونے کے بعد اس کو نکال کر کام میں لا سکیں۔

اس واقعہ سے حاصل ہونے والے سبق:

(۱) اپنے آپ کو سب سے بڑا عالم کہنا کسی کو زیب نہیں دیتا، چاہے وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) اللہ کے ہر کام میں حکمت پوشیدہ ہے، انسان کی نظر چونکہ محدود ہے اس لئے وہ اس حکمت کو بسا اوقات نہیں سمجھتا۔

(۳) حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے واقعے کو بنیاد بنا کر شریعت کے ظاہری احکام کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں۔

(۴) یہ قصہ مادیت کے ان علمبرداروں کی تردید کرتا ہے جو ظاہر ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور اس کے پس پردہ کسی حکیم وخبیر کی حکمت کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔

پندرہویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) رسول اللہ ﷺ کو معراج جاگنے کی حالت میں روح اور جسم دونوں کے ساتھ کرائی گئی تھی۔

(۲) تین مساجد کو تمام مساجد پر شرف و بزرگی حاصل ہے:

☆ مسجد حرام ☆ مسجد اقصیٰ ☆ مسجد نبوی

(۳) رات اور دن دونوں نشانیاں ہیں جو دلالت کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور اس کی تدبیر پر۔

(۴) دونوں دارین کی سعادت و شقاوت کا مدار انسان کے کسب اور عمل پر ہے یہ ہی سنت اللہ ہے۔

(۵) جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں اس کو کوئی روک نہیں سکتا، بس واجب ہے کہ اللہ پر توکل کیا جائے اور ماسواء سے اعراض کیا جائے۔

(۶) ضروری ہے رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنا نیکی اور صلہ رحمی کے ساتھ۔

(۷) کسی کی اتنی ہی تعریف کرنا چاہئے جتنی تعریف کے وہ لائق ہے ورنہ خالی تعریف جھوٹ ہے۔

(۸) شرک اور کفر پر موت قیامت کے دن ہمیشہ کی کامیابی سے مانع ہے۔

(۹) آداب میں سے یہ ہے کہ بندے کو یوں نہیں کہنا چاہئے کہ میں عنقریب یہ کام کردوں گا بلکہ اس کے ساتھ ان شاء اللہ بھی کہنا چاہئے۔

(۱۰) کبر اور غرور یہ دونوں کفر اور شرک تک پہنچا دیتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝
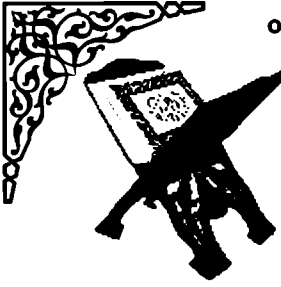
پندرھویں تراویح

قَالَ اَلَمۡ (سولہواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں سولہویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔ مشرکین مکہ کا تیسرا سوال ذوالقرنین کے بارے میں تھا۔ سولہویں سپارے کے دوسرے رکوع میں اس واقعے کو ذکر فرمایا ہے۔

ذوالقرنین کے لفظی معنی ہیں دو سینگوں والا۔ یہ ایک بادشاہ کا لقب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ کی تفصیلات نہیں بتائیں کہ وہ کون تھا البتہ ہمارے دور کے اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ ایران کا بادشاہ سائرس تھا جس نے بنی اسرائیل کو بابل کی جلاوطنی سے نجات دلا کر دوبارہ فلسطین میں آباد کیا تھا لیکن اگر کسی شخص کا تعین نہ بھی ہوسکے تو بھی اس مقام کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی کیونکہ قرآن کریم کا مقصد تاریخی جزئیات یا تفصیلات بتانا نہیں بلکہ اس کا مقصد اس واقعہ سے حاصل ہونے والے سبق یا عبرت کو بیان کرنا ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے اس بادشاہ کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ انہوں نے تین لمبے سفر کئے تھے۔ پہلا دنیا کی انتہائی مغربی آبادی تک، دوسرا انتہائی مشرقی آبادی تک اور تیسرا انتہائی شمالی علاقے تک۔

اپنی فتوحات کے دور میں ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو پہاڑوں کے درمیان آباد تھی اور ہمیشہ ایک وحشی قوم کے حملوں کا نشانہ بنتی تھی جسے قرآن کریم نے یاجوج ماجوج کا نام دیا ہے۔ اس مظلوم قوم کی درخواست پر ذوالقرنین نے ایک ایسی مضبوط دیوار تعمیر کردی جس کی وجہ سے وہ لوگ یاجوج ماجوج کی یورش اور حملوں سے محفوظ ہوگئے۔ یہ دیوار قرب قیامت میں ٹوٹ کر بکھر جائے گی اور یاجوج ماجوج ساری دنیا میں پھیل جائیں گے۔

ذوالقرنین نے یہ سارا کام کرنے کے بعد دوحقیقتوں کو واضح کردیا کہ (۱) یہ سارا کارنامہ میرے قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مجھے اس کی توفیق ہوئی ہے۔(۲) اگرچہ یہ دیوار بہت مضبوط ہے مگر اللہ کے لئے اسے توڑنا کچھ مشکل نہیں۔

سورت کے آخر میں آیت نمبر۱۰۴ر میں ارشاد فرمایا کہ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کررہے ہیں یعنی کسی عمل کے مقبول ہونے کے لئے صرف خلوص نیت کافی نہیں ہے بلکہ راستے کا سیدھا ہونا بھی ضروری ہے۔ بہت سے لوگ خلوص کے ساتھ ایک کام کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ کام انہوں نے خود اپنی طرف سے گھڑا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ یا اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی طرف سے کوئی سند نہیں ہوتی اس لئے ان کی وہ ساری محنت اکارت ہوجاتی ہے۔

سورۃ مریم

سورہ مریم مکی ہے، اس میں ۹۸ر آیات اور ۶ رکوع ہیں۔ حضرت مریم کا نام بقول ابن کثیر قرآن پاک میں ۳۰ رجگہ آیا ہے اور سوائے حضرت مریم کے اور کسی عورت کا نام بصراحت قرآن کریم میں نہیں آیا۔ اس سورت کا بنیادی مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں صحیح عقائد کی وضاحت اور ان کے بارے میں عیسائیوں کے غلط عقیدوں کی تردید ہے۔ اگرچہ مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد عیسائیوں کی کوئی خاص آبادی نہیں تھی مگر کفار مکہ ان عیسائیوں سے بھی آپ کی نبوت کی تردید کے لئے مدد لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سارے صحابہ کرام کفار کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کررہے تھے جہاں عیسائی مذہب کی حکمرانی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ مسلمان حضرت مریم، حضرت زکریا، حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کی صحیح حقیقت سے واقف ہوں اور چونکہ یہ واضح کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے مقدس سلسلے کی ہی کڑی ہیں اس لئے بعض

دوسرے انبیاء کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

سورہ مریم کے شروع میں حضرت زکریا اور حضرت یحیٰؑ علیہما السلام کا قصہ بیان کیا گیا کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر تقریباً ۱۲۰ ر سال ہوگئی اور آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ قوم کی حالت ویسے ہی ابتر ہو رہی ہے، میرے بعد قوم کا کیا حال ہوگا۔ عزیزوں، رشتہ داروں میں سے کسی میں امامت کی صلاحیت نہیں، اگر کوئی خود غرض دنیا پرست بنی اسرائیل کا امام ہوگیا تو ان کی حالت اور تباہ ہو جائے گی۔ اس لئے ایک رات خلوت میں اللہ کے آگے ہاتھ اٹھا دیئے اور بیٹا مانگنے سے پہلے تین باتیں عرض کیں:

(۱) میں بہت بوڑھا ہوگیا ہوں۔ (۲) میں آپ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں۔

(۳) میرا مقصد اس دعا سے صرف دین کی منفعت ہے، دنیاوی غرض نہیں۔

اس کے بعد اپنی دینی خلافت کے لئے اللہ سے بیٹا مانگا لیکن ساتھ ہی یہ درخواست بھی کی کہ ایسا بیٹا عطا فرمایئے جس سے آپ بھی خوش ہوں اور آپ کے بندے بھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰؑ علیہ السلام کی صورت میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمالیا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مؤمن، نیک بخت اور اچھے اعمال والی اولاد اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اس لئے جب اللہ سے اولاد مانگی جائے تو صالح اولاد مانگی جائے۔ نیز دعا کے آداب بھی معلوم ہوئے کہ:

(۱) دعا خوب عاجزی کے ساتھ کرے۔ (۲) اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرے۔

(۳) پھر اپنی کمزوری، بے بسی اور ظاہری اسباب کے مفقود ہونے کو بیان کرے۔

(۴) پھر اپنا مطلب بیان کرے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کا آہستہ اور خفیہ طور پر کرنا یہ افضل ہے۔

ان آیات سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد کا مانگنا زہد اور نبوت کے منافی نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی ایسی چیز کا مانگنا جو اسباب بعیدہ سے مسبب ہو ادب کے

خلاف نہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے قصہ کو بیان کرنے کے بعد اس سے بھی عجیب قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا بیان کیا جا رہا ہے۔

تخلیق انسانی چار طریقے سے ہوئی ہے اور ہر ایک میں قدرت الٰہی کی واضح نشانیاں موجود ہیں:

(۱) مرد اور عورت دونوں کی قربت سے۔ جیسے عام انسانوں کی پیدائش۔

(۲) بغیر مرد اور عورت کے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش۔

(۳) بغیر عورت کے جیسے حضرت حواء علیہا السلام کی پیدائش۔

(۴) بغیر مرد کے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش۔

اللہ تعالیٰ نے ہر طریقہ کی پیدائش ظاہر فرمادی تاکہ انسان کو اس کی ہر طرح قدرت پر ایمان ہو۔

حضرت زکریا اور حضرت مریم علیہم السلام کے قصوں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ بندے کے سوال اور اس کی طلب پر بھی عنایت فرماتے ہیں، جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حضرت زکریا علیہ السلام نے مانگا اور بعض اوقات بلا سوال اور بلا طلب بھی عطا فرماتے ہیں، جیسے حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلا مانگے عطا فرمائے گئے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا تذکرہ واقعی عجیب ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔ سورہ مریم کی آیت ۱۶/تا ۳۵ میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مریم بیت المقدس کے مشرقی حصہ میں سب سے علیحدہ ہو کر عبادت یا غسل کے لئے تشریف لے گئیں کہ اچانک وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لے آئے۔ حضرت مریم علیہا السلام ان کو دیکھ کر گھبرا گئیں اور کہنے لگیں کہ ”میں تیری طرف سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں۔“ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس وقت اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور فرمایا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو

اللہ کی طرف سے پاکیزہ، صاف ستھرے اور مبارک و مسعود لڑکے کی بشارت دوں۔ حضرت مریم علیہا السلام کو اس پر بڑا تعجب ہوا، فرمانے لگیں کہ یہ کیسے ہوگا حالانکہ مجھے آج تک کسی مرد نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ کے پروردگار کا قاصد ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی طرح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میں یہ اس لئے کروں گا کہ آپ کو اور آپ کے بیٹے کو کائنات کے لئے اپنی قدرت کاملہ کا نشان بنادوں۔ ولادت کے بعد جب بچے کو اٹھائے ہوئے قوم کے پاس آئیں تو یہودیوں کی زبانیں کھل گئیں اور وہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے۔ حضرت مریم نے اللہ کے حکم سے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا تو ماں کی گود میں لیٹا ہوا بیٹا بولنے لگا اور سب سے پہلے اس کی زبان سے جو لفظ نکلا وہ یہ تھا: ''اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ'' (یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں) اللہ نے آپ کی زبان مبارک سے سب سے پہلا معجزانہ کلمہ نکالا بھی تو یہ تھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں جس نے غالی قسم کے عیسائیوں کے مذہب کی شرکیہ عمارت کو بالکل ہی ڈھا دیا۔

اسی معجزانہ کلام میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے مجھے آٹھ اعزازات سے سرفراز فرمایا ہے۔

(۱) میں اللہ کا بندہ ہوں، نہ رب ہوں، نہ رب کا بیٹا۔

(۲) مجھے انجیل دی

(۳) مجھے نبوت عطا کی گئی ہے

(۴) اللہ نے مجھے برکت والا بنایا ہے

(۵) شرعی احکام اور عبادات مثلاً نماز و زکوٰۃ وغیرہ کا مجھے بھی مکلّف بنایا ہے

(۶) مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے

(۷) مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔

(۸) مجھے دنیا و آخرت میں امن اور سلامتی کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

حضرت زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور مریم علیہم السلام کے قصے ذکر کرنے کے بعد آیت ۴۱؍ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آغاز شباب کا تذکرہ فرمایا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عرب کے جد اعلیٰ تھے، عرب آپ کی عظمت اور علو شان کے بھی مقر تھے اور آپ

کے دین کو حق بھی سمجھتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ بڑی عجیب خصوصیت ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملت ان کی طرف اپنی نسبت کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توحید کی تعلیم دینے کے لئے ان ہی کے مورث اعلیٰ کا قصہ بیان فرمایا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو اپنے اردگرد بت پرستی کی لعنت کو پھیلے ہوئے پایا حتیٰ کہ اپنے والد کو بھی اسی میں مبتلا پایا۔ آپ نے دعوتِ توحید اصلاح کا آغاز اپنے گھر ہی سے کیا اور اپنے والد کو نرمی اور محبت سے سمجھانے کی کوشش کی اور اپنے باپ کو چار انداز سے خطاب کیا۔ پہلی دفعہ اپنے والد کو بت پرستی سے روگردان ہونے اور توحید کی طرف آنے کی دعوت دلائل کے ساتھ دی۔ چنانچہ فرمایا: ابا جان! آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام کرسکتی ہیں۔'' (آیت ۴۲)

دوسری دفعہ خطاب میں اپنی برتری، دانائی اور بلند نظری کو اپنے باپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا: ''ابا جان! میرے پاس ایک ایسا علم ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، اس لئے میری بات مان لیجئے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتلاؤں گا۔'' (آیت ۴۳)

تیسری دفعہ خطاب میں شیطان سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ''ابا جان! شیطان کی عبادت نہ کیجئے، یقین جانئے شیطان خدائے رحمٰن کا نافرمان ہے۔'' (آیت ۴۴)

چوتھے خطاب میں خدائے رحمٰن کے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ''ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ خدائے رحمٰن کی طرف سے آپ کو کوئی عذاب نہ آ پکڑے جس کی وجہ سے آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔'' (آیت ۴۵)

ان نصیحتوں کو سمجھنے کے بجائے آپ کا والد آزر دھمکیوں پر اُتر آیا اور کہنے لگا: ''اگر تم (بتوں کو برا بھلا کہنے سے) باز نہ آئے تو میں تم پر پتھر برساؤں گا اور اب تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جاؤ۔'' (آیت:۴۶)

جب مسلسل دعوت کے باوجود بھی ان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی رضا کی خاطر عراق سے شام ہجرت کر گئے۔ اللہ نے اس کا صلہ یہ دیا کہ آپ

کی نسل میں ہی نبوت چلادی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں کئی اہم فوائد موجود ہیں۔

(۱) انبیاء کی سنّت یہ ہے کہ تبلیغ کی ابتداء اپنے گھر سے کرتے ہیں۔

(۲) جب تبلیغ کرتے ہیں تو حلم، بردباری، حکمت اور دردمندی جیسے اوصاف ان میں نمایاں ہوتے ہیں اور اپنے لہجے کو آخری حد تک نرم رکھتے ہیں۔

(۳) ابتداء میں مشکلات ہوتی ہیں۔ جھٹلایا بھی جاتا ہے، دھتکارا بھی جاتا ہے، دھمکیاں بھی ملتی ہیں لیکن پھر اللہ کی طرف سے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں، جیسے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام پر بارانِ رحمت نازل ہوئی کہ ان کی نسل میں ایک بڑی امت پیدا ہوئی، ان کی اولاد میں انبیاء، صلحاء اور بالخصوص حضرت خاتم النّبیین ﷺ پیدا ہوئے۔

سورۃ طٰہٰ

سورۃ طٰہٰ مکی ہے، اس میں ۱۳۵/آیات اور ۸/رکوع ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سورہ طٰہٰ، سورۂ مریم کے بعد نازل ہوئی، دونوں سورتوں کے درمیان مضمون کے اعتبار سے بھی واضح مناسبت پائی جاتی ہے۔ مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی سورت کو سن کر اسلام لائے تھے۔ ان کی بہن حضرت فاطمہ اور ان کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما پہلے سے خفیہ طور پر اسلام لا چکے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کے پاس اس سورت کی چند آیات کو پایا اور جب ان آیات کو پڑھا تو مبہوت رہ گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا نہیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ (جو ان کی بہن اور بہنوئی کو پڑھا رہے تھے) نے بھی انہیں اسلام لانے کی ترغیب دی اور بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ عمرو بن ہشام یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق دے کر اسلام کی قوت کا سامان پیدا فرمادے چنانچہ اسی وقت آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔

جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی وہ زمانہ مسلمانوں پر شدید آزمائش اور تکلیفوں کا تھا۔اس سورت کا بنیادی مقصد ان کو تسلی دینا تھا کہ اس قسم کی آزمائش حق کے علم برداروں کو ہر زمانے میں پیش آئی ہیں لیکن آخری کامیابی انہی کی ہوئی ہے۔اس سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

طٰہٰ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور سورت کی ابتداء میں آپ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے: ''ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔'' کیونکہ آپ ﷺ بڑی مشقت اٹھایا کرتے تھے، تلاوتِ قرآن کریم میں بھی اور دعوت اسلام میں بھی، اور آپ کی خواہش تھی کہ کسی طرح ہر دل میں اللہ کا کلام اُتر جائے اور ہر کان اللہ کا کلام سن لے اس وجہ سے آپ ساری رات جاگ کر عبادت کیا کرتے تھے لیکن جب کوئی آپ کی دعوت پر کان نہ دھرتا تو آپ کو بے پناہ غم ہوتا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر تسلی دی ہے۔ یہاں بھی یہی سمجھایا گیا ہے کہ آپ اپنے اوپر مشقت نہ ڈالیں کیونکہ اس قرآن سے ہر ایک کا دل متاثر نہیں ہوسکتا بلکہ ''یہ اس شخص کے لئے نصیحت ہے جو ڈرتا ہے۔'' (آیت ۳) چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے رات کے شروع حصے میں سونا اور آخری حصے میں عبادت کرنا شروع کر دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ دوسرے انبیاء کی نسبت زیادہ تفصیل اور تکرار سے آیا ہے۔ یہاں پر آیت ۹ سے ۹۸ تک تقریباً مسلسل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے۔

قرآن کریم کیونکہ کوئی تاریخی کتاب نہیں اور اس کا مقصد واقعات بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ ان واقعات سے جو سبق، عبرت اور نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں ان کو بیان کرنا ہوتا ہے اس لئے وہ مختلف جگہوں پر ایک ہی واقعہ کو الگ الگ انداز سے ترتیب بدل بدل کر بیان کرتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین

سے واپس تشریف لانے والے حصے کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور ان کی پیدائش والے حصہ کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔

سورہ طٰہٰ میں آپ کے جو حالات بیان کئے گئے وہ قرآنِ کریم میں مختلف جگہوں پر پھیلے ہوئے ہیں لیکن سورہ طٰہٰ کا انداز اپنا ایک الگ لطف رکھتا ہے۔ اس لئے اس واقعے کو سورہ طٰہٰ کے ترجمہ وتفسیر کے ساتھ ہی مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس خلاصہ میں اس کو اختصار کے ساتھ ذکر کرنے میں وہ لطف نہیں، ہاں ان آیات کے مطالعہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رب کریم کے دس خصوصی انعامات سامنے آئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کے کارندوں کے ظلم وستم اور پکڑ سے حفاظت جبکہ اس کے کارندے اس کے حکم سے اسرائیلی بچوں کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔
(۲) لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت کا ڈالا جانا کہ جو شخص بھی آپ کو دیکھتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔
(۳) آپ کی تربیت اور پرورش کے لئے خصوصی انتظام فرمایا۔
(۴) دشمن کے گھر میں آپ کی والدہ کے ذریعے ہی آپ کی پرورش کا انتظام کیا۔
(۵) آپ سے جب ایک قبطی کا قتل ہو گیا تو آپ کو قصاص میں قتل ہونے سے بچایا گیا۔
(۶) مدین سے واپسی پر آپ کو نبوت کا تاج پہنایا گیا۔
(۷) آپ کی دعا آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کے حق میں قبول فرمالی اور ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا۔
(۸) کلیم اللہ بنایا یعنی اپنے ساتھ کلام کرنے کا شرف عطا فرمایا۔
(۹) اپنی کتاب تورات عطا فرمائی۔
(۱۰) ان کی زبان کی لکنت کو دور کر دیا گیا جس کی وجہ سے مخاطب کو اپنی بات سمجھانا ان کے لئے آسان ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے آخر میں فرمایا: (اے پیغمبر!) ماضی میں جو

حالات گزرے ہیں ان میں سے کچھ واقعات ہم اسی طرح آپ کو سناتے ہیں اور ہم نے آپ کو خاص اپنے پاس سے نصیحت نامہ عطا کیا ہے۔ (آیت:۹۹)

کیونکہ آپ ﷺ تو اُمّی تھے اور آپ کے پاس ان معلومات کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ جو لوگ اس قرآن سے منہ موڑیں گے تو وہ قیامت کے دن بڑا بھاری بوجھ لادے ہوں گے۔ (آیت:۱۰۰)

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن سے اعراض کی مختلف صورتیں ہیں:

(۱) اس کی تلاوت کی طرف کوئی دھیان نہ دے۔

(۲) قرآن پڑھنے اور سیکھنے کی فکر نہ کرے۔

(۳) قرآن کریم پڑھے مگر غلط سلط، تصحیح حروف کی فکر نہ کرے۔

(۴) صحیح پڑھے مگر بے توجہی اور بے دلی سے۔

(۵) قرآن کریم کے احکام کو سمجھنے کی طرف توجہ نہ دے۔

(۶) اور سمجھنے کے بعد عمل کی طرف توجہ نہ دینا بھی قرآن سے اعراض ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انسان کے برے اعمال اور گناہ قیامت کے روز ایک بوجھ کی صورت میں اس کے اوپر لاد دیئے جائیں گے۔

چنانچہ جو لوگ قرآن کریم سے اعراض کرتے ہیں ان کے لئے وعید ہے کہ ان کی زندگی تنگ ہوجائے گی اور انہیں قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھایا جائے گا اور ایسے معاندین کے حال پر اظہار تعجب کیا گیا ہے جو قرآن کریم جیسا عظیم معجزہ دیکھنے کے بعد بھی عصا اور ناقہ جیسے معجزات طلب کرتے ہیں۔ (آیت:۱۳۲)

سولہویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) دعا آہستگی سے مانگنا مستحب ہے۔

(۲) اللہ کی قدرت اسباب کے اوپر ہے، اگر اللہ چاہے تو اسباب کو موقوف کر دے اور اس کے بغیر ہی عطا کر دے۔

(۳) انبیاء کے وارث مال میں نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو نبوت اور علم وحکمت ودانائی عطا فرما دیتے ہیں۔

(۴) جس بچے کو حفظ قرآن کی دولت کم سنی میں ہی دے دی گئی تو اس کو حکمت دانائی عطاء کر دی گئی۔

(۵) اولیاء اللہ سے کرامات کا ظہور یہ حق ہے۔

(۶) لازم ہے والدین کے ساتھ نیکی کرنا احسان کے ساتھ اور ان کی اطاعت کرنا معروف کاموں میں اور ان سے تکلیف کو دور کرنا۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو برکت والا بنایا ہے اس سے برکت حاصل کرنا جائز ہے مگر رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے اور آپ کی تعلیمات کا مطابق۔

(۸) مومن کی شجاعت یہ ہے کہ وہ خوفزدہ نہیں ہوتا قتل یا سولی کے ڈر سے۔

(۹) دنیا کی تکلیف کو برداشت کرنا اور صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے اگر آدمی کی نظر آخرت کے عذاب پر ہو۔

(۱۰) اللہ کا غضب عبادات کے ترک اور اوامر ونواہی کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؐ
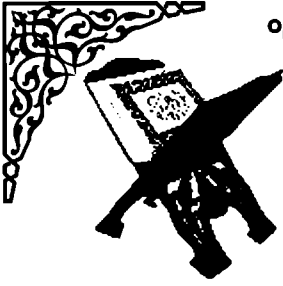
سولہویں تراویح

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاس (سترھواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں سترہویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔

سورة الانبياء

سترہویں پارے کا آغاز سورۃ الانبیاء سے ہوتا ہے۔اس سورت میں ۱۱۲/آیات اور ۷/رکوع ہیں۔اس سورت میں مسلسل متعدد انبیاء کا تذکرہ آیا ہے۔اس لئے اس کا نام بطور علامت سورۃ الانبیاء رکھ دیا گیا۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی توحید، نبوت اور عالم آخرت کے دلائل بیان کئے گئے ہیں اور انہی کے ذیل میں ۱۷/انبیاء علیہم السلام کے عبرت انگیز تذکرے فرمائے گئے ہیں کہ انہوں نے کس طرح دین حق کی تبلیغ کی اور اس کی دعوت دی اور کس طرح کافروں کی ایذاء رسانی پر صبر کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہی کامیاب فرمایا۔

اس سورت میں خاص طور پر حسب ذیل امور زیر بحث آئے ہیں:

(۱) آنحضرت ﷺ کی طرف سے کفار مکہ اور مشرکین عرب کو جو غلط فہمیاں تھیں ان کا بڑی تفصیل سے رد کیا گیا ہے۔

(۲) قرآن کریم پر کفار جو اعتراضات کیا کرتے تھے ان کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۳) دین حق کے منکرین ومکذبین کی تباہی و بربادی کے عبرتناک واقعات سے کفار مکہ کو ڈرایا گیا ہے۔

(۴) شرک کی تردید میں اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کے غلط عقیدے کا پرزور رد کیا گیا ہے۔

(۵) انسانی جبلت کا بیان کہ آدمی کی طبیعت میں جلد بازی شامل ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ ہونا ہے ابھی ہو جائے، اس پر منکرین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ذرا وقت آنے دو پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔

(۶) انبیاء کا مذاق اڑانے والوں کا انجام بتایا گیا ہے کہ ان کے لئے اللہ کے عذاب سے بچنا ممکن نہیں۔

(۷) گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور حالات کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ سارے انبیاء انسان ہی تھے، فرشتے نہ تھے اور تمام انبیاء کا اصل دین اسلام ہی تھا جو اب محمد ﷺ پیش کر رہے ہیں اور اخیر میں بتلایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ساری کائنات کے لئے رحمت ہیں اور اب نجات کا مدار آپ کی پیروی پر ہی ہے جو اسے پوری طرح قبول کرے گا وہ ہی کامیاب ہوگا اور جو اسے رد کر دے گا قیامت کے دن وہ دردناک انجام سے دوچار ہوگا۔ غرض یہ کہ اس سورت میں انسان کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا گیا ہے۔ سورت کی ابتداء میں دنیا کے زوال کی منظر کشی کی گئی ہے کہ قیامت کا وقت بہت قریب آ گیا ہے مگر انسان ابھی تک دنیا کے دھندوں میں اس طرح پھنسا ہوا ہے کہ جیسے اسے یہیں رہنا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں کھڑی کر کے ارشاد فرمایا کہ میں ایسے وقت میں مبعوث کیا گیا ہوں کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں یعنی قیامت بہت قریب ہے، اعمال کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے مگر یہ کسی تنبیہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، نہ خود سوچتے ہیں کہ ہمارا انجام کیا ہوگا اور نہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی بات سنتے ہیں بلکہ ان کے سامنے جب قرآن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے جھٹلا دیتے ہیں۔ وہ دنیا میں ایسے مدہوش ہیں کہ وہ جانتے ہی نہیں کہ عظمت والے کلام کو کس سنجیدگی، وقار اور عاجزی کے ساتھ سننا چاہئے۔

بعض کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ آسمان کا خدا کوئی اور ہے، زمین کا کوئی اور۔ اللہ تعالیٰ کی خدائی تو آسمان پر ہے اور زمین کا سارا انتظام یہ دیوتا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

آیت۲۲/میں ارشاد فرمایا: ''اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں درہم برہم ہوجاتے لہٰذا عرش کا مالک اللہ ان باتوں سے بالکل پاک ہے جو یہ لوگ بنایا کرتے ہیں۔'' یہ توحید کی ایک عام فہم دلیل ہےاور وہ یہ کہ اگر اس کائنات میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر خدا مستقل خدائی کا حامل ہوتا اور کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا۔اس صورت میں ان کے فیصلوں کے درمیان اختلاف بھی ہوسکتا تھا۔اب اگر ایک خدا نے ایک فیصلہ کیا اور دوسرے خدا نے دوسرا فیصلہ تو یا تو ان میں سے ایک دوسرے کے آگے ہار مان لیتا تو پھر وہ خدا ہی کیا ہوا جو کسی سے ہار مان لے یا دونوں اپنے اپنے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لئے زور لگاتے تو متضاد فیصلوں کی تنفیذ سے آسمان اور زمین کا نظام درہم برہم ہوجاتا۔

اس دلیل کی ایک تشریح یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جو لوگ آسمان اور زمین کے لئے الگ الگ خدا مانتے ہیں ان کا یہ عقیدہ اس لئے بالکل باطل ہے کہ مشاہدے سے یہ ثابت ہے کہ یہ پوری کائنات ایک ہی مربوط نظام میں بندھی ہوئی ہے۔چاند، سورج، ستاروں سے لے کر دریاؤں، پہاڑوں اور زمین کی نباتات اور جمادات تک سب میں ایک ہم آہنگی پائی جاتی ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان سب کو ایک ہی ارادے، ایک ہی مشیت اور ایک ہی منصوبہ بندی نے کام پر لگا رکھا ہے۔اگر آسمان وزمین کے خدا الگ الگ ہوتے تو کائنات میں اس ہم آہنگی کا فقدان ہوتا اور اس کی وجہ سے سارا نظام درہم برہم ہوجاتا۔

آیت نمبر۳۰/ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور خالقیت کے چھ دلائل ذکر فرمائے۔

پہلی دلیل: جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، کیا انہیں معلوم نہیں کہ سارے آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے انہیں کھول دیا (آیت:۳۰) اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے بارش نہیں ہوتی تھی، اور زمین سے پیداوار نہیں ہوتی تھی اور کھولنے کا مطلب یہ کہ اللہ نے آسمان سے بارش برسانا شروع کردی اور زمین سے پیداوار کا اُگانا شروع کردیا اور بعض مفسرین نے یہ فرمایا کہ اس آیت اور دلیل کا مطلب یہ ہے کہ آسمان وزمین آپس میں جڑے ہوئے تھے، اللہ نے ان کو جدا جدا کردیا۔اللہ نے قرآن پاک میں یہ نظریہ ایسے وقت میں پیش کیا جب کہ اس نظریہ کو نہ عرب جانتے تھے اور نہ اس

وقت کی متمدن اقوام اس نظریہ سے باخبر تھیں لیکن اب تقریباً دوسو سال پہلے ماہرین ارضیات اور فلکیات اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سارے سیارے خواہ زمین و آسمان ہو یا سورج، ستارے و چاند وغیرہ ہوں سب آپس میں ملے ہوئے تھے۔ پھر یہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے جو نظریہ ان حضرات نے آج سے دوسو سال پہلے پیش کیا قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے نبی اُمّی ﷺ کی زبان سے اس کا اعلان کروا دیا تھا۔

دوسری دلیل: اور پانی سے ہر جاندار چیز پیدا کی ہے۔ (آیت: ۳۰) یعنی ہر جاندار چیز کی تخلیق میں پانی کا کوئی نہ کوئی دخل ضرور ہے۔ یہ دعویٰ بھی آج سے چودہ سو سال پہلے کیا گیا اور یہ بھی ایسا دعویٰ ہے کہ آج دنیا بھر کے اہل علم تسلیم کرتے ہیں کہ تمام اشیاء کی تخلیق میں پانی کو بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل ہے اور پانی کے بغیر زندگی محال ہے خواہ حیوان ہو یا درخت اور پودے سب پانی کے محتاج ہیں۔

تیسری دلیل: ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کئے تاکہ وہ انہیں لے کر ہلنے نہ پائے۔ (آیت: ۳۱) یہ حقیقت قرآن کریم نے کئی مقامات پر بیان فرمائی ہے کہ جب زمین کو بچھایا تو وہ ہلتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے پہاڑ پیدا کر کے اس پر جمائے تو اس کو قرار حاصل ہوا۔ جدید سائنس نے بھی صدیوں کے بعد یہ پتا لگایا ہے کہ بڑے بڑے براعظم اب بھی بہت سست رفتاری سے سمندر کے پانی میں سرکتے رہتے ہیں مگر ان کی رفتار اتنی دھیمی ہے کہ عام آنکھیں ان کا ادراک نہیں کرسکتیں۔

چوتھی دلیل: اور اس میں ہم نے چوڑے چوڑے راستے بنائے ہیں تاکہ وہ منزل تک پہنچ سکیں۔ (آیت: ۳۱) اللہ نے جہاں ہموار اور میدانی راستے بنائے تاکہ انسان ان راستوں پر چل کر اپنی منزل پر پہنچ سکے، وہیں پہاڑوں کے درمیان وادیاں اور بستیاں بھی آباد فرمادیں کہ ان کے ذریعے انسان کو اپنے اسفار میں کوئی مشکل نہ پیش آئے۔

پانچویں دلیل: ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنادیا ہے۔ (آیت: ۳۲) یعنی یہ ایسی چھت ہے جس کے نہ گرنے کا ڈر ہے اور نہ ٹوٹنے پھوٹنے کا۔ اس کائنات کو بنے ہوئے کتنا عرصہ ہوگیا ہے لیکن اللہ کی بنائی ہوئی اس محفوظ چھت میں چھوٹے سے چھوٹا شگاف تو کیا ذرا

سی دراڑ بھی نہیں پڑی۔

چھٹی دلیل: اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند پیدا کیئے، سب کسی نہ کسی مدار میں تیر رہے ہیں۔ (آیت:۳۳)

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت یہ نظریہ دنیا پر چھایا ہوا تھا کہ چاند، سورج اور دوسرے سیارے آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں اور آسمان کی گردش کے ساتھ وہ سیارے بھی گردش کرتے ہیں لیکن اس آیت کے مطابق ہر سیارے کا اپنا مدار ہے جس میں وہ تیر رہا ہے۔ آج کی سائنس اس حقیقت تک بہت بعد میں پہنچی ہے کہ سیارے خلا میں تیر رہے ہیں۔

یہ تمام دلائل اور قرآن کریم میں پھیلے ہوئے دیگر تمام دلائل ایک ایسے شخص کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں جو اُمّی ہے یعنی لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ سوچنے کی بات ہے کہ اس کے پاس وحی کے علاوہ کون سا ایسا راستہ تھا جس کے ذریعے وہ ایسی خبریں پا کر دنیا کو باخبر کر رہا تھا، جن تک رسائی پڑھی لکھی دنیا کو بہت بعد میں ہوئی۔ نبی اُمّی کی زبان مبارک سے ان حقائق کا بیان ہونا اس کی صداقت کی دلیل نہیں؟ یقیناً ہے مگر اس دلیل کو تسلیم کرنے کے لئے آنکھوں سے تعصب اور عناد کی پٹی اتارنا ضروری ہے۔

آیت ۴۷ میں ارشاد فرمایا: ہم قیامت کے دن ایسے ترازو لا رکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں گے۔ چنانچہ کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہے تو ہم اسے سامنے لے آئیں گے اور حساب لینے کے لئے ہم کافی ہیں۔ یعنی یہی نہیں کہ قیامت کے دن تمام لوگوں سے انصاف ہوگا بلکہ اس بات کا بھی اہتمام کیا جائے گا کہ انصاف سب لوگوں کو آنکھوں سے نظر آئے۔ اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے ترازو برسرِ عام نصب فرمائیں گے جن میں انسانوں کے اعمال کو تولا جائے گا اور اعمال کے وزن کے حساب سے انسانوں کے انجام کا فیصلہ ہوگا۔ انسان جو عمل بھی کرتا ہے اس دنیا میں اگرچہ ان کا نہ کوئی جسم نظر آتا ہے اور نہ ان میں کسی وزن کا احساس ہوتا ہے لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کا وزن کرنے کی ایسی صورت پیدا فرمائیں گے جن سے ان اعمال کی حقیقت

واضح ہو جائے گی۔ اگر آج انسان سردی گرمی جیسی چیزوں کو تولنے کے لئے نئے نئے آلات ایجاد کر سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس بات پر قادر ہے کہ وہ ان اعمال کو تولنے کا عملی مظاہرہ فرمادیں۔

توحید، نبوت، معاد اور حساب و جزا پر دلائل دینے کے بعد ۱۷/انبیاء علیہم السلام کے قصے ذکر کئے گئے ہیں یعنی حضرت موسیٰ، ہارون، ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، اسماعیل، ادریس، ذوالکفل، یونس، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام۔ (آیت ۴۸-۹۱) ان تمام انبیاء کی دعوت ایک ہی تھی وہ یہ کہ جو نیک کام کرے گا اور مؤمن بھی ہوگا تو اس کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی۔

انبیاء متقدمین کے قصص کے بعد سورت کے آخر میں نبی آخرالزماں ﷺ کی دعا کو ذکر فرمایا ہے کہ آپ نے دعا مانگی: اے میرے پروردگار حق کا فیصلہ کر دیجئے اور ہمارا پروردگار بڑی رحمت والا ہے اور جو باتیں تم بتاتے ہو ان کے مقابلے میں اسی کی مدد درکار ہے۔ (آیت: ۱۱۲) اللہ نے اپنے نبی کی دعا کو قبول فرمایا اور غزوۂ بدر میں مشرکین پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آکر رہا اور مسلمانوں کی طرف اللہ کی مدد کا ظہور بھی ہوا۔

سورۃ الحج

سورۃ الحج مدنی ہے، اس میں ۷۸/آیات اور دس رکوع ہیں مگر اس سورت کا کچھ حصہ مدنی ہے اور کچھ حصہ مکی۔ مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شروع ہو چکا تھا اور تکمیل ہجرتِ مدینہ کے بعد ہوئی مگر کیونکہ ہجرت کے بعد نازل ہونے والا حصہ مضامین کے اعتبار سے زیادہ اہم ہے، اس لئے مفسرین اس کو مدنی سورتوں میں شامل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ الحج میں مدنی سورتوں کی طرح ہجرت، جہاد، حج اور قربانی جیسے شرعی احکام بھی ہیں اور مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید، وعید و انذار، بعث و جزا، جنت و دوزخ اور قیامت کے مناظر اور اس کی ہولناکیوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

بعض مفسرین نے تو اس سورت کے بارے میں فرمایا کہ ”سورۃ الحج بھی عجیب سورت

ہے، اس کا کچھ حصہ رات میں اور کچھ حصہ دن میں نازل ہوا، کچھ سفر میں اور کچھ حضر میں اترا، کچھ مکی ہے اور کچھ مدنی۔ کسی آیت کا صلح سے متعلق نزول ہوا، کسی کا جنگ کے متعلق، کوئی آیت یا حکم منسوخ ہے، کوئی متشابہ اور کوئی محکم۔

سورت کی ابتداء اس انداز سے ہوئی ہے کہ دل دہل جائیں اور جسم پر کپکپی طاری ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! اپنے پروردگار کے (غضب) سے ڈرو، یقین جانو کہ قیامت کا بھونچال بڑی زبردست چیز ہے۔ جس دن وہ تمہیں نظر آ جائے گا اس دن ہر دودھ پلانے والی اس بچے (تک) کو بھول جائے گی جس کو اس نے دودھ پلایا تھا اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا بیٹھے گی، اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ وہ نشے میں بدحواس ہیں، حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔'' (آیت ۱،۲)

جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن سمجھتے ہیں، ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم خود اپنی تخلیق پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس حیرت انگیز طریقے پر کتنے مرحلوں سے گزار کر تمہیں پیدا کیا ہے۔ تمہارا کوئی وجود نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں وجود بخشا، تم میں جان نہیں تھی، اللہ نے تم میں جان ڈالی۔ قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق انسانی کے سات مراحل ہیں:

(۱) پہلا مرحلہ مٹی: انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بلا واسطہ مٹی سے پیدا کیا گیا، بالواسطہ ہر انسان کا مٹی سے تعلق ہے۔

(۲) دوسرا مرحلہ نطفہ: ہر انسان منی اور نطفہ سے پیدا ہوتا ہے، منی خون سے، خون غذا سے اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے۔

(۳) تیسرے مرحلے میں خون کا لوتھڑا بنتا ہے۔

(۴) چوتھے مرحلے میں بوٹی بنتی ہے، جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی ہوتی ہے۔

(۵) پانچویں مرحلے میں بچہ پیدا ہوتا ہے جو کہ حواس کے اعتبار سے کمزور ہوتا ہے۔

(۶) چھٹے مرحلے میں وہ جوان ہو جاتا ہے اور قوت و عقل کے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

(۷) ساتویں مرحلے میں وہ یا تو جوانی میں ہی انتقال کر جاتا ہے یا اتنا بوڑھا ہو جاتا ہے کہ اس پر بچپنے کا گمان ہوتا ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ان مراحل کو رسول اللہ ﷺ نے تفصیل سے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کا مادّہ چالیس روز تک رحم میں جمع رہتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد علقہ یعنی جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر چالیس ہی دن کے بعد مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی بن جاتی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس بچے سے متعلق چار باتیں اس فرشتے کو لکھوا دی جاتی ہیں: اوّل یہ کہ اس کی عمر کتنی ہوگی، دوسرے اس کا رزق کتنا ہوگا، تیسرے وہ کیا کیا عمل کرے گا، چوتھے یہ کہ انجام کار یہ شقی و بد بخت ہوگا یا سعید و نیک بخت۔ (قرطبی بحوالہ معارف القرآن)

مسند احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بچہ جب تک بالغ نہیں ہوتا اس کے نیک عمل اس کے والدین کے حساب میں لکھے جاتے ہیں اور جو کوئی برا عمل کرے تو وہ نہ اس کے حساب میں لکھا جاتا ہے نہ والدین کے۔ پھر جب وہ بالغ ہو جاتا ہے تو قلمِ حساب اس کے لئے جاری ہو جاتا ہے اور دو فرشتے جو اس کے ساتھ رہنے والے ہیں ان کو حکم دے دیا جاتا ہے کہ اس کی حفاظت کریں اور قوت بہم پہنچائیں۔ جب حالت اسلام میں چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تین قسم کی بیماریوں سے محفوظ فرما دیتے ہیں یعنی جنون، جذام اور برص سے۔ جب پچاس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب ہلکا کر دیتے ہیں، جب ساٹھ سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف رجوع کی توفیق دیتے ہیں، جب ستر سال کا ہو جاتا ہے تو سب آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسّی سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حسنات کو لکھتے ہیں اور سیئات کو معاف فرما دیتے ہیں اور جب نوّے سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ (معارف القرآن)

انسان کی پیدائش کی جو حالت ذکر کی گئی وہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے، جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے مرنے کے بعد انہیں دوبارہ

زندہ کرسکتا ہے اور دوسری طرف یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جن لوگوں کو دنیا میں پیدا کیا گیا ہے ان کی پیدائش ہی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ انہیں ایک اور زندگی دی جائے کیونکہ اگر دوسری زندگی نہ ہو تو دنیا میں نیکی کرنے والے بدی کرنے والے، ظالم اور مظلوم سب برابر ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ایسی ناانصافی کے لئے انسانوں کو پیدا نہیں کرسکتا کہ جو چاہے گناہ یا ظلم کرتا رہے اور اسے اپنے عمل کی کوئی سزا نہ ملے اور اسی طرح دنیا میں کوئی شخص کتنی پاکباز زندگی گزارے اور اس کو کوئی انعام نہ ملے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ جب انسانوں کو دنیا میں پیدا کیا ہے تو آخرت میں انہیں دوسری زندگی دے کر انہیں انعام یا سزا ضرور دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''اور اس لئے قیامت کی گھڑی آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے اور اس لئے کہ اللہ ان سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جو قبروں میں ہیں۔'' (آیت: ۷)

آنحضرت ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ کچھ لوگ اس لالچ میں اسلام لائے کہ اسلام کی وجہ سے انہیں دنیا میں کچھ فوائد حاصل ہوں گے لیکن جب ان کی توقع پوری نہ ہوئی بلکہ کوئی آزمائش آ گئی تو وہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹ گئے۔ یہ آیت ان کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ لوگ حق کو حق ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کرتے بلکہ دنیا کے مفادات کی خاطر قبول کرتے ہیں اور ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی جنگ میں اس نیت سے ایک کنارے ہو گیا کہ دونوں لشکروں میں سے جس کا پلہ بھاری نظر آئے گا اس کے ساتھ ہو جاؤں گا تاکہ کچھ مفادات حاصل کرسکوں اور سبق یہ دیا گیا کہ اسلام پر عمل اس لالچ میں نہ کرو کہ اس دنیا میں ہی تمہیں کوئی فائدہ مل جائے گا بلکہ اس لئے کرو کہ وہ برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا تقاضا یہ ہی ہے جہاں تک دنیا کے مفادات کا تعلق ہے وہ اللہ کی حکیمانہ مشیت ہے کہ کس کو کیا دیا جائے۔ چنانچہ اسلام لانے کے بعد دنیوی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں جن پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور کوئی آزمائش بھی آ سکتی ہے جس میں صبر وتحمل سے کام لینا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے کہ مصیبت دور فرما کر آزمائش سے نکال دے۔

اس سورت کی آیت ۱۱ر میں اسی مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے کہ ''اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے چنانچہ اگر اسے (دنیا میں) کوئی فائدہ پہنچ گیا تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے کوئی آزمائش پیش آ گئی تو وہ منہ موڑ کر (پھر کفر کی طرف) چل دیتا ہے، ایسے شخص نے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی، یہی تو کھلا ہوا گھاٹا ہے۔'' (آیت ۱۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ملا تو آپ شام سے حجاز تشریف لائے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر قدیم بنیادوں کو نکالا اور اس پر بیت اللہ کی تعمیر کی۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۰۰ر سال اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر ۲۶ر سال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کو سورہ حج میں ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا: ''اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کو اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ بتادی تھی۔'' (آیت:۲۶)

علماء نے لکھا ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر دس بار ہوئی ہے:

(۱) ملائکہ نے کی (۲) حضرت آدم علیہ السلام نے کی

(۳) حضرت شیث علیہ السلام نے کی (۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی

(۵) قوم عمالقہ نے کی (۶) حارث جرہمی نے کی

(۷) قریش کے مورثِ اعلیٰ قُصَیٰ نے کی (۸) قریش مکہ نے کی

(۹) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے (۱۰) حجاج بن یوسف نے

جب بیت اللہ تعمیر ہو گیا تو حضرت ابراہیم السلام کو حکم دیا گیا کہ اعلان عام کر دیجئے کہ لوگوں چاروں طرف سے حج کرنے آئیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ آپ اگر اعلان کریں تو لوگ دور دراز کے ملکوں تک سے لبیک کہتے ہوئے یہاں آئیں گے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجئے کہ وہ آپ کے پاس پیدل آئیں اور دور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں جو (لمبے سفر سے) دبلی ہو گئیں ہوں۔'' (آیت ۲۷)

اس حکم کی تعمیل میں ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پکارا کہ

لوگوں تم پر اللہ نے جو حج فرض کیا ہے اس حج کو آؤ، اللہ تعالیٰ نے یہ آواز ہر طرف اور ہر ایک کو پہنچادی، جس کے لئے حج مقدر تھا اس کی روح نے لبیک کہا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے ایک مرتبہ لبیک کہا وہ ایک حج کرتا ہے اور جس نے دو مرتبہ لبیک کہا وہ دو مرتبہ حج کرتا ہے اور اسی طرح جس نے جتنی مرتبہ لبیک کہا اتنے ہی حج اس کو نصیب ہوتے ہیں۔ (فضائل حج)

آیت نمبر ۳۵ رمیں بتایا گیا کہ حقیقی مؤمن کی چار علامات ہیں:

(۱) جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔

(۲) اپنے اوپر پڑنے والی ہر مصیبت پر صبر کرنے والے ہیں۔

(۳) نماز قائم کرنے والے ہیں۔

(۴) جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں کافروں کی طرف سے مسلمانوں پر جو ظلم توڑے جارہے تھے شروع میں قرآن کریم نے ہی انہیں بار بار صبر سے کام لینے کا حکم دیا تھا۔ آیت نمبر ۳۸ رمیں یہ تسلی دی جارہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ صبر آزما مرحلہ اب ختم ہونے والا ہے اور وہ وقت آ گیا ہے کہ ان ظالموں کے ظلم کا جواب دیا جائے۔ آیت ۳۹ ر سے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے دی گئی ہے لیکن یہ بھی خوشخبری سنادی گئی کہ اللہ تعالیٰ خود مسلمانوں کا دفاع فرمائیں گے۔ اس لئے وہ اب بے خوف ہو کر لڑیں۔ مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک صبر وضبط کی تلقین کے بعد یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کافروں کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو کفار کے ظلم وستم کا کوئی جواب دینے کی اجازت نہیں تھی بلکہ ہر زیادتی پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور ساتھ ہی جہاد کی حکمت بھی بیان فرمادی کہ اگر اللہ جہاد کی اجازت نہ دیتے تو پھر دشمن خودسر ہو جاتے اور اہل کفر مومنوں پر چھا جاتے جس کی وجہ سے عبادت خانے ویران ہو جاتے لیکن جب انہیں اینٹ کا جواب پتھر سے ملنے کا ڈر ہوگا تو وہ اس اقدام سے پہلے سو بار سوچیں گے۔

افسوس آج کفار کو مسلمانوں کی طرف سے نہ اقدام کا ڈر ہے نہ دفاع کا یقین ہے اس

لئے وہ جنگلی درندوں کی طرح اسلامی ممالک میں دندناتے پھر رہے ہیں۔

قدرت الٰہیہ کے دلائل بیان کرنے کے بعد سورت کے آخر میں مسلمانوں کو دوبارہ جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی اقامتِ صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ کا بھی حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اے ایمان والو! رکوع کرو، اور سجدہ کرو، اور اپنے پروردگار کی بندی اور بھلائی کے کام کروتا کہ تمہیں فلاح حاصل ہو اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔'' (آیت نمبر ۷۷،۷۸)

اہل ایمان کا اصل رکھوالا اور ان کی حفاظت کرنے والا صرف اللہ ہی ہے، جن لوگوں نے اللہ کے احکامات کی پابندی کی، اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑا ان کے اوپر دشمن کبھی بھی قابو نہ پاسکا۔ سورہ حج کا اختتام اس پیغام پر ہوتا ہے کہ ''اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھو وہ تمہارا رکھوالا ہے، دیکھو کتنا اچھا رکھوالا ہے اور کتنا اچھا مددگار ہے۔''

سترہویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) صفاتِ الٰہی میں سے چند صفات یہ ہیں: ☆وہ پیدا کرتا ہے ☆رزق دیتا ہے ☆زندہ کرتا ہے ☆موت دیتا ہے۔ پس جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ الٰہ کیسے ہوسکتا ہے۔

(۲) شرک پر کبھی کوئی مضبوط دلیل نہیں ہوتی اور نہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کے صحیح ہونے پر ذہن میں صحیح دلیل کا وجود ہوسکتا ہے۔

(۳) مشرکین کا شرک اور کفر پر اصرار اس وجہ سے ہے کہ ان کی توجہ قرآن کریم کے تدبر اور اس کی آیات کے تفکر پر نہیں ہے۔

(۴) متقین کی صفات میں سے یہ ہے کہ ☆وہ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں ☆واجب کے چھوڑنے کے ذریعے ان کی نافرمانی نہیں کرتے ☆حرام کام نہیں کرتے ☆ہر وقت اللہ سے ڈرنے والے ہیں ☆اللہ کا خوف رکھتے ہیں۔

(۵) ہاتھ کے ذریعے غلط کام کو روکنا زیادہ بہتر ہے بنسبت صرف زبان کے ساتھ روکنے کے اور دونوں کو جمع کرنا یہ زیادہ افضل ہے۔

(٦) اللہ کی ذات وصفات میں بغیر علم الٰہی یا علم نبوی کے بحث ومباحثہ کرنا حرام ہے۔

(۷) اسلام کے سوا جتنے بھی ادیان ہیں سب شیطان کی وحی ہیں، اسی وجہ سے اس کے ماننے والے خسارہ میں ہیں۔ اسلام اللہ کا دین ہے اور یہ ہی سچا ہے اور اس کے ماننے والے کامیاب ہیں۔

(۸) کلام میں سب سے اچھا کلمہ کلمۂ توحید اور اللہ کا ذکر ہے۔

(۹) عجلت پسندی انسان کی طبیعت ہے لیکن اس کے ذریعے سے اللہ سے جلد عذاب مانگنا احمقوں کا کام ہے۔

(۱۰) آخرت کے دن کافر اور مومن ہر ایک کو بدلہ دیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○
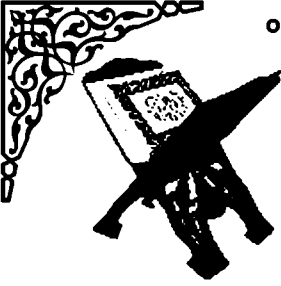
سترھویں تراویح

قَدْ اَفْلَحَ (اٹھارھواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں اٹھارھویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔

﴿سورة المؤمنون﴾

پارہ ۱۸ر کی ابتداء سورۃ المومنون سے ہورہی ہے، یہ مکی سورت ہے، اس میں ۱۱۸ر آیات اور ۶ ر کوع ہیں۔

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے وہ بنیادی صفات ذکر فرمائی ہیں جو مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اس سورت کی پہلی دس آیتوں میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں اگر کوئی شخص اپنے اندر وہ ساری باتیں پیدا کرے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اسی لئے اس سورت کا نام ''مومنون'' ہے یعنی وہ سورت جو یہ بیان کرتی ہے مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہئے۔ نیز نسائی میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کے اوصاف اور اخلاق کیسے تھے؟ تو جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیات تلاوت فرمادیں کہ آنحضرت ﷺ کے اوصاف یہ تھے۔

چنانچہ ان دس آیات میں سات صفات ذکر فرمائی ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) سچا ایمان جو کہ ریا اور نفاق سے پاک ہو۔

(۲) نماز میں خشوع وخضوع یعنی اللہ کے سامنے عاجزی اور خوف کے ساتھ کھڑے ہونا۔

(۳) لغو سے اعراض، لغو ہر ایسے قول وفعل کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

(۴) کامل طریقے سے زکوٰۃ کی ادائیگی یعنی حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھنا۔

(۵) زنا اور فحش کاموں سے اپنے آپ کو بچانا۔

(٦) امانتوں کی حفاظت کرنا اور وعدے پورے کرنا۔

(۷) نمازوں کی حفاظت کرنا ان کے وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے۔
اور ارکان وآداب کی بھی رعایت کرتے ہوئے۔

قرآن کریم میں انبیائے کرام کے تذکرے مختلف آیات اور سورتوں میں مختلف اغراض ومقاصد کے لئے کئے گئے ہیں اور ہر جگہ جدا مقصد ہے۔ سورہ مؤمنون کی آیت ۲۳/تا ۵۰/میں بھی بعض انبیاء حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے قصے بیان کئے گئے ہیں۔ ان واقعات سے چند امور کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

(۱) رسول اللہ ﷺ اور گروہ اہل ایمان کو تسلی اور کافروں کی ایذا رسانی پر ثابت قدم رہنے کی ضمنی تلقین اور کفار کے بے ہودہ شبہات اور لغو کلام سے رنجیدہ نہ ہونے کے در پردہ ہدایت اور اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ انبیائے سابقین اور کافر قوموں کا بھی باہم اسی طرح کا معاملہ رہا ہے۔

(۲) آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کوئی نئی چیز نہیں۔ ہمیشہ سے انسان ہی نبی ہوتے چلے آئے ہیں اور سب نے ہی اعلان توحید کیا ہے۔ اس طرح کفار کا مخالفت کرنا اور مقدس رسولوں پر تہمت تراشی اور ان کو دیوانہ اور پاگل کہنا بھی کوئی نئی بات نہیں۔

(۳) کفار کی سرکشی جب انتہاء کو پہنچ جاتی ہے اور تبلیغ دین کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور ہدایت پانے کی کوئی امید بظاہر نظر نہیں آتی تو اللہ کی طرف سے پھر پکڑ آجاتی ہے۔

بہت سے کفار اپنے حق پر ہونے کی یہ دلیل دیتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہت سا مال و دولت دے رکھا ہے ہماری اولاد بھی خوشحال ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے اور ہمیں آئندہ بھی خوش رکھے گا، اگر ناراض ہوتا تو یہ مال و دولت اور

اولاد ہمیں میسر نہ ہوتا سورہ مؤمنون کی آیت ۵۵،۵۶ میں اسی کا جواب دیا گیا ہے کہ دنیا میں مال دولت کامل جانا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دلیل نہیں کیونکہ وہ کافروں اور نافرمانوں کو بھی رزق دیتا ہے۔اس کے بجائے وہ ان لوگوں سے خوش ہے اور ان کا انجام بہتر کرے گا جو آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ان کے دل بیدار اور ہدایت کے نور سے منور ہیں۔

آیت نمبر ۵۷ تا ۶۰ میں ان کی چار نمایاں صفات ذکر فرمائی گئی ہیں:

(۱) وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

(۲) اللہ کی تکوینی اور تشریعی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

(۳) اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے یعنی وہ ریا سے بچتے ہیں اور ہر عمل خالص اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔

(۴) انہیں احسان کی صفت حاصل ہوتی یعنی نیک اعمال کرنے کے باوجود ڈرتے ہیں کہ ہمارے اعمال اللہ کے ہاں قبول بھی ہو رہے ہیں یا نہیں۔

ترمذی و ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کام کر کے ڈرنے والے کیا وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں یا چوری کرتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے صدیق کی بیٹی یہ بات نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل اللہ کے نزدیک ہماری کسی کوتاہی کے سبب قبول نہ ہوں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمن نیکی کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے اور منافق بدی کرتا ہے اور پھر بھی بے فکر رہتا ہے۔نیز آپ فرماتے تھے کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنا ڈرتے تھے کہ لوگ برے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجود عمر بھر کی بے نظیر دینی خدمات اور ذخیرہ اعمال صالحہ کے اور عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کے جب دنیا سے رخصت ہونے لگتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اگر آخرت میں برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں تو غنیمت ہے۔

ان مخلص مسلمانوں کے مقابلے میں وہ حرماں نصیب بھی ہیں جو قرآن اور صاحب

قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں ان کے استہزاء اور سرکشی کے تین بڑے اسباب قرآن نے بیان کئے ہیں:

(۱) اپنی عقلوں کو استعمال نہیں کرتے بلکہ قرآن میں غور وتدبر کے بغیر ہی استہزاء کرتے ہیں۔

(۲) صرف ضد اور عناد کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں ورنہ آپ کی صداقت وامانت، حسب نسب اور شخصیت کو خوب اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔

(۳) تیسرا سبب سوالیہ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ کیا انہیں محمد ﷺ میں (معاذ اللہ) کوئی جنون کے آثار دکھائی دیتے ہیں؟ یقیناً ان میں سے بعض آپ کی طرف جنون کی نسبت کرتے تھے لیکن ان کی تکذیب کا اصلی سبب یہ نہیں ہے کہ وہ آپ کو معاذ اللہ مجنون سمجھتے ہیں بلکہ حقیقی سبب یہ ہے کہ وہ حق کو ناپسند کرتے ہیں اور حق کو اپنی خواہشات کے تابع دیکھنا چاہتے ہیں حالانکہ اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہوتا تو نظام کائنات میں خلل واقع ہو جاتا۔ (آیت ۶۸ تا ۷۱)

صحیحین کی روایت ہے کہ جب قریش نے آنحضرت ﷺ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اور سخت مزاحمت شروع کر دی تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ ان کے مقابلے میں میری مدد فرما۔ یوسف علیہ السلام کے سات سالہ قحط جیسے سات برسوں سے۔'' چنانچہ ایسا سخت قحط شروع ہوا کہ اہل مکہ کو مردار جانور، کتے اور ہڈیاں تک کھانے کی نوبت آ گئی اور کفار سات برس تک اس قحط میں مبتلا رہے۔ بالآخر اس مصیبت سے تنگ آ کر ابوسفیان جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد (ﷺ) میں آپ کو اللہ کا اور رشتہ داریوں کا واسطہ دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ہم لوگ خون اور اونٹوں کا اون بھی کھا گئے ہیں۔ حضور ﷺ تو رحمۃ للعالمین تھے، فوراً اللہ کے آگے ہاتھ اٹھا دیئے۔ چنانچہ وہ قحط دور ہو گیا۔ (درس قرآن)

آیت ۷۵ میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ''اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور اس تکلیف کو دور کر دیں جس میں یہ مبتلا ہیں تب بھی یہ بھٹکتے ہوئے اپنی سرکشی پر اڑے

رہیں گے۔

آیت ۷۵ اور اس جیسی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بلیات ومصائب مثل قحط وغیرہ یہ سب قہرِ الٰہی کی نشانیاں ہیں اور مقصد ان کا یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان سے سبق حاصل کر کے اللہ کے آگے فروتنی اور عاجزی اختیار کریں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو سخت عذاب کو دعوت دیتا ہے۔ خواہ وہ دنیا ہی میں ہو یا فوت ہونے کے بعد۔

علم ومعرفت کے ذرائع انسان کو تین قسم کے عطا کئے گئے ہیں:

(۱) کان (۲) آنکھ (۳) دل

انہی چیزوں کے ذریعے کسی چیز کا یقینی علم ہوسکتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم جگہ جگہ توحید وقوعِ قیامت کی آیات میں جا بجا دیکھنے، سننے اور سوچنے سمجھنے کی دعوت دیتا ہے کہ اللہ کی باتیں سنو، اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھو اور اس کی معرفت حاصل کرو۔ یہی اصل شکر اور حقیقی شکر گزاری ہے اس منعم کی ان نعمتوں کی۔ آیت ۷۸ میں یہ ہی بتلایا جارہا ہے کہ اللہ کا یہ عظیم الشان احسان انسانوں پر ہے کہ اس نے اسے سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی قوت عطاء فرمائی۔ ان نعمتوں کا شکر تو یہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوت کو صحیح طور پر کام میں لایا جائے۔'' احکامِ الٰہی کو سننا، اس کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھنا اور دل میں اس کی معرفت حاصل کرنا اور اللہ کی وحدت وعظمت وجلالت پر ایمان لانا ہی ان قوتوں کا ٹھیک اور صحیح استعمال تھا لیکن اکثر انسانوں نے ان نعمتوں کا غلط استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''مگر تم لوگ بہت کم شکرادا کرتے ہو۔''

قیامت کے دن اللہ کے دربار میں جب تمام انسان پیش ہوں گے تو اس وقت ان کی دو قسمیں ہوں گی، ایک نیک بخت اور دوسرے بد بخت۔ نیک بخت لوگوں کے اعمال نامہ بھاری ہوں گے جو ان کی طرف اللہ کے فضل کو متوجہ کریں گے اور بد بخت لوگوں کے اعمال نامے ہلکے ہوں گے جس کی وجہ سے اللہ کا غضب ان کی طرف متوجہ ہوگا۔ اس وقت کفار دنیا میں لوٹنے کی تمنا کریں گے۔ ظاہر ہے کہ ان کی تمنا پوری نہیں ہوگی۔ ابن کثیر میں ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جب اہل جنت کو

جنت میں اور اہل جہنم کو جہنم میں داخل کر دیں گے تو سوال کریں گے کہ اے اہل جنت تم زمین پر کتنے سال رہے؟ وہ عرض کریں گے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تمہیں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ملا تو تم نے اس میں بہت اچھی تجارت کی کہ میری رحمت، میری رضا اور میری جنت کو خرید لیا، اب تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس میں رہو۔ پھر اہل دوزخ سے سوال کیا جائے گا کہ تم دنیا میں کتنے سال رہے؟ وہ بھی وہی جواب دیں گے جو اہل جنت نے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تمہیں دنیا میں جو رہنے کا موقع ملا تو تم نے اس میں بہت بُری تجارت کی، میری آگ اور ناراضگی کو خرید لیا، اب تم دائمی طور پر اسی میں رہو۔ سورہ مومنون کی آخری آیات میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے واسطے دعا مانگنے کا حکم فرمایا ہے کہ مجھ سے یہ دعا مانگو کہ ''اے میرے رب! مجھے معاف فرمادے اور مجھ پر رحم فرما اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔''

اس سورت کی اخیر کی چار آیات یعنی آیات ۱۱۵ تا ۱۱۸ رکی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اس لئے ان آیات کا ورد رکھنا چاہئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد کے لئے ایک سریہ (چھوٹا لشکر) بھیجا اور یہ حکم فرمایا کہ صبح وشام یہ آیتیں پڑھا کریں یعنی اَفَحَسِبْتُمْ سے آخر تک۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی اور ہم مال غنیمت لے کر لوٹے۔ (معارف القرآن، حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کا گزر ایک بیمار پر ہوا، آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے کان میں یہی آخری آیات پڑھ کر دم کر دیں جس کی وجہ سے وہ جلد اچھا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو دریافت کیا کہ تم نے ان کے کان میں کیا پڑھا تھا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ آیتیں پڑھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی آدمی جو یقین رکھنے والا ہو یہ آیتیں پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ (معارف القرآن)

سورۃ النور

سورہ نور مدنی ہے۔اس میں ۶۴ آیات اور ۹ رکوع ہیں،اسے سورۂ نور ایک تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں نور کا لفظ آیا ہے۔''اللّٰہ نور السّمٰوٰت والارض ''اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں ایسے آداب وفضائل اور احکام وقواعد بیان کئے گئے ہیں جو اجتماعی زندگی کی راہ کو منور اور روشن کر دیتے ہیں۔

اس سورت کا مرکزی موضوع معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کو روکنے اور عفت و عصمت کو فروغ دینے کے لئے ضروری احکام وہدایات دینا ہے۔گزشتہ سورت میں مؤمنین کی جو خصوصیات بیان کی گئی تھیں ان میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی باعفت زندگی گزارتے ہیں اور اس سورت نور میں باعفت زندگی گزارنے کے تقاضے بیان کئے گئے ہیں۔چنانچہ سورت کے شروع میں ہی زنا کی شرعی سزا بیان کی گئی ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جس طرح زنا انتہائی گھناؤنا جرم ہے اسی طرح بے گناہ پر شرعی ثبوت کے بغیر زنا کا الزام لگانا بھی نہ صرف سخت گناہ ہے بلکہ اس پر سخت قانونی سزا مقرر کی گئی ہے۔

غالب گمان یہ ہے کہ سورہ نور سن ۶ ہجری میں نازل ہوئی۔اس سال آنحضرت ﷺ کو عرب کے ایک قبیلے بنوالمصطلق کے بارے میں یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ آپ پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر جمع کر رہے ہیں۔آپ نے ان کے حملے سے پہلے پیش قدمی کر کے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔اسی سفر سے واپسی پر منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بے بنیاد تہمت لگائی اور اسے مدینہ منورہ میں بڑے پیمانے پر شہرت بھی دی جس کی وجہ سے کچھ مخلص مسلمان بھی متاثر ہوگئے۔اس سورت کی آیات ۱۱ر تا ۲۰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا اعلان کرنے کے لئے نازل ہوئیں اور جن لوگوں نے تہمت لگائی ان کو اور معاشرے میں عریانی وفحاشی پھیلانے والوں کو سخت عذاب کی وعیدیں سنائی گئیں۔نیز عفت وعصمت کی حفاظت کے پہلے قدم کے طور پر خواتین کو پردے کے احکام بھی اس سورت میں دیئے گئے ہیں اور دوسروں کے گھر جانے کے لئے ضروری آداب واحکام کی

وضاحت فرمائی گئی ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے مردوں کو سورۂ مائدہ اور اپنی عورتوں کو سورۂ نساء اور سورۂ نور سکھاؤ۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہ سورت خواتین کو سکھانے کی تائید فرمائی ہے۔

سورۃ النور کے احکام و آداب:

پہلا حکم: زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو کوڑے لگاؤ۔ (آیت نمبر۲) یہ سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ ہو مگر نکاح کئے ہوئے نہ ہو اور اگر اس جرم کا ارتکاب شادی شدہ مرد یا عورت نے کیا ہو تو ایسے مرد و عورت کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے یعنی اتنے پتھر مارے جائیں کہ وہ مر جائے اور یہ سزا متواتر احادیث میں بیان ہوئی ہے۔

زانیہ عورت اور زانی مرد کی سزا کا حکم بیان کرنے کے بعد اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا: ''اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین کے معاملے میں ان پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ ہو۔'' اس سے معلوم ہوا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہی دین نہیں بلکہ شرعی سزاؤں کا جاری کرنا بھی عین دین ہے۔ اسی طرح دین کو قائم کرنے کا مطلب صرف نماز، روزہ ہی قائم کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جملہ قانون اور نظام شریعت کو قائم کرنا دین ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں اللہ کے قانون کو چھوڑ کر کوئی دوسرا قانون نافذ کیا جائے گا تو گویا اللہ کے دین کو رد کر دیا گیا۔ آگے یہ بھی بتلا دیا کہ یہ بھی نہ ہونا چاہیے کہ یہ سزا چپکے سے سب سے چھپا کر دی جائے بلکہ دوسروں کی عبرت کے لئے فرمایا کہ ''اور یہ بھی چاہیے کہ مومنوں کا ایک مجمع ان کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے۔''

دوسرا حکم: ''زانی مرد نکاح کرتا ہے تو زناکار یا مشرک عورت سے ہی نکاح کرتا ہے اور زناکار عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہی مرد جو خود زانی ہو یا مشرک ہو اور یہ بات مومنوں کے لئے حرام کر دی گئی ہے۔'' یعنی بدکار مرد یا عورت کو نکاح کے لئے پسند کرنا مسلمان کے لئے حرام ہے۔ اس لئے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے لئے شریک زندگی تلاش کرتے وقت

اس کی نیکی اور پاک دامنی کا ضرور خیال رکھیں۔

تیسرا حکم: حد قذف کا ہے، یعنی ''جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں تو ان کو اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود فاسق ہیں۔'' (آیت ۴)

چوتھا حکم: لعان کا ہے، اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو وہ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور پھر ان کے درمیان جدائی کر دی جائے گی۔

پانچواں حکم: اس میں قصہ افک بیان کیا گیا ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا واقعہ جو آیت ۱۱/ سے ۲۶/ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ سن ۶ ہجری میں جب غزوہ بنوالمصطلق پیش آیا جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں، واپسی کے سفر میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہار گم ہو گیا اور وہ اس کی تلاش میں جنگل کی طرف نکل گئیں۔ آنحضرت ﷺ کو اس بات کا علم نہ تھا، اس لئے آپ نے لشکر کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذہانت اور تحمل کا غیر معمولی مقام عطا فرمایا تھا۔ وہ پریشان ہو کر ادھر ادھر جانے کے بجائے اسی جگہ بیٹھ گئیں جہاں سے روانہ ہوئیں تھیں۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر کیا گیا تھا کہ وہ قافلے کے پیچھے چلیں اور جو چیز قافلے والوں کی گر گئی ہو ان کو اٹھا کر لے آئیں۔ وہ جب اس جگہ سے گزرے جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں تو انہیں اس سانحے کا علم ہوا اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ اس واقعے کو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے ایک بتنگڑ بنا لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تنہا صفوان بن معطل کے ساتھ سفر کیا ہے اور اس کی وجہ سے آپ پر وہ گھناؤنی تہمت لگائی جسے زبان سے نکالنا بھی ایک غیرت مند مسلمان کے لئے مشکل ہے۔ عبداللہ بن ابی نے اس تہمت کو اتنی شہرت دی کہ تین سادہ لوح مسلمان بھی اس کے فریب میں آ گئے۔ بالآخر سورہ نور کی یہ

آیات نازل ہوئیں جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مکمل برأت ظاہر کرنے کے ساتھ ان لوگوں کو سخت وعیدیں سنائیں جو اس سازش کے کرتا دھرتا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دس آیات میں اس واقعہ کا ذکر فرمایا اور تاریخ انسانی میں ایسا پہلی بار ہوا کہ کسی شخصیت کی پاک دامنی کا اعلان بذریعہ وحی کیا گیا۔ اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔

چھٹا حکم: کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونے کے آداب کے بیان کے بارے میں ہے کہ کسی گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہو اور مستحب یہ ہے کہ اجازت سے قبل سلام کرلیا جائے اور اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ (آیت ۲۷ تا ۲۹)

ساتواں حکم: مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ عورتوں کو اپنے شوہر، والد، سسر، حقیقی بیٹوں، شوہر کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، عورتوں، لونڈیوں، ان طفیلی مردوں کے جو عورتوں کی طرف توجہ نہ رکھتے ہوں اور ان بچوں کے سامنے جو بہت چھوٹے ہوں اپنی زینت ظاہر کرنے کی اجازت دی گئی ہے ان کے علاوہ کسی کے سامنے اپنی زینت ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔

آٹھواں حکم: اس سورت میں جہاں بے حیائی اور بدکاری روکنے کے لئے مختلف احکام دیئے گئے ہیں وہاں انسان کی فطرت میں جو جنسی خواہش موجود ہے اس کو حلال طریقے سے پورا کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ چنانچہ آٹھواں حکم یہ دیا کہ جب بالغ مرد اور عورت نکاح کے قابل ہو جائیں تو ان کا نکاح کر دینا چاہئے۔ اصل میں اسلام زنا کو کسی طور پر برداشت نہیں کرتا اور زنا کا اس وقت تک سدباب نہیں ہوسکتا جب کہ نکاح کو آسان نہ کیا جائے۔ اسلام نے نکاح کو آسان بھی کیا ہے اور اس کی ترغیب بھی دی ہے۔ (آیت ۳۲)

نواں حکم: جب لونڈیوں اور غلاموں کا رواج تھا اس وقت وہ اپنے آقاؤں سے یہ معاملہ کرلیتے تھے کہ وہ ایک طے شدہ رقم کما کر اپنے آقاؤں کو دیں گے جس کے بعد وہ آزاد ہو جائیں گے۔ یہ معاملہ مکاتبت کہلاتا ہے اور نواں حکم اسی بارے میں ہے کہ جب ان کے غلام یا باندیاں ان سے معاملہ کرنا چاہیں تو انہیں قبول کرلینا چاہئے اور دوسرے

مسلمانوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ ایسے غلاموں اور باندیوں کی مالی مدد کریں تا کہ وہ آزادی حاصل کرسکیں۔(آیت ۳۳)

دسواں حکم: جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ لوگ اپنی کنیزوں سے عصمت فروشی کرواتے اوران کو بدکاری پر مجبور کر کے پیسہ کماتے تھے۔آیت نمبر۳۳ میں اس گھناؤنی رسم کوشدید گناہ قرار دے کر اسے ختم کردیا۔

گیارہواں حکم: چھوٹے بچوں اور گھر میں رہنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ نماز فجر سے پہلے، دوپہر کو قیلولہ کے وقت اور رات کو عشاء کے بعد تمہارے خلوت خانے میں آنا چاہیں تو ان کو اجازت لے کرآنا چاہئے۔(آیت ۵۸)

بارہواں حکم: جب بچے بالغ ہوجائیں تو دوسرے بالغ افراد کی طرح ان پر بھی لازم ہے کہ وہ جب بھی گھرآئیں تو اجازت لے کرآئیں یا کسی بھی طریقے سے اطلاع دے کر اندرآئیں۔(آیت ۵۹)

تیرہواں حکم: ان عورتوں کے بارے میں ہے جو بہت بوڑھی ہوگئی ہوں کہ اگر وہ پردہ کے ظاہری کپڑے اتار کر رکھ دیں تو اس میں ان پر کوئی گناہ نہیں اور ساتھ یہ بھی بتادیا کہ اگر وہ احتیاط کریں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے۔(آیت ۶۰)

چودھواں حکم: جب تم گھروں میں داخل ہوتو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو۔حدیث شریف میں ہے کہ جوشخص گھر میں داخل ہواور (۱) سلام کرے (۲) سورۃ الاخلاص پڑھے (۳) درود شریف پڑھے تو اس پر رزق کی تنگی نہیں آئے گی۔(اوکما قال)

پندرہواں حکم جب تم کسی اجتماعی مشورے میں بیٹھو تو اجازت کے بغیر نہ اٹھو۔(آیت ۶۲)

سولہواں حکم: اللہ کے رسول ﷺ کو ایسے نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں بلکہ ادب کے ساتھ پکارو لہٰذا''یا محمد'' کہہ کر نہ پکارو بلکہ آپ کو تعظیم کے ساتھ''یارسول اللہ'' کہہ کرمخاطب کرو۔(آیت ۶۳)

یہ تمام احکامات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سورت کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ''یادرکھوآسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے تم جس حالت پر بھی ہو اللہ اسے

خوب جانتا ہے اور جس دن سب کو اس کے پاس لوٹا دیا جائے گا اس دن وہ ان کو بتا دے گا کہ انہوں نے کیا عمل کیا تھا اور اللہ کو ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔" (آیت ۶۴)

سورۃ الفرقان

سورۃ الفرقان مکی سورت ہے۔ اور قیام مکہ کا متوسط دور اس کا زمانہ نزول ہے۔ اس میں ۷۷/آیات اور چھ رکوع ہیں۔ اس سورت کے پہلے دو رکوع اٹھارھویں پارے میں ہیں اور باقی چار رکوع انیسویں پارے میں ہیں۔ اس سورت کی پہلی ہی آیت "تبارک الّذی نزل الفرقان" میں لفظ فرقان آیا ہے جو قرآن کریم کا ایک نام ہے، اس پر اس سورت کا نام "الفرقان" رکھا گیا ہے۔ فرقان کے لفظی معنی ہیں ہر وہ چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جا سکے اور قرآن کریم سے بڑھ کر حق و باطل میں فرق کرنے والی کون سی کتاب ہو سکتی ہے۔

اس سورت کی ابتداء قرآن کریم کے عظیم ذکر سے ہوئی ہے جس کے بارے میں مشرکین مختلف قسم کے اعتراضات اٹھاتے رہے اور اس کی آیات کو جھٹلاتے تھے اور اس کو گزشتہ قوموں کے قصے اور کہانیاں قرار دیتے تھے اور یہ الزام لگاتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ واقعات پچھلے انبیاء کے یہودیوں سے سیکھ لئے ہیں اور وہی واقعات لکھوا کر (معاذ اللہ) یہ قرآن بنالیا ہے حالانکہ جن یہودیوں کا وہ ذکر کرتے تھے وہ اسلام لا چکے تھے۔ اگر آپ (معاذ اللہ) انہی سے سیکھ کر اس کلام کے کلامِ الٰہی ہونے کا غلط دعویٰ کر رہے تھے تو یہ حقیقت سب سے پہلے ان یہودیوں پر ظاہر ہوتی پھر وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر مان کر آپ پر ایمان ہی کیوں لاتے؟

اٹھارھویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) زکوٰۃ ادا کرنا، امانت کی حفاظت، عہد کو پورا کرنا اور نماز کی پابندی ہر مومن پر لازم ہے۔

(۲) قیامت کے دن اعمال کا وزن ہونا یہ حق ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

(۳) کسی مسلمان کا مذاق اڑانا حرام ہے۔

(۴) صبر کا درجہ ایمان میں ایسا ہے جیسے سر کا درجہ جسم میں۔

(۵) سزا ہمیشہ جرم کے بڑے یا چھوٹے اور قلیل یا کثیر کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

(۶) باطل، برائی، فحش کام اور منکرات کو شیطان خوش نما بنا کر پیش کرتا ہے اس میں اس کی اتباع حرام ہے۔

(۷) اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں یہ کام نہیں کروں گا یا یہ کام کروں گا مگر بعد میں اس کے علاوہ میں خیر دیکھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ قسم کا کفارہ دے اور خیر کا کام کرے۔

(۸) اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے اور وہ توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے تو اس سے معافی اور درگزر سے کام لینا چاہئے۔

(۹) کسی کے گھر میں داخلے کے وقت لازماً اجازت طلب کرنا چاہئے۔

(۱۰) اجتماعی کام میں امام المسلمین سے اجازت طلب کرنا لازم ہے اور امام المسلمین کو اختیار ہے کہ وہ عوام کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے جس کو چاہے اجازت دے اور جس کو چاہے نہ دے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
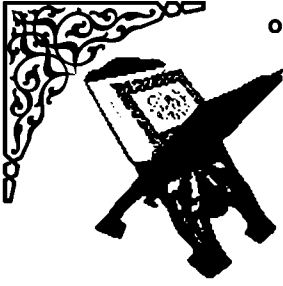
اٹھارویں تراویح

وَقَالَ الَّذِينَ (انیسواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں انیسویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔ اٹھارویں پارے کے آخر میں حضور اکرم ﷺ پر کفار کے اعتراضات کا تذکرہ تھا کہ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ رسول بشر کیسے ہوسکتا ہے اسے تو فرشتہ ہونا چاہئے اور اگر بالفرض انسانوں میں سے بھی کسی کو نبوت و رسالت ملے تو ایسے آدمی کو ملنا چاہئے جو کسی قوم کا سردار ہو اور دنیاوی اعتبار سے خوشحال ہو، کسی غریب اور یتیم کو کیسے مل سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل اعتراضات کے جوابات مرحمت فرمائے تھے۔ انیسویں پارے کے آغاز میں بھی ان مشرکین و مکذبین کے اعتراضات اور لایعنی مطالبات کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا اعتراض نقل فرمایا ہے: ''جن لوگوں کو یہ توقع ہی نہیں ہے کہ وہ (کسی وقت) ہم سے آملیں گے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے؟ یا پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیں؟ (آیت ۲۱)

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا: ''جس دن ان کو فرشتے نظر آگئے اس دن ان مجرموں کے لئے کوئی خوشی کا موقع نہیں ہوگا بلکہ یہ کہتے پھریں گے کہ خدایا! ہمیں ایسی پناہ دے کہ یہ ہم سے دور ہوجائیں۔'' (آیت ۲۲) کیونکہ یہ فرشتے ان کو اس وقت نظر آئیں گے جب وہ ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے، یہ ایسا وقت ہوگا کہ ان کو فرشتے نظر آنے کی کوئی خوشی نہ ہوگی بلکہ اس وقت تو یہ ان ہی فرشتوں سے پناہ مانگ رہے ہوں گے اور یہ دعائیں کررہے ہوں گے کہ کسی طرح یہ ہم سے دور ہوجائیں۔

قیامت کے دن جب یہ کفار کھلی آنکھوں رسول اللہ ﷺ کی باتوں کی صداقت کو

دیکھیں گے اور اللہ کے غضب کو دیکھیں گے تو حسرت سے اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے اور کہیں گے کاش ہم نے پیغمبر کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اللہ کے حضور عرض کریں گے کہ ''یارب میری قوم اس قرآن کو بالکل چھوڑ بیٹھی تھی۔'' (آیت ۳۰) مفسرین نے لکھا ہے کہ اگرچہ سیاق وسباق کی روشنی میں یہاں قوم سے مراد کافر لوگ ہیں لیکن یہ مسلمانوں کے لئے بھی ڈرنے کا مقام ہے، اگر مسلمان ہونے کے باوجود قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا جائے تو کہیں وہ بھی اس سنگین جملے کا مصداق نہ بن جائیں اور نبی کریم ﷺ روز قیامت شفاعت کے بجائے شکایت پیش نہ کریں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کو چھوڑنے کی کئی صورتیں ہیں:

(۱) قرآن کو نہ سنے اور نہ اس پر ایمان لائے۔

(۲) پڑھتا بھی ہو اور ایمان بھی رکھتا ہو مگر اس پر عمل نہ کرتا ہو۔

(۳) زندگی کے معاملات اور تنازعات میں اس کو حَکَم نہ بناتا ہو۔

(۴) اس کے معانی میں غور وتدبر نہ کرے۔

(۵) قلبی امراض میں اس سے شفا حاصل نہ کرے۔

آیت نمبر ۴۵ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی کئی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جن پر انسان غور کرے تو ان میں سے ہر چیز اللہ کی توحید پر واضح دلیل ہے۔ مثلاً ''کیا تم نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سائے کو پھیلاتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے ایک جگہ ٹھہرا دیتا، پھر ہم نے سورج کو اس کے لئے رہنما بنا دیا ہے۔'' دھوپ چھاؤں کی تبدیلیاں انسان کی زندگی کے لئے انتہائی اہم ہیں۔ اگر دنیا میں ہمیشہ دھوپ رہتی تب بھی زندگی دوبھر ہو جاتی اور اگر ہر وقت سایہ ہی سایہ رہتا تو بھی انسان کا کاروبار زندگی معطل ہو کر رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہر روز ان دونوں کا حسین امتزاج اس طرح پیدا فرماتے ہیں کہ صبح کے وقت سایہ زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے پھر جوں جوں سورج چڑھتا جاتا ہے اس کا سایہ سمٹتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ عین دوپہر کے وقت وہ کالعدم ہو جاتا ہے پھر جوں جوں سورج مغرب کی طرف ڈھلتا ہے سایہ پھر رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہوتا ہے؟ یہاں تک کہ غروب کے

وقت پورے افق کو گھیر لیتا ہے۔اس طرح انسانوں کو دھوپ چھاؤں کی یہ تبدیلی دھیرے دھیرے حاصل ہوتی ہے اور ناگہانی تبدیلی کے نقصانات سے بچاؤ ہوتا رہتا ہے۔

اسی طرح اپنی قدرت و وحدانیت کے مختلف دلائل بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں عباد الرحمٰن کی تیرہ صفات ذکر فرمائی ہیں: یعنی

(۱) تواضع

(۲) جاہلوں سے اعراض

(۳) راتوں کو نماز و عبادت

(۴) جہنم کے عذاب کا خوف

(۵) خرچ کرنے میں اعتدال (نہ فضول خرچی نہ ہی بخل)

(۶) شرک سے مکمل اجتناب

(۷) ناحق قتل سے گریز

(۸) زنا اور بدکاری سے اپنے آپ کو بچانا

(۹) جھوٹی گواہی سے احتراز

(۱۰) گانے بجانے اور برائی کی مجالس سے پہلو تہی

(۱۱) اللہ کی کتاب سن کر متاثر ہونا

(۱۲) نیک بیوی اور بچوں کی بارگاہ الٰہی میں دعا

(۱۳) اپنے لئے دعا کہ ہمیں ہادی اور مہدی بنادے۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی عباد الرحمٰن میں شامل فرمادے۔آمین

سورۃ الشعراء

سورۃ الشعراء مکی ہے، اس میں ۲۲۷/آیات اور ۱۱/رکوع ہیں۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت سورۃ الواقعہ کے بعد نازل ہوئی، یہ حضور اکرم ﷺ کی مکی زندگی کا وہ زمانہ تھا جس میں کفار مکہ آپ کی دعوت کی بڑے زور و شور

سے مخالفت کرتے ہوئے آپ سے اپنی پسند کے معجزات دکھانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت عرب میں شاعری کا بڑا زور و شور تھا۔ ہر قبیلے اور خاندان کو اپنی شاعری پر فخر تھا۔ سالانہ محفلوں میں مشاعرہ کی محفلیں گرم ہوا کرتی تھیں مگر ان کی شاعری ذاتی فخر، عشق بازی اور فسق و فجور کے تذکرہ پر مبنی ہوا کرتی تھی۔ جب کفار آنحضرت ﷺ سے قران کریم سنتے تو اس کی فصاحت و بلاغت سے حیران اور عاجز ہوکر آپ ﷺ پر الزام تراشی شروع کر دیتے۔ کبھی کہتے کاہن ہیں، کبھی کہتے ساحر ہیں، کبھی کہتے شاعر ہیں۔ اس سورت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے شعراء کی حقیقت بھی بیان فرمادی کہ کہاں شاعری اور کہاں قرآن کریم کی آیات جن میں سراسر راستی، ہدایت، مکارم اخلاق اور توحید وغیرہ کے مضامین عالیہ ہیں۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام شعراء رکھا گیا ہے جو شاعر کی جمع ہے۔

اس سورت میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے قصص ذکر کئے گئے ہیں جن میں پہلا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے جو آیت ۱۰ سے شروع ہو رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس جانے کا حکم فرمایا۔ آپ حکم خداوندی کی اتباع میں اس کے دربار میں حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ پہنچ گئے۔ فرعون نے سب سے پہلے اپنے ان احسانات کو یاد دلانا شروع کر دیا جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کے دوران کئے تھے اور ساتھ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرانے کے لئے ان سے جو قتل ہو گیا تھا اس کا بھی تذکرہ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں پہلے قتل والے واقعہ کی وضاحت فرمائی کہ میں نے جان بوجھ کر قتل نہیں کیا تھا بلکہ غلطی اور خطا سے مجھ سے یہ فعل سرزد ہو گیا تھا اور باقی رہی تمہارے احسانات کی بات تو وہ احسانات تم کیسے جتلا سکتے ہو جبکہ تم نے میری قوم کو تو غلام بنا رکھا ہے۔ فرعون نے پھر سوال کیا کہ یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ اس کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ رب العالمین کی حقیقت و ماہیت کیا ہے وہ بتاؤ؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں اللہ کی صفات کو بیان فرمایا کیونکہ اللہ کی حقیقت و ماہیت کو کوئی نہیں جان سکتا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا رب العالمین وہ ہے جس نے ارض و سماء کو پیدا کیا،

ان دونوں میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ تمہیں بھی اس نے پیدا کیا ہے اور تمہارے آباء کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے۔ وہی مشرق سے سورج طلوع کرتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان باتوں کے جواب میں فرعون اول فول بکتا رہا اور دھمکیاں دینے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے پیشکش کی کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز دکھاؤں جو حق کو واضح کردے اس کے کہنے پر آپ نے لاٹھی زمین پر ڈال دی اور وہ اژدہا بن گئی اور ہاتھ کو بغل سے نکالا تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگا۔ فرعون نے ان معجزات کو سحر پر محمول کیا اور آپ کو نیچا دکھانے کے لئے پورے مصر کے جادوگروں کو جمع کرلیا۔ مقابلے کے دن ساحروں کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتے ہوئے سانپ محسوس ہونے لگیں۔ حضرت موسیٰ کی لاٹھی اژدھا بن کر ان سب کو نگل گئی۔ ساحروں کو اللہ نے ہدایت دی اور وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ یہ کچھ اور ہی ہے۔ اس لئے فوراً رب العالمین کے سامنے سجدے میں گر کر انہوں نے ایمان قبول کرلیا اور وہ فرعون کی دھمکیوں کے باوجود بھی ایمان پر جمے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت مصر سے نکل گئے۔ فرعون نے تعاقب کیا مگر اللہ نے اس کو دریا میں غرق کردیا۔

دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیان کیا گیا ہے جو آیت ۶۹ سے شروع ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور قوم کو بڑی حکمت کے ساتھ ایمان وتوحید کی دعوت دی اور رب العالمین کے بارے میں فرمایا کہ وہ وہ ہے:

(۱) جس نے مجھے پیدا کیا

(۲) وہی میری رہنمائی فرماتا ہے

(۳) وہی مجھے کھلاتا ہے

(۴) میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفاء دیتا ہے

(۵) جو موت دے گا اور پھر وہی زندہ کرے گا

(۶) اور جو حساب وکتاب کے دن میری خطا بخش دے گا۔

پھر اللہ کے حضور چند دعائیں بھی فرمائیں:

(۱) مجھے حکمت عطا فرما دیجئے

(۲) مجھے نیک لوگوں میں شامل کر دیجئے

(۳) لوگوں میں میرا اچھا ذکر جاری فرما دیجئے

(۴) مجھے جنت میں جگہ عنایت فرما دیجئے۔

(۵) میرے باپ کی مغفرت فرما دیجئے (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کی دعا کریں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت آ گئی اور معلوم ہو گیا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا تو انہوں نے بھی اس سے برأت کا اظہار فرما دیا)

(۶) مجھے آخرت میں رسوا نہ فرمایئے گا۔

تیسرا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے جو آیت ۱۰۵ سے شروع ہو رہا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال ایمان کی دعوت دی لیکن وہ مان کر ہی نہیں دیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو غرق کر دیا۔

چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہے جو آیت ۱۲۳ر سے شروع ہو رہا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کے نبی تھے، یہ لوگ جسمانی قوت، عمر کی طوالت اور خوش حالی کے اعتبار سے دنیا کی ایک نمایاں قوم تھے۔ انہوں نے بغیر ضرورت کے بڑے بڑے محلات تعمیر کئے ہوئے تھے جب انہوں نے اپنی طاقت اور خوش حالی پر تکبر کیا اور دعوت ایمان کو ٹھکرا دیا تو اللہ نے ان کو بھی ہلاک کر دیا۔

پانچواں قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے جو آیت ۱۴۱ سے شروع ہو رہا ہے۔ ان کی قوم سرسبز و شاداب باغات اور زمینوں پر آباد تھے اور انہیں ہر طرح کا سکون و اطمینان حاصل تھا لیکن انہوں نے بھی اللہ کے نبی کو جھٹلایا، اللہ کی نشانی ناقہ (اونٹنی) کو قتل کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا اللہ نے ان سب کو ہی ہلاک کر دیا۔

چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے۔ جو آیت ۱۶۰ر سے شروع ہو رہا ہے، جن کی قوم فسق و فجور، شہوت پرستی اور بدکاری میں حد سے بڑھ گئی تھی۔ وہ ایسا عمل کرتے تھے جوان

سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا جس سے حیوان بھی نفرت کرتے ہیں۔ جب انہوں نے بھی اپنی بری خصلتوں کو نہیں چھوڑا اور اللہ کے نبی کی بات کو نہیں مانا تو اللہ نے ان کا بھی نام و نشان مٹا دیا۔

ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے جو آیت ۱۷۶ سے شروع ہو رہا ہے۔ اللہ نے ان کی قوم کو بھی بہت نوازا تھا، گھنے جنگلات تھے، ثمر بار باغات تھے، میٹھے پانی کے چشمے تھے لیکن انہوں نے بھی اللہ کے رسول کی نافرمانی کی جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو بھی ہلاک کر دیا۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

ان فی ذالک لایة وما کان اکثرهم مؤمنین وان ربک لهو العزیز الرحیم.

یعنی اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے پھر بھی اکثر ایمان نہیں لاتے اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے بڑا مہربان بھی۔

قصص قران کریم کی چار حکمتیں ہیں:

(۱) آپ کو تسلی دینا کہ گزشتہ انبیاء کو بھی اسی طرح جھٹلایا گیا ہے۔ جس طرح یہ آپ کو جھٹلاتے ہیں مگر آپ تسلی رکھیں کیونکہ آخر کار فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔

(۲) ان قصص میں دین الٰہی کا نچوڑ ہے۔ شریعتیں اور ان کے احکامات وقت ضرورت تبدیل ہوتے رہتے ہیں مگر ان سب میں یہ مشترک ہے کہ دین حق ہمیشہ سے ایک ہی ہے اور ہر نبی اپنے اپنے زمانے میں اسی دین حق کی تعلیم دیتا آیا ہے۔

(۳) ان قصص میں مومنین کے لئے نصیحت ہے کیونکہ یہ قصے ایسے واقعات سے پُر ہیں جو برائی، گمراہی، نافرمانی اور سرکشی سے روکتے ہیں اور ایمان، تقویٰ اور نیکی کی ترغیب دلاتے ہیں۔

(۴) یہ قصص لوگوں کے لئے سامان عبرت رکھتے ہیں چونکہ پچھلی اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج وانجام کو دیکھ کر خود اپنی بداعمالیوں پر نظر جائے گی اور ان کے انجام سے خوف پیدا

ہوگا اوران قصص سے سبق اورعبرت حاصل کر کے اپنی اصلاح کی فکر کرے گا، جس نے دین حق کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ کامیاب اور بامراد رہا اور جو اس سے بھٹکا اوراعراض کیا تو اس کا نتیجہ ہمیشہ تباہی اور بربادی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

سورۃ الشعراء کی آیت ۲۱۴ ''اور اے پیغمبر آپ اپنے قریب ترین خاندان کو خبردار کریں۔'' سب سے پہلی آیت ہے جس کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو پہلی بار تبلیغ کا حکم ہوا اور یہ ہدایت دی گئی کہ تبلیغ کا آغاز اپنے قریبی خاندان کے لوگوں سے فرمائیں۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے ان کو دین حق کی دعوت دی۔ اس میں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اصلاح کا کام کرنے والوں کو سب سے پہلے اپنے گھر اور خاندان تک حق کی دعوت پہنچانی چاہئے۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی سب سے پہلے اپنی اور ساتھ میں اپنے گھر والوں کی اور ساتھ ہی ہر مسلمان کی فکر نصیب فرمائے۔

سورۃ النمل

سورۃ النمل مکی ہے، اس میں ۹۳/آیات اور ۷/رکوع ہیں۔ اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ ان تین سورتوں میں سے ایک ہے جو جس ترتیب سے نازل ہوئی اسی ترتیب سے قرآن کریم میں موجود ہیں یعنی شعراء، نمل، قصص۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور کفر کے برے نتائج کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ، حضرت صالح علیہما السلام کے مختصر حالات ذکر کرنے کے بعد بتایا گیا ہے کہ ان کے افکار کا سبب اپنی دولت اور رتبے پر گھمنڈ تھا اور اسی طرح کفار مکہ بھی گھمنڈ میں مبتلا ہیں اور اسی گھمنڈ کی وجہ سے وہ آنحضرت ﷺ کا انکار کر رہے ہیں۔

سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی دولت اور بے نظیر بادشاہت سے

نوازا تھا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفار کی طرح اس دولت پر گھمنڈ نہ کیا اور یہ دولت ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل سے مانع نہ ہوئی۔ اسی طرح ملکہ سباء ''بلقیس'' بھی بہت بڑی سلطنت کی ملکہ اور بے پناہ دولت کی مالک تھی لیکن جب اس پر حق واضح ہو گیا تو اس نے اس کے قبول کرنے میں تاخیر نہ کی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں باپ بیٹوں کو ایک عظیم الشان سلطنت بھی عطا فرمائی اور دونوں باپ بیٹوں کو نبوت سے بھی سرفراز فرمایا بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ فضیلت بھی دی تھی کہ ان کے لئے انسانوں، جنوں اور پرندوں کو بھی مسخر کر دیا تھا اور ساتھ ہی انہیں جانوروں اور پرندوں کی زبان بھی سکھا دی تھی۔

قرآن کریم کی اس سورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دو واقعے ذکر فرمائے گئے ہیں ایک چیونٹیوں کا واقعہ اور دوسرا ملکہ سبا کا واقعہ۔

چیونٹیوں کا واقعہ:

ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے لشکر کے ساتھ ایسی سرزمین پر گزر ہوا جہاں چیونٹیوں کے بل بنے ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی بستی بسا رکھی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سنا کہ ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی کہ اے چیونٹیوں سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں نہ دیکھیں اور پاؤں کے نیچے مسل ڈالیں۔ اس لئے جلدی کرو اور اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ ورنہ آج تمہاری خیر نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی جو یہ بات سنی تو آپ کو اس کی ہوشیاری پر تعجب ہوا اور ہنسی آ گئی کہ اتنی چھوٹی سی مخلوق اور اس پر یہ ہوشیاری اور ساتھ ہی نعمت عظیمہ پر کہ اللہ نے مجھے جانوروں اور پرندوں کی بولی سمجھنے کی نعمت عطا فرمائی۔ اللہ کا شکر ادا کرنے لگے۔ چنانچہ فرمایا: ''میرے پروردگار! مجھے اس بات کا پابند بنا دیجئے کہ میں ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور وہ نیک عمل کروں جو آپ کو پسند ہوں اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما لیجئے۔ (آیت ۱۸، ۱۹)

ملکہ سبا کا واقعہ:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں جس طرح انسان اور جنات شامل تھے اسی طرح پرندے بھی شامل تھے اور ان میں ایک پرندہ ہدہد بھی تھا جس کے ذمہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پانی تلاش کرنے کی ذمہ داری لگا رکھی تھی کیونکہ ہدہد میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ پانی کو زمین کے نیچے بھی محسوس کر لیتا ہے چنانچہ وہ اس کی خبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیتا اور آپ جنات کو بھیج کر اس جگہ سے لشکر کے لئے پانی نکلوا لیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کسی ضرورت سے ہدہد کو طلب کیا تو معلوم ہوا کہ وہ موجود نہیں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس کو اس غیر حاضری پر سخت سزا دوں گا یا میں اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا پھر یہ کہ وہ کوئی معقول عذر پیش کر دے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہدہد حاضر ہوا اور آپ کو ملکہ سبا اور اس کی قوم کے بارے میں اطلاع دی کہ وہ سورج کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ قوم سبا عرب میں یمن کی طرف آباد تھی، جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ خبر سنی تو فرمایا کہ ہم تیرے سچ یا جھوٹ کی آزمائش کر لیتے ہیں اور آپ نے ایک خط لکھ کر ہدہد کے حوالے کر دیا کہ ملکہ سبا کو پہنچا دے اور پھر وہاں سے ہٹ کر یہ سننا کہ وہ کیا باتیں کرتے ہیں۔ ملکہ سبا کو اپنے مادی اسباب پر بڑا ناز تھا مگر جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا مختصر اور جامع خط پڑھا تو فوراً اندازہ لگا لیا کہ میں ان کا مقابلہ نہ کر سکوں گی۔ اس لئے اظہار اطاعت کی غرض سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کر لیا اور جب سلیمان علیہ السلام کے محلات اور ان کا جدید ترین ساز و سامان دیکھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ معجزہ بھی دیکھا کہ آپ علیہ السلام نے اس کا وہ تخت جو بہت بھاری اور قیمتی تھا اس کے پہنچنے سے پہلے منگوالیا ہے تو اس کو یقین ہو گیا کہ اس بادشاہ کی اطاعت کے بغیر چارہ نہیں اس لئے اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں نو جماعتیں تھیں جن کے نو سردار تھے اور ان لوگوں کا

کام ملک میں فساد پھیلانا تھا۔ ایک دن انہوں مشورہ کیا کہ حضرت صالح علیہ السلام کی طرف سے روزانہ کی پریشانی ہے (نعوذ باللہ) اس لئے ان کو قتل کردیا جائے۔ چنانچہ آپس میں معاہدہ کرلیا کہ رات کو سب مل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو قتل کردیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی عذاب کی لپیٹ میں لے لیا۔ (آیت ۴۵ سے ۵۲)

اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ ہے کہ ان کی قوم ایسی برائی میں مبتلا ہوگئی تھی کہ انہیں ہر وہ شخص جو انہیں اس برائی سے روکتا برا لگتا تھا اور جو ان کے ساتھ اس گھناؤنے فعل میں شریک ہوجاتا تو اس کو سمجھ دار خیال کرتے تھے۔ بالکل وہی صورت ہے جو آج کل دین داروں کے ساتھ ہے کہ آج نیکی کی راہ پر چلنے والا دقیانوسی اور جاہل ہے جبکہ برائی کا ساتھ دینے والوں کو ترقی پسند اور روشن خیال سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل سلیم عطا فرمائیں۔

روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ انیسویں سپارے کی آخری آیت کی تلاوت کرتے یعنی

قل الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ ط
آاللّٰہ خیر اما یشرکون.

تو فوراً اس کے جواب میں فرماتے:

بَلِ اللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى وَاَحَلُّ وَاَكْرَمْ.

نہیں بلکہ اللہ ہی بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا بزرگ و برتر ہے۔

اسی طرح اس آیت کے ذریعہ یہ آداب بھی سکھایا گیا ہے کہ جب کوئی تقریر، وعظ، خطبہ یا نصیحت کرنا ہو تو اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کے پیغمبروں پر درود وسلام بھیج کر کرنا چاہئے۔

انیسویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) رسول اللہ ﷺ گواہی دیں گے ان لوگوں کے بارے میں جو قرآن کو چھوڑ بیٹھے اس کو سنتے نہیں، اس کو سمجھتے نہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے اور ان کے بارے میں اللہ کے دربار میں شکایت کریں گے۔

(۲) اللہ کی اپنے بندوں کے بارے میں یہ سنت ہے کہ چاہے کوئی نبی ہو یا ہادی یا ڈرانے والا اس کا انسانوں میں سے دشمن ضرور ہوگا۔

(۳) قیامت کے دن مجرموں کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا نا کہ پیروں کے ذریعے۔

(۴) جادو بھی ایک فن ہے اس کا سیکھنا اور سکھانا دونوں حرام ہیں۔

(۵) ایمانی قوت بہادری کی اصل ہے، اس وجہ سے کہ مؤمن موت کا مشتاق ہوتا ہے کہ وہ اس کو اس کے رب سے ملانے والی ہوتی ہے۔

(۶) جنت کے وارث وہ لوگ ہیں جو تقویٰ والے ہیں۔

(۷) جس نے کسی ایک نبی کی بھی تکذیب کی تو اس نے ساری نبیوں کی تکذیب کی ہے یہ کیونکہ ان سب کی دعوت ایک ہے۔

(۸) امانت داری شعار ہے ہر رسول اور تمام صادقین و صالحین کا ہر امت میں اور ہر زمانے میں۔

(۹) عذاب اور اس کی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد توبہ اور ندامت فائدہ نہیں دیتی۔

(۱۰) اللہ کی نعمت اور فضل کے مشاہدے کے وقت شکر واجب ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝
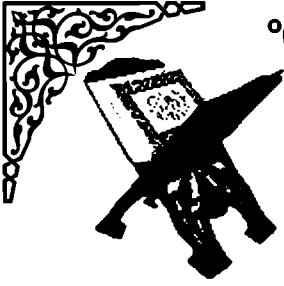
انیسویں تراویح

اَمَّنۡ خَلَقَ (بیسواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں بیسویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔انیسویں پارے کے آخر میں اللہ نے سوالیہ انداز میں ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ بہتر ہے یا وہ ہستیاں جن کو خدا کا شریک سمجھا جاتا ہے؟ آگے بیسویں پارے کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کر کے سوالیہ انداز میں ارشاد فرمار ہے ہیں ''ءَ اِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ '' کہ کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی ایسا کرسکتا ہے؟ اور یہ جملہ اللہ نے پانچ مرتبہ اپنی مختلف نشانیوں کو بیان کرنے کے بعد بیان فرمایا۔

(۱) کیا وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمان سے بارش برسا کر خوبصورت اور تروتازہ باغات لہلہائے ہیں ''ءَ اِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ '' کیا پھر بھی تم کہتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ ان لوگوں نے راستے سے منہ موڑ رکھا ہے۔

(۲) وہ محسن حقیقی جس نے انسان کے لئے زمین کو باعث قرار بنایا ہے، اس کے سینے میں نہریں جاری کی ہیں، اس کی پشت پر بھاری پہاڑ رکھ دیئے ہیں اور میٹھے اور کھارے پانی کو خلط ملط ہونے سے بچانے کے لئے ان کے درمیان رکاوٹیں کھڑی کردی ہیں ''ءَ اِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰـهِ '' کیا پھر بھی تم کہتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں۔

(۳) مجبوری، مظلومیت، بیماری اور تکلیف کے وقت کسے پکارا جاتا ہے؟ ''ءَ اِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰـهِ '' کیا پھر بھی تم کہتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ نہیں بلکہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا ذمہ لے لیا ہے اوراس آیت میں اس کا اعلان بھی فرمادیا ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور خلائق سے منقطع ہوکر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز سمجھ کر دعا کرنا سرمایہ اخلاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخلاص کا بڑا درجہ ہے وہ جس کسی بندہ سے پایا جائے وہ مومن ہو یا کافر اور متقی ہو فاسق فاجر اس کے اخلاص کی برکت سے اس کی طرف رحمت حق متوجہ ہو جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں:

(۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) باپ جو اپنی اولاد کے لئے دعا کرے

(۴) بروبحر کی تاریکیوں میں راستہ کون دکھاتا ہے؟ بارش برسنے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں کون چلاتا ہے؟ ''ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ'' کیا پھر بھی تم کہتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں اللہ اس شرک سے بالاتر ہے جس کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں۔

(۵) انسان کو ابتداء میں کس نے پیدا کیا تھا اور دوبارہ کون پیدا کرے گا۔ ''ءَ اِلٰـہٌ مَّعَ اللّٰـہِ'' کیا پھر بھی تم کہتے ہو اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ کہولاؤ اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو۔

سورۃ النمل کی آیت ۸۲ رمیں بھی اللہ تعالیٰ نے اس دابۃ الارض کا ذکر فرمایا ہے اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی دس نشانیوں کا تذکرہ فرمایا جن میں سے ایک دآبۃ الارض کا بھی ذکر فرمایا۔

روایت میں ہے کہ یہ دابۃ الارض مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان پہنچ جائے گا، لوگ اس کو دیکھ کر بھاگیں گے۔ ایک جماعت رہ جائے گی یہ دابۃ الارض ان کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کردے گا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے نکلے گا اور جہاں کوئی کافر ملے گا اس کے چہرے پر کفر کا نشان لگادے گا۔ کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا۔ یہ ہر مومن اور

کافر کو پہچانے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی آخری علامات میں سب سے پہلے آفتاب کا طلوع مغرب کی طرف سے ہوگا اور آفتاب کے بلند ہونے کے بعد دابۃ الارض نکلے گا، اس کے بعد قیامت آجائے گی۔ (ابن کثیر)

سورۃ القصص

سورہ قصص مکی ہے، اس میں ۸۸/آیات اور ۹/رکوع ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ یہ سورۃ النمل کے بعد نازل ہوئی اور یہ آخری سورت ہے جو مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی کیونکہ اس کی آیات ۸۵/ اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ ہجرت کی غرض سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ سورت کا مرکزی موضوع حضور اقدس ﷺ کی رسالت اور آپ کی دعوت کی سچائی کو ثابت کرتا ہے اور اس سلسلے میں سورت کی پہلی ۴۳/آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی کی وہ تفصیلات بیان کی گئی ہیں جو اس سے پہلے کسی اور سورت میں بیان نہیں کی گئیں۔

سورہ قصص کی آیت ۴/ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ شروع ہو رہا ہے کہ فرعون کی مصر میں حکومت تھی اور اس وقت مصر میں دو قومیں آباد تھیں ایک قبطی اور دوسری بنی اسرائیل۔ آیت ۴ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی اور اس نے وہاں کے باشندوں کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا جن میں سے ایک گروہ کو اس نے اتنا دبا رکھا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو فساد پھیلایا کرتے ہیں۔“ فرعون کو کسی نجومی نے یہ کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تمہاری حکومت ختم کر دے گا۔ اس لئے اس نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو فکر ہوئی کہ ان کو بھی فرعون

کے آدمی قتل کر ڈالیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر ان کے دل میں الہام فرمایا کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ نے اس صندوق کو فرعون کے محل کے پاس پہنچا دیا اور فرعون کے خدام میں سے کسی کی نظر اس صندوق پر پڑ گئی اور وہ اس صندوق کو اٹھا کر محل میں لے آیا۔ فرعون نے جب اس بچے کو دیکھا تو اس کو بھی ذبح کرنے کا ارادہ کیا مگر اللہ نے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے دل میں بچہ کے لئے نرم گوشہ پیدا کر دیا اور انہوں نے اس بچے کو گود لینے کا ارادہ کر لیا اور فرعون سے اس انداز سے بات کی کہ وہ پتھر دل بھی نرم پڑ گیا اور اس بچے کو اپنے محل میں رکھنے کی اجازت دے دی۔ اس طرح اللہ رب العزت نے فرعون کے دشمن کو جس کو مارنے کے لئے وہ خون خرابہ کرتا پھر رہا تھا اسی کی گود میں اور اسی کی پرورش میں لا کر ڈال دیا۔

دوسری طرف ان کی والدہ اپنے بچے کی طرف سے پریشان تھیں کہ پتہ نہیں میرے بچہ کا کیا انجام ہوا۔ فرط غم کی وجہ سے انہیں تصور ہی تصور میں صندوق فرعونیوں کے ہاتھ لگنے اور بچے کے گلے سے خون کا فوارہ نکلتا نظر آ رہا تھا لیکن اللہ نے کیونکہ والدہ کی آنکھوں کو بھی ٹھنڈا کرنا تھا اس لئے اللہ نے ایسا انتظام فرمایا کہ فرعون کی اہلیہ نے جب بچے کو دودھ پلانے کا ارادہ کر لیا تو دودھ پلانے والی کی تلاش شروع کروائی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بھی عورت کا دودھ منہ میں نہیں لیتے تھے۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن بھی صندوق کے ساتھ کنارے کنارے چل رہی تھیں، جب انہوں نے دیکھا کہ بچے کو فرعون کی بیوی نے لے لیا ہے لیکن بچہ دودھ نہیں پی رہا تو انہوں نے اپنی والدہ کو یہ خدمت سونپنے کی تجویز پیش کی، اس کے مشورے پر ان کی ماں کو بلوایا گیا۔ بچے نے فوراً ہی دودھ پینا شروع کر دیا، اس طرح ان کی والدہ کو بطور دایہ مقرر کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح بچے کو انہی کی گود میں پہنچا دیا۔ فرعون کی کوشش تو یہ تھی کہ کوئی اسرائیلی بچہ اپنی ماں کا دودھ نہ پیے اس سے پہلے ہی اس کو قتل کر دیا جائے لیکن اللہ کا فیصلہ کچھ اور تھا اور ہوا وہی جو اللہ نے چاہا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوانی کی حدود میں قدم رکھا تو ان سے ایک قبطی کا قتل ہو گیا جس پر آپ بہت نادم ہوئے اور اللہ سے معافی مانگی۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت

سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس جگہ مسلمان اور غیر مسلم دونوں رہتے ہوں، خواہ وہاں حکومت غیر مسلم ہی کی ہو وہاں کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی غیر مسلم کو قتل کرے یا اس کے جان و مال کو کسی طرح کا نقصان پہنچائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے مشورے پر مصر سے مدین کی طرف تشریف لے گئے لیکن جب وہاں پہنچے تو وہاں کوئی جان پہچان نہ تھی جس کی وجہ سے نہ کوئی ٹھکانہ تھا اور نہ کوئی کھانے پینے کا انتظام۔ چنانچہ اللہ کے حضور دعا فرمانے لگے:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ. (آیت ۲۴)

ترجمہ: اے میرے رب! میں تیری عطا کا فقیر اور محتاج ہوں۔

اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو بڑی جامعیت عطا فرماتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا بھی جوامع الکلم میں سے ہے کہ اس میں انسان کی ضرورت کی ہر چیز آ گئی۔

مدین پہنچ کر آپ ایک درخت کے سائے میں ایک کنویں کے کنارے تشریف فرما ہو گئے، لوگ اس کنویں سے پانی بھر بھر کر اپنی بکریوں کو بھی پلا رہے تھے اور اپنے برتن بھی بھر رہے تھے۔ اسی دوران وہاں دو باحیا اور پردہ دار بچیاں بکریوں کو پانی پلانے کے لئے آ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے از راہِ احسان و ہمدردی ان کی بکریوں کو پانی کھینچ کر پلایا۔

علماء نے یہاں پر ایک مسئلہ لکھا ہے کہ ضرورت کے وقت خواتین کا کسی کام سے باہر نکلنا جائز ہے البتہ اگر مرد وہ کام کر سکتے ہوں تو انہیں ہی کرنا چاہئے، دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ ضرورت کے وقت نامحرم خواتین سے بات کرنا جائز ہے خاص طور پر اگر انہیں کسی مشکل میں دیکھیں تو ان کی مدد کے لئے ان کا حال پوچھ کر حتی الامکان ان کی مدد کرنا چاہئے بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ (آسان ترجمہ قرآن)

ان بچیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے جو کافی بوڑھے ہو چکے تھے، ان بچیوں نے اس واقع کی اطلاع اپنے والد کو دی۔ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بڑی زبردست فہم و فراست عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ یہ اجنبی

آدمی کوئی شریف مسافر ہے اس لئے ان دونوں میں سے ایک بچی کو دوبارہ بھیجا کہ وہ اس نوجوان کو لے کر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا کہ ان کو نہ صرف باعزت ٹھکانہ عطا فرمایا بلکہ نیک سیرت وصورت بیوی بھی عطاء فرمادی۔ شادی کے کچھ عرصے بعد اہلیہ کے ساتھ مصر کا ارادہ کیا۔ راستہ لمبا تھا، پیدل سفر تھا، اہلیہ حاملہ تھیں اور سخت سردی کا زمانہ تھا۔ اس لئے جب جنگل میں آگ بھڑکتے ہوئے دیکھی تو آگ لینے کے لئے تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کی جگہ نبوت عطا فرمادی اور ساتھ ہی عصا اور ید بیضاء کا معجزہ بھی عنایت فرمایا اور حکم فرمایا کہ فرعون کے پاس جا کر کلمہ حق کہو جس نے اللہ کی زمین اللہ کے بندوں پر تنگ کر رکھی ہے اور جو ''انا ربکم الاعلیٰ'' کا دعویدار ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس کو ہر طرح سے اللہ کا پیغام پہنچایا مگر وہ سرکشی میں اتنا آگے بڑھ چکا تھا اور اس کے اردگرد ایسے حواریوں کا ٹولہ موجود تھا جنہوں نے تکبر میں مبتلا کر رکھا تھا جس کی وجہ سے اسے حق کی پہچان ہی نہ ہوسکی یہاں تک کہ اسے اللہ نے اس کے لشکروں سمیت ڈبو دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ جو پورے قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے کئی عبرتیں، کئی نصیحتیں اور کئی اہم سبق اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو غیر محسوس طور پر اس کے ظاہری اسباب وذرائع فراہم کردیتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ جب کسی کو نبی بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے ان کو کسی جشن، تقریب یا آسمان سے کسی اعلان کی ضرورت نہیں ہوتی، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راہ چلتے نبوت عطا فرمادی۔

(۳) اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے سے کوئی بڑا کام لینے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کی ایسی مدد کرتے ہیں کہ بڑے بڑے لشکر والے بھی اس کے سامنے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

(۴) اپنے ہر کام میں اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات کو آسان فرما دیتے ہیں۔

(۵) غلامی کا سب سے بڑا اور بُرا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کی ہمت اور حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔

(۶) زمین کا اقتدار اسی قوم کا حق ہے جو میدان جدوجہد میں ثابت قدم رہے۔

(۷) آخری فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے چاہے باطل کتنا ہی طاقتور نظر آ رہا ہو۔

(۸) اللہ تعالیٰ اس شخص سے قبولیت حق کی استعداد چھین لیتے ہیں جو جان بوجھ کر حق کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔

(۹) کوئی حق کو قبول کرے یا نہ کرے داعی کا فریضہ ہے کہ وہ دعوتِ حق کا فریضہ ادا کرتا رہے۔

(۱۰) اپنی قوم کو ظالموں کے چنگل سے نکالنے کی کوشش کرنا یہ انبیاء کی سنت ہے۔

آیت ۵۴ میں ارشاد فرمایا: ''اور وہ نیکی سے برائی کا دفعیہ کرتے ہیں۔'' مفسرین نے لکھا کہ آیت کے اس جزء میں دو اہم ہدایتیں ہیں۔

(۱) اگر کسی شخص سے کوئی گناہ خطاء سرزد ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس کے بعد نیک عمل کی فکر کرے تو نیک عمل اس گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بدی اور گناہ کے بعد نیکی کرو تو وہ گناہ کو مٹا دے گی۔

(۲) جو شخص کسی کے ساتھ ظلم اور برائی سے پیش آئے اگرچہ قانون شرع کی رو سے اس کو اپنا انتقام لینا جائز ہے بشرطیکہ انتقام برابر سرابر ہو مگر اولیٰ اور احسن یہ ہے کہ انتقام کے بجائے برائی کے بدلے میں بھلائی اور ظلم کے بدلے میں احسان کرے کہ یہ اعلیٰ درجہ مکارم اخلاق کا ہے اور دنیا و آخرت میں اس کے منافع بے شمار ہیں۔ ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: ''تم بدی کا دفاع ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو (یعنی ظلم کے بدلے میں احسان کرو) نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے اور جس کے درمیان دشمنی تھی وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایسا ہو جائے

گا جیسے وہ تمہارا جگری دوست ہے۔ (سورۃ حم السجدہ، آیت ۳۴)

بعض کافروں نے اسلام لانے میں یہ رکاوٹ ظاہر کی تھی کہ اسلام لانے کے بعد عرب کے لوگ ہماری عزت کرنا چھوڑ دیں گے اور ہمارے خلاف قتل وغارت گری کا بازار گرم کر کے ہمیں یہاں سے نکال باہر کریں گے۔ قرآنِ کریم نے اس کے تین جواب دیئے ہیں:

(۱) ہم نے حدودِ حرم کو اتنا محفوظ بنایا ہے کہ سارے عرب میں قتل و غارت گری ہورہی ہو لیکن حرم والے کو کوئی کچھ نہیں کہتا، جب تمہارے کفر کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہاری ایسی حفاظت فرمائی ہے تو کیا اللہ اس وقت تمہاری حفاظت نہیں کرے گا۔ (آیت ۵۷)

(۲) بربادی تو اللہ کی نافرمانی سے آتی ہے۔ چنانچہ تم سے پہلے جن قوموں نے کفر کی راہ اختیار کی وہی تباہ ہوئیں نہ کہ وہ لوگ جو ایمان لے آئے تھے۔ (آیت ۵۸)

(۳) اگر بالفرض اسلام لانے کے بعد کچھ تکالیف آ بھی جائیں تو وہ صرف دنیاوی تکلیفیں ہوں گی جو کہ آخرت کی تکلیفوں کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔

ان مضامین کے بعد فرعون کے زمانے اور فرعون ہی کی طرح کے ایک اور متکبر اور سرکش شخص کا تذکرہ ہے۔ اس کا نام قارون تھا اور خاندانی اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قرابت دار تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے فرعون نے اُسے بنی اسرائیل کی نگرانی کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ جب حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تو اسے بہت حسد ہوا اور بعض روایات میں ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ بھی کیا کہ اس کو کوئی منصب دیا جائے لیکن اللہ کو منظور نہ تھا اس لئے منع کر دیا گیا جس کی وجہ سے وہ اور حسد کی آگ میں جل گیا اور منافقت شروع کر دی۔ اللہ نے اس کو اتنی دولت دی تھی کہ اس کے خزانے کی چابیاں اٹھانے کے لئے بھی طاقتور مزدوروں کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت پیش آتی تھی یہاں تک کہ قارون کا خزانہ ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا۔ دولت کی بہتات نے اسے خودسر اور مغرور بنا دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو سمجھایا کہ مال و دولت پر مت اتراؤ، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو کچھ اللہ نے

تمہیں دیا ہے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو لیکن اس کے جواب میں ہر متکبر کی طرح اس نے بھی وہی جواب دیا ''یہ سب تو مجھے خود اپنے علم کی وجہ سے ملا ہے۔'' (آیت ۷۸) اللہ نے اس کو جواب میں ارشاد فرمایا: علم کا کوئی اعلیٰ درجہ تو درکنار اسے تو اتنی معمولی بات بھی نہیں معلوم کہ اگر بالفرض اس نے اپنے علم و ہنر سے یہ سب کچھ حاصل کیا بھی ہے تو وہ علم و ہنر کس کا دیا ہوا ہے اور یہ بات بھی اس کو سمجھ نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ ایسے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ مضبوط تھے اور اسی قسم کا دعویٰ کیا کرتے تھے۔ قارون کا انجام بھی ان لوگوں جیسا ہی ہوا۔ اللہ نے اس کو اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ جو لوگ اس کی آن بان دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرا کرتے تھے تو وہ اس کے انجام کو دیکھ کر کہنے لگا ''اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا او ہو یہ پتہ چل گیا کہ کافر لوگ فلاح نہیں پاتے۔'' (آیت ۸۲)

قارون کا قصہ سنانے کے بعد قرآن کریم نے ایک ایسی نصیحت کی ہے جو ہر مسلمان کو اپنے پلے سے باندھ لینا چاہئے۔ ارشاد فرمایا: ''وہ آخرت والا گھر تو ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کردیں گے جو زمین میں نہ تو بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد اور آخری انجام پرہیزگاروں کے حق میں ہوگا۔ جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کو اس سے بہتر چیز ملے گی اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا تو جنہوں نے برے کام کئے ان کو کسی اور چیز کی نہیں اُن کے کئے ہوئے کاموں ہی کی سزا دی جائے گی۔ (آیت ۸۳،۸۴)

سورۃ العنکبوت

سورہ عنکبوت مکی ہے، اس میں ۶۹؍آیات اور ۷؍رکوع ہیں۔ اس سورت کے چوتھے رکوع کی آیت ۴۱؍میں لفظ عنکبوت آیا ہے۔ عنکبوت مکڑی کے جالے کو کہتے ہیں، اس آیت میں کفار کے اعتقادات کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی گئی ہے جو نہایت کمزور اور بودا ہوتا ہے۔ اسی لئے اس سورت کو عنکبوت کہا جاتا ہے۔

یہ سورت مکہ مکرمہ کے اس دور میں نازل ہوئی جب مسلمانوں پر کفار ہر طرح کے

مظالم ڈھا رہے تھے جس کی وجہ سے بعض مسلمان بعض اوقات پریشان ہوجاتے اوران کی ہمت ٹوٹنے لگتی۔ جیسے بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت خباب بن ارت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ چادر مبارک کی ٹیک لگائے کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے اور ہم لوگوں پر اُن دنوں دن رات مشرکین کی جانب سے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے۔ میں نے حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ پاک سے ہمارے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ ﷺ سنبھل کر بیٹھ گئے اور آپ کا چہرہ مبارک جوش اور جذبے سے سرخ ہوگیا اور آپ نے فرمایا: تم سے پہلے جو اہل ایمان گزرے ہیں ان پر اس سے زیادہ سختیاں کی گئی ہیں، ان میں سے کسی کو زمین میں گڑھا کھود کر بٹھادیا جاتا اوران کے سر پر آرا چلا کر اس کے دو ٹکڑے کردیئے جاتے، لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچ ڈالا جاتا اور سوائے ہڈیوں اور پٹھوں کے کچھ نہ چھوڑا جاتا، ایسی سختیوں نے بھی انہیں ان کو دین سے نہ روکا۔ خدا کی قسم! اللہ پاک اپنے اس دین کو پورا کر کے رہے گا تم لوگ دیکھ لو گے کہ اکیلا سوار صنعاء یمن سے حضرموت تک آئے گا اور سوائے اللہ کے کسی کا ڈر اسے نہ ہوگا لیکن تم لوگ ہر کام میں جلدی چاہتے ہو۔ (درس قران)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے مسلمانوں کو چند بڑی قیمتی ہدایات عطا فرمائی ہیں مثلاً:

☆ سورت کے شروع میں ارشاد فرمایا: ''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے اوران کو آزمایا نہ جائے؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے جو جنت تیار کر رکھی ہے وہ اتنی سستی نہیں کہ کسی تکلیف کے بغیر حاصل ہوجائے۔ ایمان لانے کے بعد انسانوں کو مختلف آزمائشوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔

☆ یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ ساری تکلیفیں عارضی نوعیت کی ہیں اور آخر ایک وقت آنے والا ہے جب ظالموں کو ظلم کی طاقت نہ رہے گی اور غلبہ اسلام مسلمانوں کو حاصل ہوگا۔

☆ ایسی تسلی کے لئے انبیاء کے قصے بھی ذکر کئے گئے ہیں کہ ایمان والوں میں سب سے زیادہ اور سخت آزمائش اللہ کے نبیوں پر آئیں تاکہ ایمان والے جان لیں کہ یہ

آزمائشیں اور تکلیفیں صرف انہی کونہیں آرہی بلکہ پہلے لوگوں کو بھی یہ آزمائشیں آئی ہیں اور ان آزمائشوں کو بھی انہی کا فائدہ ہے چنانچہ آیت ۷ میں ارشاد فرمایا: ''جو شخص بھی ہمارے راستے میں محنت، مشقت اٹھاتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے محنت اٹھاتا ہے۔

مکی زندگی کے اس زمانے میں کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ اولاد مسلمان ہوگئی اور والدین کفر پر بضدر ہے اور اپنی اولاد کو واپس کفر اختیار کرنے پر مجبور کرنے لگے۔ ان کا کہنا تھا کہ اولاد کے ذمہ ہے کہ والدین کی اطاعت کریں۔ اس لئے اس سورت کی آیت ۸ میں اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ معتدل اور برحق اصول بیان فرمایا کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک انسان پر فرض ہے لیکن اگر وہ کفر یا اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی بات نہ مانی جائے، اس معاملے میں ان کی اطاعت جائز نہیں۔

بعض کافر لوگ مسلمانوں پر زور دیتے تھے کہ دین اسلام کو چھوڑ دو اور اگر اس کے نتیجے میں تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سزا آئی تو تمہاری طرف سے ہم بھگت لیں گے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۱۲، ۱۳ ر میں اسی لغو پیشکش کی حقیقت واضح کردی گئی ہے کہ آخرت میں کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے انہوں نے ایمان والوں سے کہا کہ ہمارے راستے کے پیچھے چلو تو ہم تمہاری خطاؤں کا بوجھ اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کی خطاؤں کا ذرا بھی بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور یہ لوگ یقیناً بالکل جھوٹے ہیں اور وہ اپنے گناہوں کے بوجھ بھی ضرور اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی۔

بیسویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) غیب کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاصہ ہے جو اس کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

(۲) قیامت کا انکار کرنے والے عنقریب اس کا یقین کریں گے مگر اس وقت ان کو یہ یقین نفع نہیں دے گا۔

(۳) دن اور رات میں بہت سی نشانیاں ہیں جو عقیدہ آخرت اور حساب و جزاء پر واضح دلالت کرتی ہیں۔

(۴) مؤمن وہ ہے کہ تلاوت قرآن اس کے دل کی زندگی کو نفع دے۔

(۵) توبہ ضروری ہے غلطی واقع ہو جانے کے بعد اور سب سے پہلی توبہ یہ ہے کہ اپنے گناہ کا اعتراف کرے۔

(۶) حسن ظن، قوی امید اور مکمل توکل اللہ پر رکھنا ضروری ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے۔ اس لئے بندے کو جب کوئی اہم امر درپیش ہو تو سنت کے مطابق استخارہ کر لینا چاہئے۔

(۸) اللہ کا فضل، رحمت اور عدل بندے کی حسنات کو دگنا کر دیتا ہے اور سیئات کو اتنا ہی کم کر دیتا ہے۔

(۹) ضروری ہے والدین کے ساتھ نیکی کرنا معروف کاموں میں اور شرک و معاصی میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

(۱۰) جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ جنت میں ان کو صالحین کا ساتھ نصیب فرمائیں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝
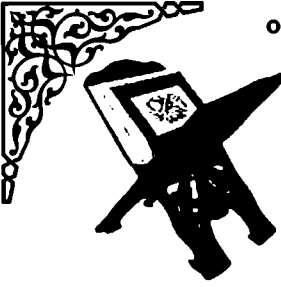
بیسویں تراویح

اُتۡلُ مَآ اُوۡحِیَ (اکیسواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں اکیسویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔سورہ عنکبوت کے چار رکوع بیسویں سپارے میں تھے اور بقیہ تین رکوع اکیسویں سپارے میں ہیں۔اکیسویں سپارے کی پہلی آیت جوسورۂ عنکبوت کی ۴۵ویں آیت ہے۔اس سے کتاب اللہ کی تلاوت اور نماز کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے اور نماز کا فائدہ یہ بتایا ہے کہ ''نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔'' واقعی حقیقت یہ ہے کہ اگر آدمی نماز کو نماز کے طریقے پر پڑھے اور اس کی شرائط وآداب کا لحاظ رکھے اور اس کے مقصد پر دھیان بھی ہو تو یقیناً اس کے ثمرات ونتائج ضرور حاصل ہوتے ہیں اور اس کی نماز اس کو بے حیائی اور برے کاموں سے ضرور روکے گی۔پھر یہ ہی نماز اس کے اور اس کے گناہوں کے درمیان رکاوٹ بن جاتی ہے کیونکہ جب انسان نماز میں سب سے پہلے تکبیر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان اور اقرار کرتا ہے تو وہ اللہ کے سامنے اس بات کا اقرار اور عہد کرتا ہے کہ یا اللہ میں آپ ہی کی بندگی کرتا ہوں اور آپ ہی سے مدد مانگتا ہوں لہٰذا اس کے بعد جب کسی گناہ کا خیال اس کے دل میں آئے تو اگر اس نے نماز دھیان سے پڑھی ہے تو اس کا یہ عہد اس کو گناہ سے روکے گا اور اس کے رکوع، سجدے اور نماز کی ہر حرکت وسکون اس کو بندگی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔اس لئے جو شخص نماز کو سوچ سمجھ کر اس طرح پڑھے جیسے پڑھنا چاہئے تو نماز اسے یقیناً برائیوں سے روکے گی۔

امام ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز میں تین صفات پائی جاتی ہیں:

(۱) خلوص (۲) خشیت (۳) ذکر اللہ

اخلاص نمازی کو نیکی پر آمادہ کرتا ہے۔ خشیت اسے برائیوں سے روکتی ہے اور ذکر جو کہ قرآن ہے وہ اسے نیکی کا حکم بھی دیتا ہے اور منکرات سے بھی روکتا ہے۔ جس نماز میں ان تینوں میں سے کوئی صفت بھی نہ پائی جائے وہ حقیقت میں نماز ہی نہیں۔ (خلاصۃ القرآن)

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جس کی نماز نے اُسے برے اور فحش کاموں سے نہ روکا اس کو اس کی نماز نے اللہ سے اور زیادہ دور کر دیا۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ اس شخص کی کوئی نماز نہیں ہے جس نے نماز کی اطاعت نہ کی اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ آدمی فحش و منکرات سے رک جائے۔ ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے جسے اس کی نماز نے فحش اور برے کاموں سے نہ روکا اس کی نماز، نماز نہیں ہے۔ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی نماز قبول ہوئی ہے یا نہیں اسے دیکھنا چاہیے کہ اس کی نماز نے اسے فحش اور منکرات سے کہاں تک روکا۔ اگر نماز کے پڑھنے سے وہ برائیوں سے رُک گیا تو اس کی نماز قبول ہوئی۔ (درس قرآن)

اس وقت معاشرے میں ہر طرف بے راہ روی، بے حیائی اور فحاشی پھیلی ہوئی ہے کیونکہ ہماری نمازیں بے جان ہیں، ہماری مسجدیں ویران اور بازار آباد ہیں اور جو لوگ نماز پڑھتے بھی ہیں تو ساتھ میں جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں، ظلم اور لوٹ کھسوٹ کا بازار بھی گرم رکھتے ہیں، بے پردگی، بدنظری اور فحاشی میں بھی ملوث ہیں۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے اور ہماری نمازوں کو فحش باتوں اور کاموں سے روکنے والی بنائے۔

حضور اکرم ﷺ اُمی تھے یعنی نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا جانتے تھے اور یہ آپ کی صداقت کی، قرآن کریم کی حقانیت کی اور دین اسلام کی سچائی کی بہت بڑی دلیل ہے۔ آیت ۴۸ میں اس کی حکمت بیان کی گئی ہے کہ اُمی ہونے کے باوجود جب آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم جاری ہوا تو یہ بذاتِ خود ایک عظیم معجزہ ہے کہ جس شخص نے نہ لکھنا سیکھا نہ پڑھنا سیکھا وہ ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کر رہا ہے، جس کی مثال پیش کرنے سے پورا عرب عاجز ہو گیا۔ اسی آیت میں قرآن کریم نے فرمایا اگر آپ پڑھنا لکھنا جانتے تو باطل والے مین میخ نکال سکتے تھے یعنی یہ کہنے کا کچھ نہ کچھ موقع مل جاتا کہ آپ نے یہ مضامین

کہیں سے پڑھ کر جمع کر لئے ہیں۔

آیت ۵۱/میں فرمایا بھلا کیا ان کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب اُتاری ہے، جو ان کو پڑھ کر سنائی جارہی ہے یعنی یہ قرآن کریم خود ایک زندہ جاوید معجزہ ہے اس کی موجودگی میں کسی دوسرے معجزہ کو طلب کرنا سوائے جہالت کے اور کچھ نہیں۔

قرآن کریم کل بھی معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے اور جیسے جیسے سائنس ترقی کر رہی ہے اور انسان کی معلومات اور علم میں اضافہ ہوتا جارہا ہے ویسے ویسے قرآن کریم کی صداقت، قرآن کریم کی حقانیت، قرآن کریم کی اعجازی شان بھی اسی اعتبار سے واضح ہوتی چلی جارہی ہے۔

سورہ عنکبوت کی آخری آیت میں ارشاد فرمایا: ''اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی کوششوں کو رائیگاں نہیں جانے دیتے۔

سورۃ الروم

سورہ روم مکی ہے، اس میں ۶۰/آیات اور ۶/رکوع ہیں۔

اس سورت کا ایک خاص تاریخی پس منظر ہے جو حضور اکرم ﷺ اور قرآن کریم کی سچائی اور حقانیت کا ناقابل انکار ثبوت ہے۔ جس وقت آنحضرت ﷺ کو نبوت عطا ہوئی اس وقت دنیا میں دو بڑی طاقتیں تھیں، ایک ایران کی حکومت جو مشرق کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی اور اس کے ہر بادشاہ کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ آتش پرست تھے۔ دوسری بڑی طاقت روم کی تھی جو مکہ کے شمال مغرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک اور یورپ کے علاقے اسی سلطنت کے ماتحت تھے اور اس کے ہر بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا اور ان کی اکثریت عیسائی مذہب پر تھی۔ جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی ہے اس وقت دونوں طاقتوں کے درمیان شدید جنگ ہو رہی تھی اور اس جنگ میں ایران کا پلہ ہر لحاظ سے بھاری

تھا اور اس کی فوجوں نے ہر ہر محاذ پر روم کی قوموں کو شکست دے کر ان کے بڑے بڑے شہر فتح کر لئے تھے۔

ایران کی حکومت چونکہ آتش پرست تھی اس لئے مکہ مکرمہ کے بت پرستوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں چنانچہ جب کبھی ایران کی کسی فتح کی خبر آتی تو مکہ مکرمہ کے بت پرست اس پر نہ صرف خوشی مناتے بلکہ مسلمانوں کو چڑاتے کہ عیسائی لوگ جو آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، مسلسل شکست کھاتے جا رہے ہیں اور ایران کے لوگ جو ہماری طرح کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کو نہیں مانتے انہیں برابر فتح نصیب ہو رہی ہے۔ اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی اور اس کی ابتدائی آیات میں یہ پیشن گوئی کی گئی کہ روم کے لوگ اگرچہ اس وقت شکست کھا گئے ہیں لیکن چند سالوں میں وہ فتح حاصل کر کے ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے اور اس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے، اس طرح اس سورت کے شروع میں بیک وقت دو پیشن گوئیاں کی گئیں ایک یہ کہ روم کے جو لوگ شکست کھا گئے ہیں وہ چند سالوں میں ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے اور دوسری یہ کہ مسلمان جو اس وقت مکہ مکرمہ کے مشرکین کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار ہیں اس دن وہ بھی مشرکین پر فتح منائیں گے۔ یہ دونوں پیشن گوئیاں اس وقت کے ماحول میں اتنی بعید از قیاس تھیں کہ کوئی شخص جو اس وقت کے حالات سے واقف ہو ایسی پیشن گوئیاں نہیں کر سکتا تھا۔ مسلمان اس وقت جس طرح کافروں کے ظلم و ستم میں ڈوبے اور پسے ہوئے تھے، اس کے پیش نظر کوئی امکان نہ تھا کہ وہ اپنی فتح کی خوشی منائیں۔ دوسری طرف سلطنت روما کا حال بھی یہ تھا کہ اس کے ایرانیوں کے مقابلے میں ابھرنے کا دور دور کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے مشرکین نے اس پیشن گوئی کا بہت مذاق اڑایا۔ یہاں تک کہ ان کے ایک مشہور سردار ابی بن خلف نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ شرط لگائی کہ اگر آئندہ نو سال کے درمیان روم کے لوگ ایرانیوں پر غالب آ گئے تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دے گا اور اگر اس عرصے میں وہ غالب نہ آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو سو اونٹ دیں گے (اس وقت تک اس طرح دو طرفہ شرط لگانا حرام نہیں ہوئی تھی) چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ایرانیوں کی

فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ قیصر کے پایہ تخت قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے۔ لیکن اس کے بعد حالات نے عجیب وغریب پلٹا کھایا اور ہرقل نے مجبور ہوکر ایرانیوں پر عقب سے حملہ کردیا جس میں ایسی کامیابی نصیب ہوئی جس نے جنگ کا پانسہ پلٹ کررکھ دیا۔ اس پیشن گوئی کو ابھی سات سال گزرے تھے کہ رومیوں کی فتح کی خبر عرب تک پہنچ گئی۔ جس وقت یہ خبر پہنچی یہ ٹھیک وہ وقت تھا جب بدر کے میدان میں سردار دو عالم ﷺ نے قریش مکہ کے لشکر کو عبرتناک شکست دی تھی اور مسلمانوں کو اس فتح پر غیر معمولی خوشی حاصل ہوئی تھی۔ اس طرح قرآن کریم کی دونوں پیشن گوئیاں کھلی آنکھوں اس طرح پوری ہوئیں جن کا بظاہر کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا اور اس سے آنحضرت ﷺ اور قرآن کی سچائی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی۔ اس وقت ابی بن خلف جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شرط لگائی تھی مرچکا تھا لیکن اس کے بیٹوں نے شرط کے مطابق سو اونٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ادا کئے اور چونکہ اس وقت جوئے کی حرمت آچکی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ ان اونٹوں کا صدقہ کردیں۔ (آسان ترجمہ قرآن)

سورہ روم کی آیت نمبر ۱۷اور ۱۸ میں پانچ نمازوں کے اوقات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ قرآن کریم میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں اور پھر یہی آیات تلاوت فرمائیں۔ ابوداؤد اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں آیتوں کے متعلق ارشاد فرمایا یعنی

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ○

کہ جس شخص نے صبح کے وقت یہ کلمات پڑھ لئے تو دن بھر اس کے عمل میں جو کوتاہی ہوگی وہ ان کلمات کی برکت سے پوری کردی جائے گی اور جس نے رات کے وقت یہ کلمات پڑھ لئے تو اس کے رات کے اعمال کی کوتاہی اس کے ذریعے پوری کردی جائے گی۔ (معارف القرآن)

آیت نمبر ۲۰ تا ۲۷ رمیں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے چھ مظاہر آیات قدرت کے عنوان سے بیان فرمائے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت وحکمت کی نشانیاں ہیں۔

(۱) انسان جیسے اشرف المخلوقات اور حاکم کائنات کو مٹی سے پیدا کیا جو عناصر اربعہ ''آگ، پانی، ہوا اور مٹی'' کا مجموعہ ہے۔ ان میں مٹی سب سے زیادہ ادنیٰ درجہ کا عنصر ہے۔ انسان کی تخلیق کا مادہ مٹی ہونا حضرت آدم علیہ السلام کے اعتبار سے تو ظاہر ہے اور باقی انسانوں کے اعتبار سے اس طرح کہ اس کی غذائی اور جسمانی ضروریات مٹی سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔

(۲) انسان ہی کی جنس میں اللہ تعالیٰ نے عورتیں پیدا کیں اور ان کے درمیان میاں بیوی کا رشتہ قائم فرمایا اور پھر ان میں بے مثال محبت پیدا کردی حالانکہ بعض اوقات شادی سے پہلے ان کا آپس میں کوئی تعلق اور تعارف ہی نہیں ہوتا۔

(۳) انسانوں کے مختلف طبقات کی زبانیں اور لب و لہجے اور رنگ مختلف بنادیئے، کوئی عربی اور اردو بول رہا ہے تو کسی کی زبان فارسی، فرانسیسی یا انگریزی ہے، کسی کا رنگ کالا ہے اور کسی کا سُرخ ہے۔

(۴) رات اور دن کی تقسیم فرمادی کہ رات کے وقت آرام کرو اور دن کے وقت اللہ کے فضل کو یعنی رزق تلاش کرو اور اس تقسیم پر انسان اور خالق کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا اگر یہ کام لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا تو کچھ لوگ ایک وقت سونا چاہتے اور دوسرے لوگ اسی وقت میں اپنے کام کرکے ان کی نیند خراب کرتے۔

(۵) آسمانی بجلی بھی اللہ کی ایک نشانی ہے کہ جب یہ چمکتی ہے تو ڈر بھی ہوتا ہے کہ کہیں گر نہ جائے اور ساتھ ہی یہ امید بھی ہوتی ہے کہ اللہ کی رحمت یعنی بارش برسنے والی ہے جس سے مردہ زمین زندہ ہوسکے گی۔

(۶) زمین و آسمان کے ذریعے اللہ نے جو ایک مستحکم نظام قائم کررکھا ہے یہ بھی اللہ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے کہ آسمان کی چھت بغیر ستون کے کھڑی ہے اور ستارے اس کے مدار میں اپنے کام میں مشغول ہیں۔ اسی طرح زمین بھی مسلسل حرکت میں ہے مگر ان

سب کی حرکت کا کسی کو احساس ہے اور نہ ان کے کام میں ان سے کوئی شکایت۔

اس کے علاوہ بھی اس سورت میں قدرت الٰہی کے متعدد ایسے دلائل اور مشاہدات کا تذکرہ ہے جو عظمت خداوندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں مگر ان نشانیوں سے فائدہ وہ ہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو غور وفکر کرنے والے ہوں اور ان کے دل مردہ نہ ہوں چنانچہ کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ سورت کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں ''حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کی خاطر ہر قسم کی باتیں بیان کی ہیں اور (اے پیغمبر) ان کا حال یہ ہے کہ آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی لے آئیں یہ کافر لوگ پھر بھی یہ ہی کہیں گے کہ تم تو جھوٹے ہو۔ (آیت:۵۸)

سورۃ لقمان

سورہ لقمان مکی ہے اور اس میں ۳۴ر آیات اور ۴ر رکوع ہیں۔ اس سورت کے شروع میں قرآن کریم کو نیک لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سبب قرار دیا ہے اور نیک لوگوں کی تین علامات بیان فرمائی ہیں:

(۱) نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۲) زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے ہیں۔

(۳) آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔

جن لوگوں میں یہ صفات پائی جائیں ان کے بارے میں فرمایا کہ ''یہ ہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی طرف سے سیدھے راستے پر ہیں اور یہ ہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔''

آیت ۶ر میں مکہ مکرمہ کے ایک مشرک نضر بن حارث کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ اپنی تجارت کے لئے مختلف ممالک کا سفر کرتا اور وہاں سے وہاں کے بادشاہوں کے قصوں پر مشتمل کتابیں خرید لاتا۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک گانے والی لونڈی بھی خرید لایا تھا اور لوگوں سے کہتا کہ محمد (ﷺ) تمہیں عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں میں تمہیں ان سے زیادہ دلچسپ قصے اور گانے سناؤں گا۔

اس آیت شریفہ سے ایک اصول یہ معلوم ہوا کہ ہر وہ دل بہلانے کا مشغلہ جو انسان کو اپنے دینی فرائض سے غافل اور بے پرواہ کر دے ناجائز ہے۔ کھیل اور دل بہلانے کو صرف وہ مشغلے جائز ہیں جن میں کوئی فائدہ ہو مثلاً جسمانی یا ذہنی ورزش وغیرہ اور ان مشاغل سے نہ کسی کو تکلیف پہنچے اور نہ دینی فرائض سے غفلت ہو۔

سورہ لقمان حضرت لقمان کے نام سے موسوم ہے کیونکہ اس کے دوسرے رکوع میں حضرت لقمان کی نصیحتوں کا تذکرہ ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔

حضرت لقمان اہل عرب کے ایک بڑے عقل مند اور دانشور کی حیثیت سے مشہور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ درجے کی عقل وفہم ودانائی عطا فرمائی تھی مگر اکثر مفسرین کے نزدیک وہ پیغمبر نہیں تھے۔ قرآن کریم نے یہ بتایا کہ حضرت لقمان جن کو تم بھی مانتے ہو وہ بھی توحید کے قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی پانچ نصیحتیں ذکر فرمائی ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ یہ بڑی قیمتی اور جامع نصیحتیں ہیں جو کہ عقیدہ، عبادت، سلوک اور اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں۔

نصیحت (۱): اے بیٹا اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

نصیحت (۲): آسمان اور زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ اللہ سے مخفی نہیں اللہ ذرّہ ذرّہ کا علم رکھتا ہے اور ظاہر اور مخفی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔

نصیحت (۳): اے بیٹا نماز کو قائم رکھو، اچھے کاموں کا حکم دو، برائی سے منع کرو اور مصیبت کے وقت صبر سے کام لو۔

نصیحت (۴): اے بیٹا لوگوں سے تکبر سے پیش نہ آنا اور غرور سے ان کو مت دیکھنا کہ یہ اخلاق حسنہ کے خلاف ہے۔

نصیحت (۵): زمین پر اکڑ کر نہ چلنا بلکہ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرنا اس طرح بولتے وقت اپنی آواز کو پست رکھنا کیونکہ متکبرانہ انداز اللہ کو پسند نہیں۔

انہی نصیحتوں کے درمیان میں اللہ تعالیٰ نے خود والدین کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کی ہے۔

سورت کے اختتام پر ان پانچوں چیزوں کا تذکرہ فرمایا جن کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔

(۱) قیامت کب آئے گی۔ (۲) بارش کب اور کتنی برسے گی۔
(۳) ماں کے پیٹ میں کیا ہے لڑکا یا لڑکی
(۴) انسان کل کیا کرے گا (۵) موت کب اور کس جگہ آئے گی۔

ان پانچ مغیبات کو رسول اللہ ﷺ نے غیب کی چابیاں قرار دیا ہے۔

سورۃ السجدہ

یہ سورت بھی مکی ہے، اس میں ۳۰/آیات اور ۳/رکوع ہیں۔ اس سورت کا مرکزی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات ہے۔ اس سورت کی آیت ۱۵/میں سجدے کی آیت ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ سجدہ رکھا گیا۔

رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں بکثرت یہ سورت پڑھا کرتے تھے اور آپ ﷺ روزانہ رات کو سوتے وقت بھی سورۃ الملک کے ساتھ اس سورت کی بھی تلاوت کیا کرتے تھے۔ جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی اس وقت کفار مکہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں مختلف باتیں کیا کرتے تھے کہ نعوذ باللہ یہ عجیب عجیب باتیں گھڑ گھڑ کر سنا رہے ہیں، کبھی مرنے کے بعد کی خبریں دیتے ہیں، کبھی دوبارہ زندہ کئے جانے کا تذکرہ کرتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ مجھ پر آسمان سے وحی آتی ہے اور یہ اللہ کا کلام ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان باتوں کو وہ عجیب وغریب سمجھتے اور کہتے کہ یہ کلام تو ان کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی پر یہ سورت نازل فرمائی۔

آیت ۴/میں زمین وآسمان کو چھ دن میں بنائے جانے کا تذکرہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کن فیکون کی مالک ذات ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو پلک جھپکنے میں زمین وآسمان تخلیق ہو سکتے تھے لیکن بتدریج چھ دنوں میں انہیں وجود بخشنے میں یقیناً اس کی حکمت بالغہ کا کمال ہے، جس کی حقیقت کو وہی جانتا ہے۔

آیت ۵/میں اللہ کا ارشاد ہے کہ ”پھر وہ کام ایک ایسے دن میں اس کے پاس اوپر پہنچ

جاتا ہے جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہوتی ہے۔" ایک ہزار سال سے کیا مطلب ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو متشابہات میں شمار فرمایا ہے اور دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن امور کا فیصلہ فرماتے ہیں ان کی تنفیذ اپنے اپنے وقت پر ہوتی ہے چنانچہ بعض امور کی تنفیذ میں انسانوں کے اعتبار سے ایک ہزار سال بھی لگ جاتے ہیں لیکن اللہ کے نزدیک یہ ایک ہزار سال کوئی بڑی مدت نہیں ہے بلکہ ایک دن کے برابر ہے۔ چنانچہ سورہ حج کی آیت ۴۷ میں فرمایا کہ "کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا و آخرت کا عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنے دن گزر گئے کوئی عذاب نہیں آیا۔ اگر واقعی عذاب آتا ہے تو ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کر رکھا ہے وہ تو ضرور پورا ہوگا۔ رہا اس کے آنے کا وقت تو وہ اللہ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہے اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہوگئی تو جس مدت کو تم ایک ہزار کے برابر سمجھتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔

اس سورت کی آیت ۷ تا ۹ ر میں انسان کی تخلیق کے مراحل کو ذکر فرمایا ہے کہ اللہ نے اسے کس طرح مٹی سے پانی، نطفہ سے لوتھڑا، لوتھڑے سے بوٹی اور بوٹی سے ہڈی اور پھر ایک انتہائی پرکشش اور متناسب انسان بننے تک کے مراحل سے گزارا ہے۔

آیت ۱۵ ر سے ایمان والوں کی علامات بیان کی گئی ہیں کہ

(۱) وہ دنیا میں اللہ کے سامنے جھکتے رہتے ہیں۔

(۲) وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور تکبر بالکل نہیں کرتے۔

(۳) راتوں کو ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں۔

(۴) وہ اپنے پروردگار کو ڈر اور امید کے ساتھ پکار رہے ہوتے ہیں۔

(۵) اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

ان علامات کو بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: "کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے

لئے آخرت میں آنکھوں کی کیسی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے: ''یعنی جو نعمتیں ان کے لئے چھپا کر رکھی گئی ہیں وہ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آ سکتیں۔

سورۃ الاحزاب

یہ سورت مدنی ہے۔ اس میں ۷۳/آیات اور ۹/رکوع ہیں۔ اس سورت کا آدھا حصہ ۲۱/ویں سپارے میں ہے اور بقیہ آدھا حصہ ۲۲/ویں سپارے میں ہے۔ اس سورت کو ''احزاب'' اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں غزوۂ خندق کا تذکرہ ہے، جس میں کفار کے مختلف قبائل اور جماعتوں نے حصہ لیا تھا جس کو احزاب کہا جاتا ہے یعنی بہت سارے گروہ اور جماعتیں۔ یہ سورت مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد چوتھے اور پانچویں سال کے درمیان نازل ہوئی اور اس میں کئی اہم احکام ومضامین بیان کئے گئے ہیں۔

مثلاً (۱) جو شخص بہت زیادہ ذہین ہوتا لوگ کہتے اس کے سینے میں دو دل ہیں فرمایا ہرگز نہیں اللہ نے کسی بھی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔ (آیت ۴)

(۲) زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ ''تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔'' تو وہ عورت اس کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی لیکن قرآن کریم نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنی جن بیویوں کو ماں کی پشت سے تشبیہ دے دیتے ہو ان کو تمہاری ماں نہیں بنایا۔ (آیت ۴)

(۳) زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا تصور کیا جاتا تھا اور اس کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے تھے جو حقیقی بیٹے کو حاصل ہوتے تھے لیکن قرآن کریم نے ارشاد فرمایا: ''اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا قرار دیا ہے۔ یہ تو باتیں ہی باتیں ہیں جو تم اپنے منہ سے کہہ دیتے ہو۔'' (آیت ۴)

(۴) منہ بولے بیٹے کے حقیقی بیٹے کے برابر ہونے کی تردید فرمانے کے بعد بتایا گیا کہ آپ ﷺ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے والد حقیقی کا حکم تو نہیں رکھتے مگر آپ کی اُبوّت

ساری امت کے لئے عام ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ”یہ نبی ان کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں۔“ اور آپ کی ازواج کے بارے میں فرمایا کہ وہ ساری امت کی روحانی مائیں ہیں، ان کا ادب واحترام واجب ہے اور ان کے ساتھ نکاح حرام ہے۔

(۵) آیت ۹ر سے غزوہ احزاب اور غزوۂ بنوقریظہ کا تذکرہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شوال ۵ ہجری میں بدر اور احد کی ناکامیوں کے بعد قریش نے بدلہ لینے کے لئے عرب کے دوسرے قبائل کو بھی جمع کیا اور ان کو متحد کر کے مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا۔ مشرکین کی تعداد اس وقت دس یا پندرہ ہزار تھی اور ان میں وہ قبائل بھی شامل تھے جن سے مسلمانوں کا صلح کا معاہدہ تھا یعنی یہود بنونضیر اور یہود بنوقریظہ۔

آنحضرت ﷺ نے بھی مسلمانوں کو جمع فرمایا، اس وقت مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھود دی تاکہ دشمن اسے عبور کر کے شہر تک نہ پہنچ سکے۔ ان کفار نے تقریباً ایک مہینہ تک مدینہ منورہ کا محاصرہ کیا، اللہ نے اس دوران میں انہی کے درمیان پھوٹ ڈال دی اور ان پر طوفانی آندھی بھیج دی جس کی زد میں آ کر ان کے خیمے اکھڑ گئے، ان کے جانور بدک گئے اور اللہ نے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہ سب کے سب دشمن جنگ کے بغیر ہی تتر بتر ہو گئے۔

ان دشمنوں کے راہ فرار اختیار کر لینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو بنوقریظہ کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ بنوقریظہ یہ یہودیوں کا قبیلہ تھا اور مدینہ منورہ کے مضافات میں آباد تھا اور آپ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد ان سے معاہدہ کیا تھا جس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ایک دوسرے کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے مگر بنوقریظہ نے قریش کے ساتھ ساز باز کر کے مدینہ پر ان کے ساتھ مل کر حملہ کیا تو اللہ نے ان آستین کے سانپوں کے قلع قمع کرنے کا حکم نازل فرمایا، جس میں ان کے بہت سے افراد قتل ہوئے اور بہت سے گرفتار بھی ہوئے۔

(۶) سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۱ر میں غزوہ احزاب کے ذیل میں ارشاد فرمایا:

حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔''

مفسرین نے لکھا ہے کہ ویسے تو یہ آیت ایک خاص موقع (یعنی غزوہ احزاب کے موقع پر جبکہ آپ ﷺ نے صبر وتحمل، استقامت، عدیم المثال شجاعت اور اخوت ومساوات کی مثالیں قائم کیں) پر نازل ہوئی اور اس وقت واقعی صحابہ کرام کے سامنے آپ ہی کی ذات تھی جو بہترین نمونہ اور مثال تھی جس کی وجہ سے ان کے اندر اتنی ہمت بھی پیدا ہوگئی تھی کہ وہ اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کے سامنے ڈٹ گئے مگر یہ آیت صرف اس موقع کے ساتھ خاص نہیں بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر موقع پر آپ ﷺ کی ذات ہی بہترین نمونہ ہے۔

نقش قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

اکیسویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) قرآن کریم کا کسی چیز کے واقع ہونے سے پہلے اس کی خبر دینا اور اس کا پھر اسی طرح واقع ہو جانا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن وحی الٰہی ہے۔

(۲) قرآن کریم رحمت اور نصیحت ہے مومنین کے لئے۔

(۳) مشرکین دونوں جہانوں میں خسارے میں ہیں کیونکہ انہوں نے باطل کو اختیار کرلیا ہے حق کے بدلے میں۔

(۴) شریعت میں سفر کرنے کی اجازت ہے مگر چند شرائط کے ساتھ: ☆ وہ سفر کسی گناہ کے کام کے لئے نہ ہو ☆ اس سفر کی وجہ سے کوئی فرض نہ چھوٹے ☆ اس سفر کی وجہ سے اللہ کی کوئی ناراضگی نہ ہو۔

(۵) جولوگ اپنے کانوں اور عقل کا صحیح استعمال کرتے ہیں ان کو ایمانی حیات حاصل ہے کیونکہ ایمان ایک روح ہے جب کسی جسم میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ شخص صحیح بات کو سننے والا، دیکھنے والا اور غور وفکر کرنے والا ہو جاتا ہے۔

(۶) لوگوں کی گمراہی کی وجہ ان کا خواہشات کی اتباع کرنا ہے کی اتباع ہے بغیر علم کے۔

(۷) اللہ تعالیٰ متقین کو پسند کرتے ہیں اور کفار کو ناپسند کرتے ہیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمتیں اس وجہ سے عطا کرتے ہیں کہ وہ اللہ کا شکر ادا کریں لیکن جب وہ ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دیتا ہے جو چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے۔

(۹) واجب ہے مومنین کے راستے کی اتباع کرنا اور حرام ہے اہل بدعت کے طریقہ پر چلنا۔

(۱۰) پہلے کی امتوں کی ہلاکت میں بہت بڑی عبرت ہے اس شخص کے لئے جو دل رکھتا ہو اور اس کے کان اور آنکھیں کھلی ہوں۔ (سجدہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم○
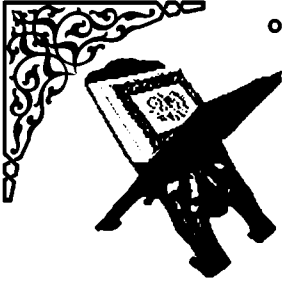
اکیسویں تراویح

وَمَنْ يَّقْنُتْ (بائیسواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں بائیسویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔اس سپارے کی ابتداء سورہ احزاب کے چوتھے رکوع سے ہو رہی ہے اور اس رکوع کی ابتدائی چند آیات جو اکیسویں سپارے کے آخر میں ہیں ان میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے خطاب تھا۔

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن یوں تو ہر قسم کے سرد و گرم حالات میں بڑی استقامت سے آپ ﷺ کا ساتھ دیتی آئی تھیں لیکن غزوہ احزاب اور غزوہ بنو قریظہ کے بعد مسلمانوں کو کچھ خوش حالی حاصل ہوئی تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس تنگی اور ترشی میں وہ اب تک گزارا کرتی رہی ہیں، اب اس میں کچھ تبدیلی آنی چاہئے چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس خیال کا ذکر بھی کر دیا اور یہ مثال بھی دی کہ قیصر و کسریٰ کی بیگمات بڑی سج دھج کے ساتھ رہتی ہیں، ان کی خدمت کے لئے کنیزیں موجود ہیں۔اب جبکہ مسلمانوں میں خوش حالی آ چکی ہے تو ہمارے نفقے میں بھی اضافہ ہونا چاہئے۔اگرچہ ازواج مطہرات کے دل میں مالی وسعت کی خواہش کا پیدا ہونا کوئی گناہ کی بات نہ تھی لیکن اوّل تو پیغمبر اعظم ﷺ کی ازواج ہونے کی حیثیت سے یہ مطالبہ ان کے شایانِ شان نہیں سمجھا گیا۔دوسرے شاید بادشاہوں کی بیگمات کی مثال دینے سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف پہنچی ہو کہ وہ اپنے آپ کو ان بیگمات پر قیاس کر رہی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے ان آیات کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو ہدایت دی کہ آپ یہ بات ازواج مطہرات سے واضح کر لیں کہ اگر پیغمبر کے ساتھ رہنا ہے تو اپنے سوچنے کا انداز بدلنا ہوگا۔دوسری عورتوں کی طرح ان کا مطمح نظر دنیا کی سج دھج نہیں ہونا چاہئے۔اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی اطاعت اوراس کے نتیجے میں آخرت کی بھلائی ہونی چاہئے اور ساتھ ہی ان پر یہ بات بھی واضح کردی گئی کہ اگر وہ دنیا کی زیب وزینت کو پسند کریں گی تو پیغمبر ﷺ کی طرف سے ان کو کھلا اختیار ہے کہ وہ آپ سے علیحدگی اختیار کرلیں۔ اس صورت میں بھی آپ ﷺ انہیں کسی تلخی کے ساتھ نہیں بلکہ سنت کے مطابق (کپڑوں کے) جوڑے وغیرہ کے تحفے دے کر خوش اسلوبی سے رخصت فرمائیں۔ چنانچہ ان آیات کے احکام کے مطابق آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات کو یہ پیشکش فرمائی اور تمام ازواج نے اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی رہنے کو پسند کیا خواہ اس کے لئے کیسی ہی تنگی ترشی برداشت کرنی پڑے۔ رضی اللہ عنہن اجمعین۔

اس موقع پر ازواج مطہرات کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''اے نبی کی بیویوں! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔'' ان کی فضیلت بیان کرنے کے بعد انہیں سات احکام دیئے گئے ہیں جو بظاہر ازواج مطہرات کو دیئے گئے لیکن درحقیقت یہ پوری امت مسلمہ کی خواتین کو دیئے گئے ہیں۔

(۱) نامحرم مردوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے لوچ دار لہجہ نہیں اختیار کرنا چاہئے یعنی جان بوجھ کر ایسا لہجہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جس میں نزاکت اور کشش ہو البتہ بات بغیر بداخلاقی کے پھیکے انداز میں کردینا چاہئے۔ اس سے معلوم ہو کہ جب صرف عام گفتگو کا یہ حکم ہے تو غیر مردوں کے ساتھ ہنسنا بولنا ترنم کے ساتھ اشعار پڑھنا یا گانا وغیرہ کتنا بُرا ہوگا۔

(۲) بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلے کیونکہ عورت کا اصل مقام اور محفوظ ٹھکانہ اس کا گھر ہے۔ اس آیت شریفہ سے یہ اصول معلوم ہوگیا کہ عورت کا اصل فریضہ گھر اور خاندان کی تعمیر ہے اور ایسی سرگرمیاں جو اس مقصد میں خلل پیدا کریں اس سے معاشرے کا توازن بگڑ جاتا ہے۔

(۳) زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی زینت اور ستر کا اظہار کرتے ہوئے باہر نہ نکلیں۔ قرآن کریم نے اس کے لئے ''پہلی جاہلیت'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے مراد آنحضرت ﷺ سے پہلے کا زمانہ ہے مگر ساتھ ہی مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے اس

طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک جاہلیت آخر زمانے میں بھی آنے والی ہے اور کم از کم اُس بے حیائی کے مقابلے میں اس زمانے کی جاہلیت ہماری آنکھوں کے سامنے اس طرح آ چکی ہے کہ اس نے پہلی جاہلیت کو بھی مات کر دیا ہے۔

(۴) نماز کی پابندی کریں۔

(۵) زکوٰۃ ادا کریں۔

(۶) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔

(۷) گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھیں۔

ان احکامات کے آخر میں ارشاد فرمایا ان سب باتوں کا مقصد یہ ہے کہ ''اے نبی کے گھر والوں اللہ یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کرے اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو۔'' مفسرین نے لکھا ہے کہ کیونکہ آگے پیچھے ذکر ازواج مطہرات کا چل رہا ہے اس لئے وہ تو ''اہل بیت'' میں براہِ راست داخل ہیں لیکن الفاظ کے عموم میں آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیاں اور ان کی اولاد بھی داخل ہے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو اپنی چادر میں ڈھانپ لیا اور یہ آیت تلاوت کی اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کو جو ہدایات و احکامات دیئے ہیں ان میں عموماً مذکر کا ہی صیغہ استعمال کیا ہے۔ اگرچہ خواتین بھی ان ہدایات و احکامات کی پابند ہیں لیکن بعض خواتین صحابیات کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ خاص مؤنث کے صیغے کے ساتھ بھی کوئی حکم نازل فرمائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب کی آیت ۳۵ر میں ایسے دس احکام نازل فرمائے جن میں مرد اور عورت دونوں کو براہِ راست خطاب فرمایا اور یہ احکام وصفات ایسے شاندار ہیں کہ مرد اور عورت میں سے جو کوئی بھی ان صفات کو اختیار کرے گا وہ مغفرت اور اجر عظیم کا مستحق بن جائے گا۔ وہ دس صفات یہ ہیں:

(۱) اسلام (۲) ایمان (۳) قنوت (دائمی اطاعت)
(۴) صدق (۵) صبر (۶) خشوع (۷) صدقہ
(۸) روزہ (۹) شرمگاہ کی حفاظت (۱۰) کثرت سے ذکر الٰہی

سورہ احزاب کی آیت ۳۶/ ایسے چند واقعات کے پس منظر میں نازل ہوئی جن میں حضور ﷺ نے کسی صحابی کا رشتہ کسی خاتون کے پاس بھیجا مگر وہ خاتون یا رشتہ دار شروع میں اس رشتے پر راضی نہیں ہوئے اور انکار کی وجہ صرف اپنی خاندانی یا مالی فوقیت تھی لیکن آنحضرت ﷺ یہ چاہتے تھے کہ لوگ صرف خاندانی یا مالی برتری کی وجہ سے اچھے رشتوں سے انکار نہ کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کردیں تو نہ کسی مومن مرد کے لئے یہ گنجائش ہے نہ کسی مومن عورت کے لئے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔'' چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد سب نے رشتہ منظور کرلیا اور آپ ﷺ کی تجویز کے مطابق ہی فیصلہ ہوا۔

سورہ احزاب کی آیت ۴/ میں یہ ارشاد فرمایا گیا تھا کہ متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) حقیقی بیٹے جیسا نہیں ہے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے متبنیٰ بیٹے تھے آپ نے ان کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کروایا تھا لیکن جب ان کے درمیان نباہ نہ ہوسکا اور ان کے درمیان جدائی واقع ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نکاح خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے پڑھا دیا۔ اس پر بڑا شور اٹھا کہ آپ ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا جبکہ جاہلی تصور میں یہ نکاح حرام تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت ۳۷/ میں ارشاد فرمایا ''جب زید نے اپنی بیوی سے تعلق ختم کرلیا تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کرادیا تاکہ مسلمانوں کے لئے اپنے منہ بولے بیٹے کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے۔''

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ یہ وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن کریم میں آیا ہے، اسی طرح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا وہ واحد خاتون

ہیں جن کا نکاح آسمان پر ہوا ہے۔

یہاں ضمنی طور پر یہ بات بھی جان لی جائے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے مخالفین نے ہمارے آقا ﷺ کی کثرت ازواج میں معاذ اللہ شہوت پرستی کے عنصر کو بنیادی وجہ قرار دینے کی ناکام اور ناپاک کوشش کی ہے۔ یہاں اگر دو بنیادی نکتوں کو ملحوظ رکھا جائے تو اعتراضات کی لغویت ظاہر ہو جاتی ہے۔ پہلا نکتہ یہ کہ آپ نے اپنی بھرپور جوانی ایک ایسی خاتون کے ساتھ گزار دی جو عمر میں آپ سے تقریباً دوگنی تھیں، جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے کسی دوسری خاتون کو اپنے عقد میں قبول نہیں کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ جتنی خواتین سے بھی آپ نے شادیاں کی ہیں وہ بڑھاپے کی حدود میں قدم رکھنے یعنی پچاس سال کی عمر کے بعد کی ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ کہ سوائے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آپ کی کوئی بیوی بھی کنواری نہیں تھی، اگر معاذ اللہ کثرت ازدواج سے آپ کا مقصد شہوت پرستی ہوتا تو آپ یہ شادیاں جوان اور باکرہ لڑکیوں سے کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تعدد ازواج میں تعلیمی، تشریعی، اجتماعی اور سیاسی حکمتیں پوشیدہ تھیں۔ (خلاصہ قرآن)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا منہ بولا بیٹا ہونے کی وجہ سے لوگ زید بن محمد کہنے لگے تھے۔ جب یہ حکم نازل ہوا کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا قرار نہیں دیا جا سکتا تو زید بن محمد کہنے کی بھی ممانعت ہوگئی چنانچہ آیت ۴۰ میں ارشاد فرمایا کہ آپ کسی مرد کے نسبی باپ نہیں ہیں (کیونکہ آپ کی زندہ رہنے والی اولاد میں صرف بیٹیاں تھیں) لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کی وجہ سے پوری امت کے روحانی باپ ہیں اور چونکہ آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے۔ اس لئے جاہلیت کی رسموں کو اپنے عمل سے ختم کرنے کی ذمہ داری آپ پر ہی عائد ہوتی ہے۔ (آسان ترجمہ قران)

آیت ۴۵/اور ۴۶/میں آپ ﷺ کی پانچ صفات جمیلہ کا ذکر فرمایا گیا ہے:

(۱) آپ کو شاہد بنایا گیا یعنی قیامت کے دن اپنی امت اور دوسری امتوں پر بھی گواہی دیں گے۔

(۲) آپ کو مبشر بنایا یعنی آپ اہل ایمان کو سعادت اور جنت کی بشارتیں سنانے والے ہیں۔

(۳) آپ کو نذیر بنایا یعنی کفار اور فجار کو اللہ کے عذاب اور ہلاکت سے ڈرانا آپ کی ذمہ داری ہے۔

(۴) آپ کو داعی بنایا یعنی آپ نیکی اصلاح، اخلاق حسنہ اور استقامت کی دعوت دینے والے ہیں۔

(۵) آپ کو سراج منیر یعنی ''چمکتا ہوا سورج'' بنایا کیونکہ آپ کی تشریف آوری سے ظلمتیں چھٹ گئیں اور حق واضح ہوگیا۔ جس طرح سورج کے طلوع سے رات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور دن کی روشنی چہار سو پھیل جاتی ہے اسی طرح آپ کی تشریف آوری سے بھی کفر کی ظلمت کا خاتمہ ہو کر حق کا نور ہر طرف چمک گیا۔

آیت ۵۰/اور ۵۱/ میں چند وہ احکاماتِ نکاح بیان کئے گئے جو حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔ مثلاً

(۱) عام مسلمانوں کو چار سے زیادہ نکاح کی اجازت نہیں۔ آپ ﷺ کو یہ اجازت دی گئی۔

(۲) عام مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ وہ مسلمان عورتوں کے ساتھ ساتھ کسی اہل کتاب عورت سے بھی نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن حضور ﷺ کے لئے اس کو جائز قرار نہیں دیا گیا کہ کوئی اہل کتاب عورت بغیر اسلام قبول کئے آپ کے نکاح میں آئے۔

(۳) عام مسلمانوں کے لئے بغیر مہر نکاح جائز نہیں لیکن آنحضرت ﷺ کے لئے جائز قرار دے دیا گیا کہ اگر کوئی عورت خود سے یہ پیشکش کرے کہ وہ آپ سے بغیر مہر کے نکاح کرنا چاہتی ہے اور آپ بھی ایسا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

(۴) عام مسلمانوں کے لئے یہ بات فرض ہے کہ اگر ان کے نکاح میں ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے پاس رہنے کی باریاں مقرر کرے اور ہر معاملے میں برابری کا سلوک کرے لیکن آپ ﷺ سے یہ پابندی اٹھالی گئی۔

آیت ۵۳ سے معاشرت کے کچھ آداب بیان کئے جارہے ہیں اور یہ آیات حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کے موقع پر نازل ہوئیں کہ اس وقت کچھ صحابہ کھانے کے وقت سے کافی پہلے آکر بیٹھ گئے اور کچھ حضرات کھانے کے بعد کافی دیر تک بیٹھے رہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے تین احکام نازل فرمائے:

(۱) کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوا کرو۔

(۲) اگر کھانے کی دعوت میں بلایا جائے تو کھانے کے بعد وہاں سے اٹھ جایا کرو۔ باتوں میں مشغول ہو کر اپنا اور صاحب خانہ کا وقت ضائع نہ کیا کرو۔

(۳) نامحرم عورت سے اگر سوال کرنا ہو تو پردے کے پیچھے سے کیا کرو، بلاحجاب سامنے نہ آیا کرو۔

غور کرنے کے بات یہ ہے کہ اس آیت میں جن عورتوں سے خطاب ہے وہ ازواجِ مطہرات ہیں اور جو مرد مخاطب ہیں وہ صحابہ کرام ہیں۔ آج کون ہے جو اپنے نفوس کو ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ پاکیزہ سمجھتا ہو تو پردہ کا حکم جب ان حضرات کے لئے ہے تو عام مسلمانوں کو اس کا کتنا اہتمام کرنا چاہئے۔ قرآن کریم ان آیات کے آخر میں ارشاد فرماتا ہے: ''یہ طریقہ تمہارے دلوں کو بھی اور ان کے دلوں کو بھی زیادہ پاکیزہ رکھنے کا ذریعہ ہوگا۔

سورہ احزاب کی آیت ۵۶ میں آپ ﷺ پر اہل ایمان کو درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے اور یہ واحد ایک ایسی عبادت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی شریک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ پر درود وسلام کا پڑھنا خود ہمارے لئے باعث عزت وتکریم ہے۔ آپ کا درجہ تو اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی بلند کر رکھا ہے، آپ ﷺ کو ہمارے درود کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں ضرورت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کی امت میں سے جو کوئی آپ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائیں گے اور جو کوئی ایک بار سلام بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار سلامتی نازل فرمائیں گے۔

آیت ۵۴ میں پردے کے حکم میں خطاب ازواج مطہرات سے تھا، اس لئے شبہ

ہوسکتا تھا کہ شاید یہ حکم انہی کے لئے خاص ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آیت ۵۹ میں اس بات کو واضح کردیا کہ اس حکم کے تحت ہر وہ عورت آتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو۔ حجاب شرعی میں چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) حجاب ایسا ہو کہ پورے بدن کو چھپالے۔

(۲) حجاب پرکشش اور لوگوں کو متوجہ کرنے والا نہ ہو۔

(۳) حجاب ایسا باریک نہ ہو کہ جس سے جسم کے رنگ جھلکیں۔

(۴) حجاب اتنا کشادہ ہو کہ جس سے جسم کے اعضاء ظاہر نہ ہوں۔

(۵) حجاب کی بناوٹ مردوں کے لباس کی طرح نہ ہو۔

(۶) حجاب ایسا نہ ہو جو کسی کافر کے لباس کے مشابہ ہو۔

ازواج مطہرات کو پردے کا حکم دیتے وقت فرمایا تھا کہ ''تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ۔ ظاہری بات ہے کہ ازواج مطہرات اور صحابہ کرام سے تو یہ توقع نہیں کہ وہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائیں گے۔ معلوم ہوا کہ یہ حکم عام مسلمانوں کے لئے ہے کہ اگر تم نے حجاب نہ کیا، پردے کا اہتمام نہ کیا تو اس طریقہ سے تم اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچانے والے بن جاؤ گے۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سے احکامات تو وہ ہیں جن کے ماننے پر تمام مخلوق مجبور ہے، خلاف ورزی کر ہی نہیں سکتی مثلاً زندگی اور موت کا فیصلہ اور بہت سے احکام وہ ہیں جن میں اللہ نے بندے کو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اللہ کا حکم مان لیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ان کو جنت عطا فرمائیں گے اور اگر نہ مانیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہاں آخرت میں اللہ کا عذاب چکھنا پڑے گا۔ سورہ احزاب کی آخری آیات میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو امانت سے تعبیر کیا ہے یعنی اپنی آزاد مرضی سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کی ذمہ داری لینا۔

آسمان، زمین اور پہاڑوں نے اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کردیا، مگر انسان نے یہ ذمہ داری قبول کی مگر ان کی اکثریت بھی اس ذمہ داری کو ادا نہ کرسکی۔

سورۃ السّبا

سورہ سبا مکی سورت ہے اور اس میں ۵۴ آیات اور ۶ رکوع ہیں۔ اس سورت کے دوسرے رکوع میں قوم سبا کا تذکرہ ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام ''سبا'' رکھا گیا ہے۔ اس سورت کا بنیادی موضوع اہل مکہ اور مشرکین کو اسلام کے بنیادی عقائد کی دعوت دینا ہے۔ قرآن کریم میں پانچ سورتیں ہیں جن کی ابتداء ''الحمدللہ'' سے کی گئی ہے۔

(۱) فاتحہ (۲) انعام (۳) کہف (۴) سبا (۵) فاطر

اس سورت کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ حمد وشکر کی مستحق صرف وہی ذات ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کی حقیقت سے آگاہ اور سب کے حالات سے خوب واقف ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ کا علم اس کائنات کے ہر چھوٹے سے چھوٹے ذرّے کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہے۔

سورۂ سبا کی آیت ۳ر میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا اعتراض نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ''ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔'' آیت ۴ر میں اللہ نے اس کا جواب دیا کہ اگر یہ دنیا ہی سب کچھ ہو اور کوئی دوسری زندگی آنے والی نہ ہو تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں رکھا۔ آخرت کی زندگی اس لئے ضروری ہے کہ اس میں فرمانبرداروں کو ان کی نیکی کا انعام دیا جائے اور نافرمانوں کو سزا ملے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''(اور قیامت اس لئے آئے گی) تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں اللہ ان کو انعام دے، ایسے لوگوں کے لئے مغفرت ہے اور باعزت رزق۔''

تمام قرآن کریم میں تین آیتیں ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے آنے پر قسم کھائی ہے۔ ایک سورۃ یونس کی آیت ۵۳ر جہاں ارشاد ہے:

وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ۠ ○

ترجمہ: لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ قیامت کا آنا حق ہے
آپ کہہ دیجئے کہ ہاں میرے رب کی قسم وہ یقیناً حق ہے اور تم خدا کو
مغلوب نہیں کر سکتے۔

دوسری اس سورہ سبا کی آیت ۳ رہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ ط قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتَأْتِيَنَّكُمْ

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے وہ کہتے ہیں ہم پر قیامت نہیں
آئے گی۔ آپ فرما دیجئے میرے عالم الغیب پروردگار کی قسم وہ تم پر
ضرور آ کر رہے گی۔

اور تیسری سورہ تغابن کی آیت ہے:

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ط قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط

ترجمہ: کفار کا خیال ہے کہ وہ قیامت کے دن اٹھائے نہ جائیں،
آپ کہہ دیجئے کہ ضرور اور قسم ہے میرے پروردگار کی ضرور تم اٹھائے
جاؤ گے۔

سورہ سبا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہما السلام اور اہل سبا کا تذکرہ کیا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے بہت انعامات فرمائے تھے، حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام اللہ کے شکر گزار بندے تھے کہ ہر ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتے اور اہل سبا اس کے برعکس تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سارے انعامات سے نوازا، مثلاً (انعام:۱) نبوت دی، (انعام:۲) دنیاوی بادشاہت بھی دی، طاقت وقوت بھی دی اور (انعام:۳) بے پناہ خوبصورت آواز بھی دی۔ وہ جب زبور کی تلاوت کرتے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ اپنے رب کی حمد وثناء میں شامل ہو جاتے اور ماحول میں ایک پرکیف سماں بندھ جاتا تھا۔ (انعام:۴) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے لوہے کو بھی نرم کر دیا تھا،

وہ اسے جس طرف چاہتے موڑ لیتے اور جو چیز چاہتے بنا لیتے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام جو ان کے بیٹے تھے ان کو بھی خواب نوازا تھا۔

انعام (۱): ہوا کو ان کے تابع کر دیا وہ ایک مہینہ کی مسافت کا سفر ہوا کے تابع ہونے کی وجہ سے صرف صبح یا صرف شام میں طے کر لیا کرتے تھے۔

انعام (۲): اسی طرح تانبے کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں سیال بنا دیا جس کی وجہ سے تانبے کی مصنوعات آسانی سے بن جائیں۔

انعام (۳): شریر جنات جو کسی کے قابو میں نہیں آتے اللہ نے ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔

انعام (۴): اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور جانوروں کی بولیاں بھی انہیں سکھا دی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان محیر العقول نعمتوں کے باوجود ان دونوں باپ بیٹوں نے غرور و تکبر نہیں کیا بلکہ ہر لمحہ اللہ کا شکر ادا کرتے۔

انعام (۵): اللہ نے ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا۔

ان دونوں شکر گزار بندوں کے تذکرے کے بعد اس قوم کا تذکرہ ہے جو ناشکری تھی۔ اہل سبا یمن میں آباد تھے اور اپنے زمانے کی تہذیب و تمدن میں ان کو ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ قرآن نے بتایا کہ (انعام: ۱) اللہ نے ان کو بڑی زرخیز زمین عطا کی تھی۔ (انعام: ۲) ان کی سڑکوں کے دونوں طرف پھل دار باغات کے سلسلے دور تک چلے گئے تھے، (انعام: ۳) جس کی وجہ سے خوشحالی بھی خوب تھی (انعام: ۴) اور سیاسی استحکام بھی میسر تھا لیکن آہستہ آہستہ یہ لوگ اپنی عیاشیوں میں پڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے انعامات کو بھول گئے اور ناشکری پر اتر آئے اور شرک کرنا شروع کر دیا۔ اللہ کے پیغمبروں کو جھٹلانے لگے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کے پاس اللہ نے تیرہ پیغمبر بھیجے، جب انہوں نے ناشکری کو نہ چھوڑا تو اللہ کی طرف سے پکڑ آئی، ان کا ایک ڈیم تھا جسے سد مآرب کہا جاتا تھا اور اس سے یہ لوگ اپنی زمین سیراب کیا کرتے تھے۔ اللہ نے اس ڈیم میں دراڑ ڈال دی جس کی وجہ

سے پوری بستی کو سیلاب نے گھیر لیا اور سارے باغات تباہ و برباد ہو گئے۔

آیت ۲۲ اور ۲۳ ر میں مشرکین کے مختلف عقیدوں کی تردید کی گئی ہے، ان میں بعض لوگ وہ تھے جو بتوں کو ہی براہِ راست خدا مانتے تھے اور انہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ آسمانوں اور زمین میں ذرّہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، نہ ان کو آسمان و زمین کے معاملات میں اللہ کے ساتھ کوئی شرکت حاصل ہے، اور نہ کوئی ان میں سے اللہ کا مددگار ہے۔'' اور بعض لوگ ان میں وہ تھے جو خدائی میں ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک تو نہیں مانتے تھے لیکن یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ ہماری سفارش اللہ کے حضور کریں گے، ان کے بارے میں فرمایا: ''اور اللہ کے حضور کوئی سفارش کارآمد نہیں سوائے اس شخص کے جس کے لئے خود اُس نے سفارش کی اجازت دی ہو۔''

آیت ۲۸ ر میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت عامہ کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اے پیغمبر ہم نے آپ کو سارے ہی انسانوں کے لئے ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے جو خوشخبری بھی سنائے اور خبردار بھی کرے لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رہے ہیں۔ اس آیت شریفہ سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ آپ کی رسالت قیامت تک کے لئے اور دنیا بھر کے انسانوں کے لئے ہے اور جب آپ کی رسالت سب کے لئے عام ہے تو پھر کسی اور نبی کی ضرورت ہی نہیں۔

سورہ سبا کی آیت ۳۵ ر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے مال اور اولاد پر اکڑنے اور تکبر کرنے کی سزا ملی کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ ''ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب ہونے والا نہیں۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں آیت ۳۷ میں فرمایا: ''آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے رزق کی فراوانی کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔'' یعنی رزق کی فراوانی اور تنگی کا مدار پسند ناپسند پر نہیں ہے بلکہ دنیا کے اندر تو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور حکمت کے تحت جس کو چاہتے ہیں رزق زیادہ دے دیتے ہیں، اس کا اللہ تعالیٰ کے تقرب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سورۃ الفاطر

سورہ فاطر مکی ہے، اس میں ۴۵/آیات اور ۵/رکوع ہیں۔اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔جس کے معنی ہیں پیدا کرنے والا۔اسی سورت کا دوسرا نام ملائکہ بھی ہے کیونکہ اس کی پہلی آیت میں فرشتوں کا ذکر ہے۔اس سورت میں بنیادی طور پر مشرکین کو توحید اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کائنات میں پھیلی نشانیاں اس بات پر غور کرنے کی دعوت دے رہی ہیں کہ

(۱) اسے اپنی خدائی کا نظام چلانے کے لئے کسی شریک یا مددگار کی ضرورت نہیں۔

(۲) اس کائنات کے بنانے میں ضرور کوئی مقصد ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اس کی مان کر اپنی زندگیوں کو گزاریں ان کو انعام سے نوازا جائے اور جو نہ مانے اس کو سزا دی جائے۔

(۳) جب اتنا بڑا نظام کائنات اس نے بنالیا اور اس کو کامیابی سے چلا بھی لیا تو پھر اس کے لئے اس کو ختم کر کے دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے۔

(۴) جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ انسان اس کی مرضیات کے مطابق زندگی گزاریں تو ظاہر ہے کہ اپنی مرضی لوگوں کو بتانے کے لئے اس نے لوگوں کی رہنمائی کے لئے کوئی سلسلہ ضرور جاری فرمایا ہوگا۔اسی سلسلے کا نام نبوت اور پیغمبری ہے، جس کی آخری کڑی نبی کریم سرور دو عالم ﷺ ہیں۔

آیت ۵/تا ۸/میں کئی اہم نصیحتیں کی گئی ہیں۔

(۱) اللہ اور اس کے رسول کے کئے ہوئے سب وعدے حق اور سچ ہیں اور جو ان کے خلاف ہیں ان میں دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔

(۲) دنیا کی زندگی کے دھوکے میں نہ پڑو کیونکہ جو اس کے دھوکہ میں آ گیا وہ اس میں مشغول ہو کر اللہ اور آخرت کو بھول جاتا ہے۔

(۳) شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، اس کا کام ہی انسان کو ورغلانہ اور اللہ سے غافل کرنا ہے لہٰذا ایک عاقل انسان کو ہمیشہ اس سے ہوشیار اور دور رہنا چاہئے، اگر

خدانخواستہ کبھی غلطی ہو بھی جائے تو فوراً توبہ کرلے۔

(۴) شیطان کیونکہ اپنا انجام جانتا ہے کہ وہ جہنمی ہے، اس لئے وہ چاہتا ہے کہ انسانوں کو بھی جہنم میں لے جاؤں۔ اس لئے وہ لوگوں کے سامنے اچھائی کو برائی، بدی کو بھلائی، حق کو باطل اور باطل کو حق، نفع کو نقصان اور نقصان کو نفع بنا کر پیش کرتا ہے۔ اچھے اور برے کی تمیز ختم کردیتا ہے۔ گویا کہ یہ دل کی موت ہوتی ہے اور آدمی کا اس حال پر پہنچ جانا نہایت خطرناک ہے کہ اس کی نگاہ میں ہدایت، گمراہی اور گمراہی ہدایت بن جاتی ہے۔

(۵) ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ آخرت میں انسان کی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

(٦) ہدایت اور گمراہی، نیکی اور بدی اور حق و باطل میں تمیز من جانب اللہ ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گمراہی میں پڑا رہنے دیں اور جس کو چاہے ہدایت سے نوازیں۔ اس لئے ہدایت کا طالب ہر کسی کو اللہ سے ہی ہونا چاہئے اور اسی سے ہدایت اور صراطِ مستقیم کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔

آیت ۹ رتا ۲۲ رچار مثالیں دے کر مؤمن اور کافر کا فرق بتایا گیا ہے۔

(۱) پہلی مثال اعمٰی اور بصیر سے دی گئی ہے یعنی مؤمن کی مثال آنکھوں والے کی سی ہے اور کافر کی مثال اندھے کی سی ہے، اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے۔

(۲) دوسری مثال ظلمت اور نور سے دی یعنی کافر کی مثال ظلمت اور تاریکی کی سی ہے اور مؤمن کی شان نور اور روشنی کی سی ہے اور روشنی اور اندھیرا دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

(۳) تیسری مثال ظل اور حرور یعنی ٹھنڈی چاؤں اور دھوپ سے دی گئی ہے یعنی مومن کے ایمان پر جو ثمرہ جنت مرتب ہوگا اس کی مثال ٹھنڈے سائے کی سی ہے اور کافر کے کفر پر جو ثمرہ جہنم مرتب ہوگا اس کی مثال جلتی ہوئی دھوپ کی سی ہے۔

(۴) چوتھی مثال زندہ اور مردہ کی دی گئی ہے یعنی مؤمن مثل زندہ شخص کے ہے اور کافر مثل مردہ لاش کے ہے۔

سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، اس کی شان خلاقی ورزاقی، اس کے کمالات

واحسانات اوراس کے بعض عجائب قدرت کو بیان کرتے ہوئے آیت ۲۸ میں یہ ارشادفرمایا: ان سب نشانیوں سے عبرت پکڑنا اور سبق حاصل کرنا انہی لوگوں کا کام ہے جن کے دل میں اللہ کی خشیت ہواور خشیت کن کے دلوں میں ہوگی اس کے بارے میں اس آیت شریفہ میں فرمایا: اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔ اس آیت شریفہ کے تحت لکھا ہے کہ اس جملہ میں علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کی عظمت و جلال کا اوراس کے احکام اور اوامر ونواہی کا علم ہواور پھر وہ اللہ کے حکموں پر چلتے ہوں، جس درجے کا علم ہو اسی درجہ کا ان کو خوف وخشیت ہوگا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کے دل میں سب سے زیادہ خشیت تھی۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپ یہ دعامانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ.

ترجمہ: یااللہ میں آپ سے آپ کی اتنی خشیت طلب کرتا ہوں کہ جو حائل ہوجائے میرے اورآپ کے معاصی کے درمیان۔

اہل علم کہتے ہیں اس آیت کے تحت صرف وہ علماء نہیں آتے جو شریعت کا علم رکھتے ہیں بلکہ ہر وہ شخص آتا ہے جو خدا ترسی دل میں رکھتا ہواور اللہ اوراس کے احکام کی معرفت رکھتا ہواوران کا عمل بھی ان کے مرتبہ علم ومعرفت کے مناسب رہتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ پھر اس تعریف کے تحت وہ کائناتی علم رکھنے والے بھی آجاتے جو صحیح نہج میں کائنات کے اسرار پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ نظر انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کے اعتراف پر مجبور کردیتی ہےاور یہ ہی بات ان کے اندر اللہ کا خوف وخشیت اورعظمت پیدا کردیتی ہے۔

آیت ۲۹ اور ۳۰ رمیں آخرت کی نفع بخش تجارت کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

(۱) کتاب اللہ کی تلاوت جو تمام اذکار اور عبادات نافلہ کی جڑ ہے اور قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ اس کی تلاوت گویا اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہونا ہے۔

(۲) نماز کی درستگی و پابندی جو تمام فرائض اور جسمانی عبادتوں کی جڑ ہےاور دین کا ستون ہے۔

(۳) ظاہری اور پوشیدہ طور پر خیرات کرنا جن میں تمام مالی عبادتیں آ گئیں۔

ان تین کاموں کے کرنے والے یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی آخرت کی تجارت خسارے میں نہیں رہے گی اور یقیناً اللہ تعالیٰ بھی ان کی تجارت کو خسارہ میں نہیں ڈالیں گے بلکہ اور زیادہ ہی نفع عطا فرمائیں گے۔ جیسے ان آیات کے آخری حصہ سے معلوم ہوتا ہے یعنی ''اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْر'' یقیناً وہ بہت بخشنے والا اور قدر دان ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو یہ تجارت خوب زور و شور سے کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

قرآن کریم براہِ راست تو حضور ﷺ پر نازل ہوا لیکن اس کا وارث پھر ان مسلمانوں کو بنایا گیا جنہیں اللہ نے اس کام کے لئے چن لیا تھا کہ وہ اللہ کی کتاب پر ایمان لائیں لیکن ایمان لانے کے بعد وہ تین گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک تو وہ تھے جو ایمان تو لے آئے لیکن اس کے تقاضوں پر پوری طرح عمل نہ کیا۔ فرائض میں بھی غفلت کی اور گناہوں کا بھی ارتکاب کیا، ان کے بارے میں اس آیت ۳۲ رمیں فرمایا ''انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔''

دوسرا گروہ وہ ہے جو فرائض و واجبات پر تو عمل کرتے ہیں اور گناہوں سے بھی پرہیز کرتے ہیں لیکن نفلی عبادات اور مستحب کاموں کو نہیں کرتے، ان کے بارے میں اس آیت میں فرمایا: ''انہی میں سے کچھ ایسے ہیں جو درمیانے درجے کے ہیں اور تیسرا گروہ وہ ہے جو صرف فرائض و واجبات پر اکتفا کرنے کے بجائے نفلی عبادتوں اور مستحب کاموں کا بھی پورا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں اس آیت میں فرمایا: ''اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں بڑھے چلے جاتے ہیں اور یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ یہ تینوں ہی قسمیں مسلمانوں کی ہیں اور سب ہی اپنے ایمان کی بدولت ان شاء اللہ جنت میں جائیں گے مگر کوئی پہلے اور کوئی بعد میں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آخری گروہ میں شامل فرمائے۔

بائیسویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) عورت جب کسی اجنبی مرد سے بات کرے تو اسے چاہئے کہ اپنی آواز کو ذرا سخت کرے۔

(۲) عورتوں کو چاہئے کہ اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور بلاضرورت شدیدہ نہ نکلیں۔

(۳) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ ہدایت کے راستے سے گمراہی کے راستے پر نکل جاتا ہے۔

(۴) مومنہ عورت کے لئے ضروری ہے کہ اپنے چہرے کو ڈھانپ لے جب اپنی کسی حاجت سے نکلے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر واجب ہے دل سے بھی، زبان سے بھی اور اعضاء و جوارح سے بھی۔

(۶) حسد ایسی بیماری ہے جس کی کوئی دوا نہیں اور حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے لکڑی آگ کو۔

(۷) قیامت کا ایک دن مقرر ہے، اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔

(۸) نعمتوں کا تذکرہ ضرور کرتے رہنا چاہئے کیونکہ اس کی وجہ سے شکر اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی توفیق ملتی ہے۔

(۹) قیامت کے بارے میں اللہ کا وعدہ سچا ہے اس لئے دنیا کی زندگی یعنی لمبی عمر، رزق کی وسعت اور جسم کے تندرست ہونے سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔

(۱۰) جو نیک عمل کرے گا تو اس میں اس کا فائدہ ہے اور جو برا عمل کرے گا تو اس کا نقصان ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
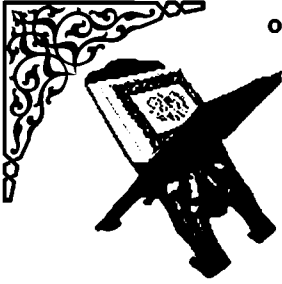
بائیسویں تراویح

وَمَالِیَ (تیئسواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں تیئسویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔

سورۃ یٰسین

سورہ یٰسین کی ابتداء بائیسویں سپارے کے آخر میں ہورہی ہے اور تقریباً ڈیڑھ رکوع بائیسویں سپارے میں ہے اور بقیہ سورت تیئسویں سپارے میں ہے۔

یہ سورت مکی ہے، اس میں تینتیس آیات اور پانچ رکوع ہیں۔ اس سورت کے فضائل احادیث میں بہت وارد ہوئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(ا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کریم کا دل سورہ یٰسین ہے جو شخص اس سورت کو ایک بار پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو دس قرآن کریم کا ثواب عطا فرمائیں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس کے پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کو اپنے مرنے والوں پر پڑھا کرو۔ علماء نے لکھا ہے کہ ہر سختی کے وقت سورۃ یٰسین پڑھنا چاہئے۔ اس کی برکت سے وہ سختی ختم ہوجاتی ہے، حاجت پوری ہوجاتی ہے اور موت کے وقت پڑھنے سے روح آسانی سے نکلتی ہے، ایمان نصیب ہوتا ہے اور رحمت و برکت حاصل ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص دن کے شروع حصے میں اس سورت کو پڑھے اس کی تمام دن کی حوائج پوری ہوجائیں گی۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کی وہ نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو نہ صرف کائنات میں بلکہ خود انسان کے اپنے وجود میں پائی جاتی ہیں۔

اس سورت میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی رسالت کو برحق کہا گیا ہے یعنی

''اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْن'' بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں، منکروں کے انکار سے کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی ساخت ہی ایسی بنائی ہے کہ کچھ لوگ حق اور سچ کو تسلیم کرتے ہیں اور کچھ انکار کرتے ہیں۔

اس کے بعد قریش کے ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو غفلت کی وجہ سے کفر و گمراہی میں بہت آگے نکل گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''تا کہ آپ ان لوگوں کو خبردار کریں جن کے باپ دادوں کو پہلے خبردار نہیں کیا گیا تھا۔'' حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے بعد صدیوں سے عرب میں پیغمبر نہیں آئے تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ غفلت میں پڑ گئے تھے۔

اس کے بعد بائیسویں سپارے کے آخر میں اس بستی کا ذکر ہے جس کے رہنے والوں نے یکے بعد دیگرے تین انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلایا اور جب انہی کی قوم میں سے ایک شخص (جن کا نام حبیب نجار تھا) جو ان انبیاء پر ایمان لے آیا تھا ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو ان لوگوں نے انہیں ہی شہید کر دیا۔

جنت میں اصل داخلہ تو قیامت کے بعد ہی ہوگا البتہ نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ عالم برزخ میں بھی جنت کی بعض نعمتیں عطا فرما دیتے ہیں۔ اس طرح کا معاملہ ان کے ساتھ بھی ہوا ان جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر انہوں نے پھر بھی اپنی قوم کی خیر خواہی چاہی کہ ''کاش میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ نے کس طرح میری بخشش کی ہے اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل کیا ہے۔'' آیت ۲۷ میں قرآن کریم نے اس مرد مومن کے قول ''کاش میری قوم کو معلوم ہو جائے'' نقل کر کے درحقیقت کفار مکہ کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی بھی اسی طرح تمہارے خیر خواہ اور سچے ہیں جس طرح وہ مرد مؤمن اپنی قوم کا سچا خیر خواہ تھا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان آیات کے تحت ایک روایت لکھی ہے کہ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہیں تمہاری قوم تمہیں قتل نہ کر دے۔ اس پر حضرت عروہ نے فرمایا کہ اس کا تو احتمال بھی نہیں کیونکہ وہ تو مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ جب یہ وہاں پہنچے اور لات و عزیٰ بتوں کے پاس سے

گزرے تو کہنے لگے اب تمہاری شامت آ گئی۔اس بات پر پورا قبیلہ ثقیف بگڑ بیٹھا۔انہوں نے کہنا شروع کیا: اے میری قوم کے لوگو! ان بتوں کی پوجا کو ترک کردو، یہ لات وعزیٰ دراصل کوئی چیز نہیں، اسلام قبول کرو تو سلامتی حاصل ہوگی۔اے میرے بھائی بندو! یقین مانو کہ یہ بت کچھ حقیقت نہیں رکھتے، ساری بھلائی اسلام میں ہے۔ابھی تین مرتبہ ہی یہ کلمہ کہا تھا کہ ایک بدنصیب نے دور ہی سے تیر چلایا جو ان کے پیوست ہوگیا اور وہ اسی وقت شہید ہوگئے۔آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی تو فرمایا یہ ایسے ہی ہے جیسے سورہ یٰسین والا مرد مومن تھا۔

اللہ تعالیٰ کے وجود، توحید اور قدرت کے تکوینی دلائل جو قرآن کریم میں بار بار مذکور ہیں ان میں سے سورہ یٰسین میں چار قسم کے دلائل بیان کئے گئے ہیں:

(۱) مردہ زمین: جسے بارش سے زندہ کردیا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا اور ان کے لئے ایک نشانی وہ زمین ہے جو مردہ پڑی ہوئی تھی، ہم نے اسے زندگی عطا کی اور اس سے غلہ نکالا جس کی خوراک یہ کھاتے ہیں۔(آیت ۳۳) (۲) لیل ونہار: چنانچہ ارشاد فرمایا ''اور ان کے لئے ایک اور نشانی رات ہے ہم اس پر سے رات کا چھلکا اتار لیتے ہیں تو یکایک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔(آیت ۳۷) (۳) سورج اور چاند: ارشاد فرمایا اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جارہا ہے۔ یہ سب اس ذات کا مقرر کیا ہوا نظام ہے جس کا اقتدار بھی کامل، جس کا علم بھی کامل۔(آیت ۳۸) مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ کائنات میں اصل اندھیرا ہے، سورج کے نکلنے سے روشنی کا غلاف کائنات پر چڑھ جاتا ہے اور جب سورج ڈوب جاتا ہے تو پھر اندھیرا واپس آجاتا ہے اور چاند کے بارے میں ارشاد فرمایا ''اور چاند ہے کہ ہم نے اس کی منزلیں ناپ تول کر مقرر کردی ہیں یہاں تک کہ وہ جب ان منزلوں کے دوروں سے لوٹ کر آتا ہے تو کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا ہوکر رہ جاتا ہے۔(آیت ۳۹) (۴) کشتیاں اور جہاز: ارشاد فرمایا اور ان کے لئے ایک اور نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔(آیت ۴۱)

ان آیات کے ضمن میں آیت ۳۶ کے تحت اللہ نے ایک ایسی دلیل دی ہے جس کو اس وقت کوئی جانتا ہی نہیں تھا۔آج سائنس اس حقیقت اور اس دلیل کو تسلیم کررہی ہے اور

حقیقت یہ ارشاد فرمائی: ''پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں۔'' انسان کے جوڑے تو مرد اور عورت کی شکل میں واضح ہیں۔ نباتات میں نر اور مادہ ہونے کا علم لوگوں کو ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ واضح الفاظ میں یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں ابھی تمہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کے بھی جوڑے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اب آ کر سائنس کو مختلف چیزوں کے جوڑے جوڑے ہونے کا معلوم ہو رہا ہے۔

قیامت کے دن جب کفار مجرموں کی صورت میں اللہ کے دربار میں حاضر ہوں گے تو انہیں اپنے گناہوں کا اقرار کرنا ہی پڑے گا، اس کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوگا کیونکہ سورہ یٰسین کی آیت ۶۵ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے ہم کلامی کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے۔'' سورہ حم سجدہ میں ہے کہ ان کی آنکھیں، کان اور ان کی جلد یعنی کھال بھی ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ یکا یک ہنسے، پھر ہم سے دریافت کیا: جانتے ہو میں کیوں ہنسا؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا میں بندے اور خدا کے درمیان ہونے والی گفتگو کا خیال کر کے ہنسا۔ قیامت کے دن بندہ اپنے پروردگار سے کہے گا: کیا آپ نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ہاں دی ہے۔ تو پھر یہ کہے گا میں کسی گواہ کی گواہی قبول نہیں کرتا، بس میرا بدن تو میرا ہے باقی سب میرے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اچھا ایسے ہی صحیح تو ہی اپنا گواہ صحیح اور میرے بزرگ فرشتے گواہ نہ سہی۔ چنانچہ اسی وقت اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضاء بدن سے فرمایا جائے گا کہ بولو تم ہی گواہی دو کہ اس نے تم سے کیا کیا کام کئے۔ وہ کھول کھول کر سچ سچ ایک ایک بات بتلا دیں گے۔ پھر اس مہر کو جو منہ پر لگائی گئی تھی توڑ دیا جائے گا تو وہ اپنے اعضاء سے کہے گا کہ تمہارا ستیاناس ہو تم ہی میرے دشمن بن بیٹھے میں تو تمہارے ہی بچاؤ کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ تو بندہ کافر کا حال تھا۔ ایک دوسری روایت میں بندۂ مومن کے حساب لئے جانے کا

حال بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن مؤمن کو بلا کر اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اس کے گناہ پیش کریں گے اور پوچھیں گے کیا تم نے یہ گناہ کئے تھے؟ یہ بندہ مومن کہے گا: جی ہاں مجھ سے یہ خطائیں سرزد ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جاؤ ہم نے سب بخش دیں اور یہ معاملہ ایسے ہوگا کہ کسی اور مخلوق کو اس کا علم بھی نہ ہوگا اور اس کے بعد اس کی نیکیاں سب کے سامنے لائی جائیں گی کہ اس نے یہ نیکی بھی کی اور یہ نیکی بھی کی۔ اللہ رب العزت ہمارے ساتھ بھی یہ ہی معاملہ فرمائے۔ آمین

سورة الصّٰفّٰت

سورہ صافات مکی ہے، اس میں ۱۸۲؍آیات اور ۵؍رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتداء لفظ ''والصّٰفّٰت'' سے ہوئی ہے جس کے معنی صف باندھنے والے کے ہیں۔ اسی لفظ سے اس سورت کا نام ماخوذ ہے۔

مکی سورتوں میں زیادہ تر اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات پر زور دیا گیا ہے۔ اس سورت کا مرکزی موضوع بھی یہ ہی تینوں عنوانات ہیں۔ خاص طور پر اس سورت میں مشرکین کے اس غلط عقیدے کی تردید کی گئی ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، یہی وجہ ہے کہ سورت کا آغاز فرشتوں کے اوصاف سے کیا گیا ہے جو اللہ کی عبادت، تسبیح وتحمید میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے تین قسمیں کھائی ہیں حالانکہ اللہ کو کسی بات کی تصدیق کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں یا پورے قرآن کریم میں اور جگہ بھی جہاں قسمیں کھائی ہیں تو وہ اوّل تو عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا ایک اسلوب ہے جس سے کلام میں زور اور تاثیر پیدا ہوتی ہے اور دوم یہ کہ جن چیزوں پر قسم کھائی گئی ان پر اگر غور کیا جائے تو وہ اس دعوے کی دلیل ہوتی ہے جو ان کے بعد مذکور ہوتا ہے۔ باقی ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائیں۔

سورہ صافات کے آغاز میں جو تین قسمیں کھائی ہیں وہ فرشتوں کی صفات ہیں اور ان میں بندگی کی تمام صورتیں جمع ہیں یعنی صف باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، طاغوتی

طاقتوں پر روک ٹوک رکھنا اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت اور ذکر میں مشغول رہنا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بھی فرشتوں کی طرح صفوں کی درستگی کی تاکید فرمائی چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''تم اس طرح صفیں کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا کس طرح فرشتے صف بناتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگلی صفوں کو پورا کرتے جاتے ہیں اور صفیں ملایا کرتے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نماز میں ہمارے کندھوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے سیدھے رہو آگے پیچھے مت ہو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ (معارف القرآن)

سورہ صافات کی آیت ۶/اور ۷/میں ارشاد فرمایا: ''بے شک ہم نے نزدیک والے آسمان کو ستاروں کی شکل میں ایک سجاوٹ عطا کی ہے اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے۔'' ان آیات میں آسمانوں، ستاروں اور شہاب ثاقب کا تذکرہ کرنے سے ایک مقصد تو توحید کا اثبات ہے کہ جس ذات نے یک وتنہا اتنے زبردست آفاقی انتظامات کئے ہوئے ہیں وہی لائق عبادت بھی ہے۔ دوسرے اسی دلیل میں ان لوگوں کے خیال کی تردید بھی کر دی گئی ہے جو شیطان کو دیوتا یا معبود قرار دیتے ہیں اور بتادیا کہ یہ تو ایک مردود مقہور مخلوق ہے، ان کو خدائی سے کیا واسطہ۔

اس کے علاوہ اس مضمون میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہونے والے وحی یعنی قرآن کو کاہنوں کی کہانت سے تعبیر کیا کرتے تھے۔

آیت ۱۱/تا ۱۸/عقیدہ آخرت کا بیان ہے اور اس سے متعلق مشرکین کے شبہات کا جواب دیا گیا ہے کہ جب اللہ نے فرشتے، چاند، ستارے، سورج اور شہاب ثاقب جیسی مخلوقات اپنی قدرت سے بنا ڈالیں تو اس کے لئے انسان جیسی کمزور مخلوق کو موت دے کر دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے؟ جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ چپکتی ہوئی مٹی سے بنایا اور روح پھونکی اسی طرح جب تم دوبارہ مر کر دوبارہ مٹی ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ زندگی

دے دیں گے۔

جہنمیوں اور دوزخیوں کے احوال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سرداروں کے احوال کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ کافروں کے بڑے بڑے سردار جنہوں نے اپنے چھوٹوں کو بہکایا تھا جب ان کے سامنے آئیں گے تو بجائے اس کے کہ ان کی کوئی مدد کر سکیں سارا الزام انہی پر ڈال دیں گے کہ ہم نے تمہیں مجبور تھوڑی کیا تھا تم خود ہی ہمارے بہکائے میں آئے تھے۔

علماء کرام نے اس کے تحت لکھا ہے کہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ناجائز کام کی دعوت دے اور اسے گناہ پر آمادہ کرنے کے لئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے تو اسے تو دعوت گناہ کا عذاب بے شک ہوگا ہی لیکن جس شخص نے گناہ کی دعوت کو اپنے اختیار سے قبول کرلیا وہ بھی اپنے عمل کے گناہ سے بری نہیں ہوسکتا، وہ آخرت میں یہ کہہ کر چھٹکارا نہیں پاسکتا کہ مجھے تو فلاں شخص نے گمراہ کیا تھا۔

اس سورت میں جنتیوں کے آپس میں مکالمہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جنت میں تخت لگے ہوں گے، خدمت گار آگے پیچھے پھر رہے ہوں گے جوان جنتیوں کو میوے بھی لا کر دیں گے، ان کو شراب پیش کی جائے گی جو سفید رنگ کی ہوگی اور اس میں نشہ نہ ہوگا۔ اسی طرح کی نعمتیں ذکر کرتے ہوئے جنتیوں کے آپس میں مکالمہ کا تذکرہ ہے کہ ان میں سے ایک جنتی اپنا واقعہ سنائے گا اور کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا جو مجھے کہا کرتا تھا کہ بڑی عجیب بات ہے کہ تم آخرت کی زندگی پر ایمان رکھتے ہو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جب مر کر مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور حساب کتاب لیا جائے گا اور جزا و سزا کا معاملہ ہوگا۔ یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ اللہ تعالیٰ اس جنتی سے فرمائیں گے کہ کیا تم اپنے اس ساتھی کا حال جاننا چاہتے ہو؟ اگر چاہتے ہو تو اجازت ہے۔ سو وہ شخص جو قصہ سنا رہا تھا جہنم میں جھانکے گا تو اس عقل پرست ساتھی کو جہنم کے وسط میں پڑا ہوا پائے گا۔ تو یہ جنتی اس ساتھی سے کہے گا کہ اللہ کی قسم تو تو مجھے بھی ہلاک کر چکا تھا اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوتا جو عذاب میں حاضر کئے گئے ہیں۔ (آیت ۵۶، ۵۷)

علماء نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ اس واقعہ کا ذکر کرنے کا اصل منشاء یہ ہے کہ لوگ اپنے حلقہ احباب میں اس بات کا دھیان رکھیں کہ کوئی شخص ایسا تو نہیں جو انہیں غلط راستے پر ڈالنا چاہتا ہو، چاہے عقیدے کے اعتبار سے ہو یا عمل کے کیونکہ بری صحبت سے جو تباہی آسکتی ہے اس کا صحیح اندازہ آخرت ہی میں ہوگا اور اس وقت اس تباہی سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ اس لئے دنیا میں دوستیاں اور تعلقات بہت دیکھ بھال کر قائم کرنا چاہئیں۔ بسا اوقات کسی کافر یا نافرمان شخص سے تعلقات قائم کرنے کے بعد انسان غیر محسوس طریقے پر اس کے افکار ونظریات اور طرز زندگی سے متاثر ہوتا چلا جاتا ہے اور یہ چیز آخرت کے انجام کے لئے خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

آیت ۷۵ سے کچھ انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کئے جا رہے ہیں تاکہ ان سے سبق حاصل کیا جائے۔ جن میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم و اسماعیل، حضرت موسیٰ و ہارون، حضرت لوط اور حضرت یونس علیہم السلام کے قصص بیان کئے گئے ہیں۔

اس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو قصے ذرا تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ پہلے قصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کا تذکرہ ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے والد اور قوم کو ایمان کی دعوت دی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی قوم ان کو ایک میلے میں لے جانا چاہتی تھی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے ان کو منع کر دیا اور طبیعت خرابی کا عذر کر دیا اور جب وہ لوگ چلے گئے تو ان کے مندر میں جا کر ان کے بتوں کو توڑ دیا اور سب سے بڑے بت کے کندھے پر کلہاڑی لٹکا دی۔ جب ان کی قوم کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو ہی ان کے لئے گل گلزار بنا دیا۔

دوسرا قصہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا مشہور واقعہ ہے جس کی وجہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ کا لقب ملا۔ سورہ صافات کی یہ خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ پورے قرآن میں کہیں اور ذکر نہیں فرمایا بلکہ اسی جگہ ذکر فرمایا ہے۔

آپ علیہ السلام کو خواب میں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم تین مرتبہ دیا گیا چنانچہ آپ تسلیم ورضا کے پیکر بن کر فوراً تیار ہو گئے اور بیٹے نے بھی اللہ کے حکم کے آگے بخوشی اپنا سر جھکا دیا اور دونوں باپ بیٹے اللہ کے حکم کو پورا کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام پر چھری پھیرنے لگے تو اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، بے شک یہ بہت سخت اور کٹھن آزمائش تھی، اب آپ بیٹے کی جگہ مینڈھے کو ذبح کیجئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کے بعد موسیٰ وہارون والیاس علیہم السلام کے مختصر قصے ذکر کرنے کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو ایک عرصے تک اپنی قوم کو ایمان لانے کی دعوت دی اور جب وہ نہ مانی تو ان کو متنبہ کر دیا کہ اب تم پر تین دن کے اندر عذاب آ کر رہے گا۔ قوم کے لوگوں نے کہا کہ کیونکہ یہ جھوٹ نہیں بولتے، اس لئے اگر یہ شہر چھوڑ گئے تو واقعی عذاب آنے والا ہے۔ ادھر حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بستی چھوڑ کر چلے گئے۔ اُدھر جب بستی والوں نے دیکھا حضرت یونس علیہ السلام بستی میں نہیں ہیں اور کچھ عذاب کے آثار بھی محسوس کئے تو انہوں نے عاجزی کے ساتھ توبہ کی جس کے نتیجے میں عذاب ٹل گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو ان کی توبہ کا یہ حال معلوم نہیں تھا، جب انہوں نے دیکھا کہ تین دن گزر گئے اور عذاب نہیں آیا تو انہیں ڈر ہوا کہ اگر میں بستی واپس جاؤں گا تو بستی والے مجھے جھوٹا سمجھیں گے اور یہ اندیشہ بھی تھا کہ جھوٹا سمجھ کر قتل ہی نہ کر دیں۔ اس لئے اس خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے پہلے ہی وہ اپنی بستی میں جانے کے بجائے سمندر کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے جو آدمیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ بات پسند نہ آئی کہ آپ حکم آنے سے پہلے ہی بستی سے نکل گئے۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ کشتی وزن کی وجہ سے ڈوبنے لگی، کشتی والوں نے کئی مرتبہ قرعہ ڈالا کہ کس کو کشتی سے نکالا جائے تاکہ کشتی ڈوبنے سے بچے۔ اللہ کی شان ہر مرتبہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہی نام آیا اور انہیں پانی میں پھینک دیا گیا جہاں آپ کو مچھلی نے اللہ کے حکم سے نگل لیا۔ آپ کچھ عرصے

مچھلی کے پیٹ میں رہے اور یہ دعا پڑھتے رہے:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ o

اس کی برکت سے اللہ نے آپ کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دی اور ان کی قوم کو بھی توبہ کی برکت سے عذاب سے بچالیا۔

سورت کے آخر میں آپ کو معاندین سے اعراض کرنے کا حکم ہے اور اللہ کی حمد و تسبیح کا بیان ہے۔

سورۃ صٓ

سورہ ص مکی ہے۔اس میں ۸۸/آیات اور ۵/رکوع ہیں۔اس سورت کی ابتداء حروف مقطعات میں سے حرف ''ص'' سے ہورہی ہے اس لئے بطور علامت اس کا نام سورہ ''ص'' رکھا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب اگرچہ آپ پر ایمان نہیں لائے تھے لیکن آپ کے ساتھ اپنی محبت اور رشتہ داری کا حق نبھانے کے لئے آپ کی مدد بہت کرتے تھے۔ایک مرتبہ قریش کے دوسرے سردار ابوطالب کے پاس وفد کی شکل میں آئے اور کہا کہ اگر محمد ﷺ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں تو ہم انہیں ان کے اپنے دین پر عمل کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔حالانکہ آنحضرت ﷺ ان بتوں کو اس کے سوا کچھ نہیں کہتے تھے کہ ان میں نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں ہے اور ان کو خدا ماننا گمراہی ہے۔چنانچہ ابوطالب نے آپ کو بلوالیا اور آپ کے سامنے سردارانِ قریش کی تجویز کو رکھا تو آپ نے ابوطالب سے فرمایا کہ چچا جان! کیا میں انہیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی بہتری ہے؟ ابوطالب نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں جس کے ذریعے سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہوجائے اور یہ پورے عجم کے مالک ہوجائیں۔اس کے بعد آپ نے کلمہ توحید ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھا۔یہ سن کر تمام سردارانِ قریش کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک کو اختیار کرلیں یہ تو بڑی عجیب بات ہے اس موقع پر سورہ ''ص'' کی ابتدائی

آیات نازل ہوئیں۔

سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے قران کریم کی قسم کھائی اور فرمایا کہ یہ قرآن نصیحت والا ہے اور قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو جھٹلانے والے بڑائی گھمنڈ اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کو یہ تعجب ہوتا ہے کہ انہیں سمجھانے اور ڈرانے کے لئے انہی میں سے ایک انسان کیسے نبی بن کر آ گیا جو ہمارے تمام معبودوں کو جھٹلا کر ایک معبود کی طرف سب کو بلا رہا ہے؟ ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں کبھی نہیں سنی اور اگر ایسا ہے بھی تو اتنی اہم بات اور نصیحت کرنے کے لئے یہی رہ گیا ہم میں سے کسی پر کیوں نازل نہیں کی گئی؟ اللہ تعالیٰ نے آیت ۸ر میں ارشاد فرمایا: بات اصل میں یہ ہے کہ ان کو اس بات میں شک اس لئے ہے کہ ''انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔''

ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کو تسلی بھی دی جارہی ہے کہ ان کی باتوں پر صبر کریں اور اپنے کام میں لگے رہیں۔ آپ ﷺ کی تسلی کے لئے مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ذکر فرمائے ہیں مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ نے بڑی دلکش آواز عطا فرمائی تھی اور معجزے کے طور پر یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ جب وہ اللہ کا ذکر کرتے تو پہاڑ اور پرندے بھی آپ کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے اور ذکر کرنے لگتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کا ایک عجیب واقعہ آیت ۲۱ر تا ۲۴ر میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے کوئی لغزش ہو گئی تھی جس پر تنبیہ کرنے کے لئے دو آدمی غیر معمولی طریقے سے آپ کے پاس اس وقت اللہ نے بھیجے جب آپ اپنی عبادت گاہ میں تھے۔ انہوں نے اپنا ایک جھگڑا فیصلے کے لئے آپ کے سامنے پیش کیا، آپ نے فیصلہ تو فرمایا لیکن اس کے ساتھ ہی سمجھ گئے کہ یہ مقدمہ جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک لطیف پیرائے میں انہیں تنبیہ کی ہے۔ اس لئے وہ فوراً سجدے میں گر گئے اور توبہ واستغفار میں مشغول ہو گئے۔ قرآن کریم نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ وہ لغزش کیا تھی اور اس مقدمے کے پیش آنے سے اس کا خیال انہیں کس طرح آیا کیونکہ قرآن کریم تو صرف یہ سبق دینا چاہتا

ہے کہ بھول چوک تو انسان کی خاصیت ہے، بڑے بڑے بزرگ یہاں تک کہ انبیاء کرام سے بھی معمولی لغزشیں ہو جاتی ہیں لیکن یہ حضرات اپنی لغزشوں پر اصرار نہیں فرماتے بلکہ جونہی اپنی غلطی واضح ہوتی ہے، فوراً اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اس پر توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لغزش جو کوئی بھی تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر کو اس پر نہ صرف معاف فرمایا بلکہ اس پر اتنا پردہ ڈالا کہ قرآن کریم میں بھی اسے صراحت کے ساتھ بیان نہیں فرمایا لہٰذا اس قصے کو اتنا ہی مبہم رکھنا چاہئے جتنا قرآن کریم نے اسے مبہم رکھا ہے کیونکہ جو سبق قرآن کریم دینا چاہتا ہے وہ اس قصے کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے، ان کی سلطنت وسائل و اسباب کے لحاظ سے اپنے والد کی سلطنت سے بھی زیادہ شان و شوکت والی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جہاد کے لئے بہترین گھوڑے تیار کر رکھے تھے وہ آپ کے سامنے پیش کئے گئے اور آپ ان کا معائنہ فرما رہے تھے اس دوران آپ نے فرمایا مجھے ان گھوڑوں سے محبت اس وجہ سے نہیں کہ اس سے میرے دبدبے کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اس لئے ہے کہ یہ جہاد کے لئے تیار کئے گئے ہیں اور جہاد اللہ تعالیٰ کی محبت میں کیا جاتا ہے پھر آپ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ اس واقعے کا ذکر کر کے قرآن کریم نے یہ سبق دیا ہے کہ انسان کو دنیا کی دولت و عزت و شوکت حاصل ہو تو اسے مغرور ہونے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونے کے بجائے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اسے ان کاموں میں استعمال کرنا چاہئے جو اللہ کو پسند ہوں۔

تیسرا قصہ حضرت ایوب علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے، ان کے پاس مال و دولت کی بہتات تھی۔ اللہ کی طرف سے آزمائش آئی تو سب کچھ جاتا رہا یہاں تک کہ خود تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ یہ آزمائش اٹھارہ سال تک رہی۔ حضرت ایوب علیہ السلام اس دوران صبر کا دامن تھامے رہے۔ آیت ۴۲ میں شفا کا واقعہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ وہ اپنا پاؤں زمین پر ماریں انہوں نے زمین پر پاؤں مارا تو وہاں سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔ اللہ تعالیٰ

نے انہیں حکم دیا کہ اس پانی سے نہائیں اور اس کو پئیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو بیماری جاتی رہی اور آزمائش کا دور ختم ہوا اور اللہ نے پہلے سے بھی زیادہ نواز دیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد سورہ ص میں دیگر انبیاء علیہم السلام کے قصص بھی کچھ اختصار اور کچھ ذرا تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

سورت کے اختتام پر ارشاد فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے یہ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں یہ قرآن تو اہل عالم کے لئے نصیحت ہے اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہو جائے گا۔

سورۃ الزمر

سورۃ الزمر مکی ہے اور اس میں ۷۵/آیات اور ۸/رکوع ہیں۔ اس سورت کے آخری رکوع میں لفظ ''زمر'' استعمال کیا گیا ہے۔ زمر کے لفظی معنی ہیں گروہ در گروہ۔ جیسا کہ اس کے آخری رکوع میں بتایا گیا کہ کفار کو جہنم کی طرف گروہ در گروہ لے جایا جائے گا اور مؤمنین کو بھی جنت کی طرف گروہ در گروہ لے جایا جائے گا۔ اس سورت کا کچھ حصہ ۲۳ویں سپارے میں ہے اور کچھ حصہ ۲۴ویں سپارے میں ہے۔ آج کے خلاصہ میں اس حصہ کا خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے جو ۲۳ویں سپارے میں ہے۔

یہ سورت مکی دور کے بالکل ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی جب مسلمانوں پر سخت ابتلاء و آزمائش کا دور تھا۔ اس لئے اس سورت کا اصل موضوع اور محور عقیدہ توحید ہے کیونکہ اللہ کی وحدانیت کا اعتقاد ہی اصل ایمان ہے۔ سورت کے شروع میں ہی آنحضرت ﷺ کے ذریعے لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ عبادت کا حق خالصاً اللہ ہی کا حق ہے اس کے علاوہ کسی کا نہیں ہے اس لئے ''اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ بندگی خالص اسی کے لئے ہو۔'' (آیت ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں بعض اوقات کوئی صدقہ و خیرات کرتا ہوں یا کسی پر کوئی احسان کرتا ہوں جس میں میری نیت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری

تعریف وثناء کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے جس میں کسی غیر اللہ کو شریک کیا گیا ہو۔ (قرطبی)

اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرماتے ہوئے آیت ۶ر میں ایک ایسی قدرت اور ایک ایسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے جس کو اس زمانے میں کوئی جانتا ہی نہ تھا اور وہ یہ کہ شکم مادر میں انسان کی تخلیق تین تاریکیوں میں ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی طبّی حقیقت ہے جس کا صدیوں پہلے اعلان کیا گیا ہے اور اس حقیقت کا حکماء اور ڈاکٹروں کو بیسیوں صدی میں علم ہوا ہے۔ ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ بظاہر دیکھنے میں وہ ایک ہی پردہ معلوم ہوتا ہے جس میں جنین رہ رہا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ تین پردے ہوتے ہیں اور تین پردے یا تاریکیاں اس طرح ہوتی ہیں کہ (۱) پہلی اندھیری پیٹ کی (۲) دوسری اندھیری رحم کی (۳) اور تیسری اندھیری اس جھلی کی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے اور ان کو تین اندھیریاں اس لئے قرار دیا گیا کہ یہ پردے بچہ کو روشنی سے بچا کر رکھتے ہیں۔

آیت ۱۰ر میں صبر کرنے والوں کو ایک بہت بڑی خوش خبری سنائی گئی ہے کہ "جو لوگ صبر کرتے ہیں ان کا ثواب انہیں بے حساب دیا جائے گا۔" حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز میزان عدل قائم کی جائے گی، اہل صدقہ آئیں گے تو ان کے صدقات کو تول کر اس کے حساب سے پورا پورا دے دیا جائے گا، اسی طرح نماز اور عبادات میں بھی ہوگا مگر جب بلاء اور مصیبت پر صبر کرنے والے آئیں گے تو ان کے لئے کوئی کیل اور وزن نہ ہوگا بلکہ بغیر حساب واندازہ کے ان کی طرف اجر وثواب بہا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جن کی دنیاوی زندگی عافیت میں گزری تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش دنیا میں ان کے بدن قینچیوں کے ذریعے کاٹے گئے ہوتے تو ہمیں بھی صبر کا ایسا ہی صلہ ملتا۔ (معارف القرآن)

تیئسویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) انسان کا قوت والا یعنی جوان ہو جانے کے بعد دوبارہ کمزوری یعنی بڑھاپے کی طرف لوٹنا اللہ کی قدرت کا مظہر ہے۔

(۲) یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ قرآن کو صرف مُردوں پر پڑھنے کے لئے مخصوص کر لیا گیا ہے حالانکہ قرآن تو زندہ انسانوں کے لئے نازل کیا گیا ہے: نصیحت، ہدایت اور تعلیم و تذکیر کے لئے۔

(۳) دنیا میں کفار، فجار اور فساق کی مشابہت اختیار کرنے والوں کا حشر انہی کے ساتھ ہوگا۔

(۴) کلمہ لا الہ الا اللہ کی عظمت شان یہ ہے کہ یہ سب انبیاء کا کلمہ ہے۔

(۵) اللہ کا عدل وانصاف ہے کہ برائی کا بدلہ اسی کے مثل دیتے ہے اور اللہ کا فضل ہے کہ مومنین کی نیکیوں کا بدلہ اس کے مثل دس نیکیوں سے سات سو نیکیوں تک دیتے ہیں۔

(۶) آخرت میں موت کا تصور نہیں وہاں حیات ابدی حاصل ہوگی، جنت میں یا جہنم میں۔

(۷) جو شخص صبح یا شام کے وقت سورۃ الصافات کی آیت ۷۹ ''سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعَالَمِیْنَ'' پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی بچھو کے ڈسنے سے حفاظت فرماتے ہیں۔

(۸) قرآن کریم کی برکت کبھی اپنے پڑھنے والے اور عمل کرنے والے سے جدا نہیں ہوتی جو اس برکت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اس کو پاتا ہے۔

(۹) نیک اولاد اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا تحفہ ہے، پس جس کو یہ تحفہ ملے اس کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

(۱۰) اگر لوگ آخرت کے عذاب کو جان لیں یقینی علم کے ساتھ تو پھر نہ جھٹلائیں نہ کفر کریں اور نہ کسی پر ظلم کریں۔ پس عذاب سے جہالت ہی ہلاکت کا سبب ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○
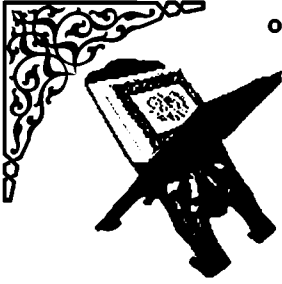
تئیسویں تراویح

فَمَنْ اَظْلَمُ (چوبیسواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں چوبیسویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔ سورہ زمر کے تقریباً پانچ رکوع چوبیسویں سپارے میں آئے ہیں۔ جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

آیت ۳۶ر میں ارشاد فرمایا ''کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے۔'' اس آیت کے شانِ نزول میں مفسرین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو اس سے ڈرایا گیا تھا کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی بے ادبی کی تو ان بتوں کا اثر بہت سخت ہے، آپ بچ نہ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیت شریفہ نازل فرمائی اور فرمایا: ''کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟''

اس آیت کے تحت بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''اپنے بندے'' سے مخصوص بندہ یعنی رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو پڑھنے والے عموماً یہ خیال کر کے گزر جاتے ہیں کہ یہ ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے جس کا تعلق کفار کی دھمکیوں اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے ہے۔ اس طرف دھیان نہیں دیتے کہ اس میں ہمارے لئے کیا ہدایت ہے حالانکہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ جو شخص بھی کسی مسلمان کو ڈرائے کہ تم نے فلاں حرام کام یا گناہ نہ کیا تو تمہارے حکام اور افسر یا جن کے تم محتاج سمجھے جاتے ہو تم سے خفا ہو جائیں گے اور تکلیف پہنچائیں گے تو یہ بھی اسی میں داخل ہے، اگرچہ ڈرانے والا بھی مسلمان ہو اور جس کو ڈرایا جا رہا ہے وہ بھی مسلمان ہو اور یہ ایسا عام ابتلاء ہے کہ دنیا کی اکثر ملازمتوں میں لوگوں کو پیش آتا ہے کہ احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو جائیں یا اپنے افسروں کے عقاب و عتاب کے مورد بنیں۔ اس آیت نے

ان سب کو یہ ہدایت دے دی کہ کیا اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کے لئے کافی نہیں، تم نے خالص اللہ کے لئے گناہوں کے ارتکاب سے بچنے کا عزم کرلیا تو اللہ کی امداد تمہارے ساتھ ہوگی۔

حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے قتل ناحق کئے اور بہت کئے اور زنا کا ارتکاب بھی کیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ جس دین کی خاطر آپ دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو بہت اچھا لیکن فکر یہ ہے کہ جب ہم اتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر چکے اب اگر مسلمان ہو بھی گئے تو کیا ہماری توبہ قبول ہوسکے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ۵۳ ر نازل فرمائی کہ وہ مجرموں، خطا کاروں اور کافروں کے لئے رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھتا ہے اور انہیں خود رجوع الی اللہ کی دعوت دیتا رہتا ہے، وہ گناہ گاروں کو مایوس نہیں کرتا بلکہ ان کے دلوں میں امیدوں کے چراغ روشن کرتا ہے۔

اور یہ توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا رہتا ہے جب تک جسم میں روح ہے، جب روح کا سلسلہ جسم سے منتقل ہوگیا تو پھر توبہ کا دروازہ بھی بند ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت ۵۶ تا ۵۸ میں ان لوگوں کی حسرتوں کا ذکر کیا جو دنیا میں توبہ نہ کرسکے چنانچہ ان کی تین حسرتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: (۱) کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی شخص کو یہ کہنا پڑے کہ ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے معاملے میں برتی سچی بات یہ ہے کہ میں تو (اللہ کے احکام کا) مذاق اڑانے والوں میں شامل ہوگیا تھا (۲) یا کوئی یہ کہے اگر مجھے اللہ ہدایت دیتا تو میں بھی متقی لوگوں میں شامل ہوتا۔ (۳) کاش مجھے ایک مرتبہ واپس جانے کا موقع مل جائے تو میں نیک لوگوں میں شامل ہوجاؤں۔ ایسی حسرتیں مرنے کے بعد کوئی فائدہ نہیں دیں گی۔

سورۃ الزمر کے آخر میں اللہ تعالیٰ قیامت کے مختلف مناظر کو بیان فرماتے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب مرجائیں گے سوائے اس کے جس کو اللہ چاہے اور جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر اللہ کے سامنے پیش ہوں گے اور ان کا حساب ہوگا اور پھر کافروں کو کھینچ کھینچ کر دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا اور اہل تقویٰ کو بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے

جایا جائے گا جہاں ان کا شاندار استقبال ہوگا اور وہ بھی اللہ کی حمد و ثناء الحمدللہ رب العالمین کہہ کر کریں گے۔

سورۃ الغافر / المؤمن

سورہ غافر مکی ہے اور اس میں ۸۲/آیات اور ۹/رکوع ہیں۔ غافر کے معنی ہیں معاف کرنے والا اس سورت کی پہلی ہی آیت میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے استعمال ہوا ہے۔ اس مناسبت سے اس کا نام ''غافر'' ہے۔ اسی سورت کا ایک نام مؤمن بھی ہے کیونکہ اس میں ایک مرد مؤمن کی تقریر کا تذکرہ ہے۔

یہاں سے لے کر سورہ احقاف تک ہر سورت ''حٰـمٓ'' سے شروع ہو رہی ہے یہ سات سورتیں ہیں اور ان کو ''حوامیم'' کہا جاتا ہے اور ان کے اسلوب میں عربی بلاغت کے لحاظ سے جو ادبی حسن ہے اس کی وجہ سے ان کو عروس القرآن یعنی قرآن کی دلہن کا لقب دیا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے شروع دن میں آیۃ الکرسی اور سورہ مؤمن کی ''پہلی تین آیتیں (حٰمٓ سے الیہ المصیر تک) پڑھ لیں۔ وہ اس دن ہر بُرائی اور تکلیف سے محفوظ رہے گا۔

ابوداؤد و ترمذی میں ہے کہ آپ نے فرمایا (کسی جہاد کے موقع پر) کہ اگر رات میں تم پر چھاپہ مارا جائے تو تم حٰـمٓ لا ینصرون پڑھ لینا جس کا حاصل لفظ حٰمٓ کے ساتھ یہ دعا کرنا ہے کہ ہمارا دشمن کامیاب نہ ہو اور بعض روایات میں حٰـمٓ لَآ يُنْصَرُوْا بغیر نون کے آیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب حٰـم تم کہو گے تو دشمن کامیاب نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حٰم دشمن سے حفاظت کا قلعہ ہے۔ (معارف القرآن)

اس سورت کا اصل موضوع حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کے درمیان معرکہ کا بیان ہے۔ اس سورت کی ابتداء قرآن کریم کی حقانیت سے ہوئی ہے اور اس کے بعد فوراً اللہ کی چند صفات بیان کی گئیں ہیں:

(۱) بڑا صاحب اقتدار ہے۔ (۲) بڑے علم کا مالک ہے۔

(۳) گناہوں کومعاف کرنے والا ہے۔ (۴) توبہ قبول کرنے والا ہے۔
(۵) سخت سزادینے والا ہے۔ (۶) بڑی طاقت کا مالک ہے۔

ان صفات کو بیان فرما کر دو حقیقتوں کا اظہار فرمایا کہ

(۱) معبود فی الحقیقت اس کے سوا کوئی نہیں خواہ کتنے ہی جھوٹے معبود بنالئے جائیں۔

(۲) پلٹ کر یعنی اس دنیا سے گزر کر جانا سب کو آخر کار اسی کے پاس ہے۔ وہی حساب کتاب لینے والا اور جزا وسزا دینے والا ہے لہٰذا اگر اس کو چھوڑ کر کوئی دوسروں کو معبود بنائے گا تو اپنی اس غلطی کا خمیازہ خود بھگتے گا۔

عرش کو اٹھانے والے فرشتے ابھی چار ہیں اور قیامت کے دن ان کی تعداد آٹھ ہوجائے گی اور اس کے علاوہ عرش کے گرد کتنے فرشتے ہیں ان کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ ان سب فرشتوں کو کروبی کہا جاتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے ہیں۔ سورہ مومن کی آیت ۷ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ سب فرشتے مومنین کے لئے خصوصاً ان اہل ایمان کے لئے جو گناہوں سے توبہ کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور شریعت کی اتباع کی کوشش کرتے رہتے ہیں، ان کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ یہ فرشتے نہ صرف یہ کہ اللہ سے ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں بلکہ ساتھ ہی ان کے باپ داداؤں، بیویوں اور ان کی اولادوں میں سے جن میں صلاحیت مغفرت کی ہو یا جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو ان کے لئے بھی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کی دعاؤں میں ہمیں بھی شامل فرمائیں۔ آمین

علماء نے لکھا ہے کہ یہاں پر فرشتوں کی جو دعائیں مذکور ہیں وہ لفظ ''ربنا'' کے ساتھ ہیں اور قرآن کریم میں دیگر مقامات پر جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں مذکور ہیں۔ وہ بھی ''رَبِّ'' یا ''رَبَّنَا'' سے عموماً شروع ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے وقت اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کے منہ سے لفظ ''رَب'' سننا بہت پسند ہے اس لئے اپنی دعاؤں

میں اس کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔

قرآن کریم کا انداز بیان یہ ہے کہ ترغیب کے بعد ترہیب اور جنت کے بعد جہنم اور اہل ایمان کے بعد اہل کفر کا تذکرہ کرتا ہے تاکہ دونوں کی زندگیوں اور حالات کا موازنہ ہو سکے اور کامیاب اور ناکام لوگوں کی پہچان آسان ہو جائے۔ چنانچہ یہاں بھی جنت والوں کے تذکرے کے بعد کہ "مقرب فرشتے ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔" اب آیت ۱۰ تا ۱۲ میں اہل کفر کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ جب انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کر دیا جائے گا اور وہ اپنے اعمال بد کا انجام دیکھ لیں گے تو اپنے آپ سے سخت نفرت کریں گے اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتے ہوئے معذرت پیش کریں گے۔ دنیاوی اکڑفوں سب ختم ہو جائے گی اور ذلت اور انکساری کے ساتھ آگ کے شعلوں سے نکالنے کی درخواست کریں گے۔ لیکن ان کی یہ درخواست رد کر دی جائے گی اور جہنم کے داروغے ان سے کہیں گے "(آج) تمہیں جتنی بیزاری اپنے آپ سے ہو رہی ہے اس سے زیادہ بیزاری اللہ کو اس وقت ہوتی تھی جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی، اور تم انکار کرتے تھے۔"

آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات بیان فرمائی گئی ہیں:

(۱) **رفیع الدرجات** یعنی اونچے درجوں والا ہے یعنی تمام موجودات میں اس کا مقام بدرجہا بلند ہے، وہ جمیع صفات کمال میں سب سے بلند رتبہ ہے۔ اس کے رتبہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ سب اس کے محتاج ہیں، ذات میں بھی اور صفات میں بھی لیکن وہ کسی کا محتاج نہیں۔

(۲) **ذُوالْعَرش** عرش کا مالک ہے، عرش کے معنی ہیں تخت شاہی کے اور کبھی عرش عزت، غلبہ اور سلطنت کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں تین مختلف جگہوں پر عرش کی تین صفتیں ذکر فرمائی ہیں: (۱) سورہ توبہ میں **وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ** (۲) سورہ مومنون میں **رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْم** (۳) سورہ بروج میں **ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيْدُ**۔ بہرحال علماء نے لکھا ہے کہ عرش کی عظمت پر سوائے غائبانہ ایمان رکھنے کے ہم اس کی حقیقت و اصلیت کو نہیں سمجھ سکتے، اس لئے اس میں زیادہ بحث میں بھی نہیں جانا چاہئے۔

(۳) یُلْقِی الرُّوْح وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح (یعنی وحی) نازل کر دیتا ہے۔ یہ تینوں صفات ارشاد فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ''تاکہ ملاقات کے اس دن سے لوگوں کو خبردار کرے جس دن وہ سب کھل کر سامنے آ جائیں گے۔ اللہ سے ان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوگی (اس وقت کہا جائے گا) کس کی بادشاہی ہے آج؟ (پھر خود ہی جواب دے گا) (صرف اللہ کی جو واحد قہار ہے۔'' (آیت:۱۶)

آیت ۲۳/ سے تقریباً دو رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس قصہ میں ایک طویل مکالمہ اس مرد مؤمن کا بھی ہے جو آل فرعون سے ہونے کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لے آیا تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ فرعون کے چچازاد تھے اور ان کا نام شمعان یا حزقیل تھا۔

ایک حدیث میں ہے کہ صدیقین چند ہیں (ایک) حبیب نجار (سورہ یٰسین والے) (دوسرے) یہ مرد مومن جن کا تذکرہ اس سورت میں ہے اور (تیسرے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور وہ ان سب میں افضل ہیں۔ (قرطبی)

یہ صاحب خفیہ طور پر ایمان لے آئے تھے جب فرعون اور اس کے وزیر ہامان وغیرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے منصوبے بنانے لگے تو یہ مرد مؤمن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دفاع کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرعون کے سامنے کلمہ حق بلند کرتے ہوئے کہنے لگے: ''کیا تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔'' لیکن فرعون اپنی بات پر اڑا رہا۔

علماء نے لکھا ہے کہ انسان کو بگاڑنے والی عموماً تین ہی چیزیں ہوتی ہیں:

(۱) اپنی قوت وطاقت پر ناز (۲) اپنے علم یا قابلیت پر گھمنڈ

(۳) دولت اور ثروت میں زیادتی اور اس پر بھروسہ۔

اگر یہ تین چیزیں جمع ہو جائیں تو انسان بڑی تیزی سے تباہی کے راستہ پر آ جاتا ہے۔ فرعون کے اندر یہ تینوں ہی چیزیں جمع ہو گئی تھیں، اس لئے بجائے اس کے کہ وہ اس

مردمؤمن کی بات کو سمجھتا۔ واضح الفاظ میں کہنے لگا: ''میں تو تمہیں وہی رائے دوں گا جسے میں درست سمجھتا ہوں اور میں تمہاری جو رہنمائی کررہا ہوں وہ بالکل ٹھیک راستے کی طرف کررہا ہوں۔

مردمؤمن نے بھی فرعون کو سمجھانے کی پوری کوشش کی لیکن جب دیکھا کہ نرمی سے کام نہیں چلتا تو اس نے ان کو اللہ کے عذاب سے اور پچھلی قوموں پر جو اللہ کا عذاب آیا تھا، اس سے ڈرانا شروع کردیا لیکن فرعون اور اس کے حواریوں پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اللہ نے فرمایا:

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍo

(آیت ۳۵)

ترجمہ: اسی طرح اللہ ہر متکبر جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام اخلاق و اعمال کا سرچشمہ انسان کا دل ہی ہے۔ ہر اچھا برا عمل انسان کے دل سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں ہے کہ ''انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا یعنی دل ہے کہ جس کے درست ہونے سے سارا بدن درست رہتا ہے اور اس کے خراب ہونے سے سارا جسم خراب ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کی حفاظت فرمائے۔

مردمؤمن کی تقریر اس قدر اچھی اور پُراثر تھی کہ فرعون گھبرا گیا کہ میرے لوگوں پر اس کی بات کہیں اثر نہ کرجائے اس لئے ان کی تقریر کا اثر ختم کرنے کے لئے مذاق کرنے لگا اور اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک ایسی بلند و بالا عمارت تعمیر کرو کہ میں اس پر چڑھ کر دیکھوں تو کہ موسیٰ کا خدا ہے کہاں؟

علماء نے لکھا ہے کہ عموماً حکمرانوں کا طرزِ عمل یہ ہی ہوا کرتا ہے کہ مدمقابل کو دلیل سے شکست دینے کی کوشش کرتے ہیں اگر یہ ہوتا نظر نہ آئے تو پھر استہزاء اور مذاق کا راستہ اختیار کرلیتے ہیں تاکہ سامنے والے کی اہمیت لوگوں کے دلوں سے نکل جائے۔ فرعون نے بھی یہی کوشش کی لیکن مردمؤمن نے اس کے باوجود یہ ہی کوشش کی کہ کس طرح ان کے دل میں میری بات اُتر جائے لیکن فرعون نہ خود ایمان لایا اور نہ اپنے مقربین کو ایمان لانے دیا

اور اسی حالات میں اللہ کی پکڑ میں آ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے جو بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے تھے اللہ نے اس مرد مؤمن کو ان سب سے محفوظ رکھا اور فرعون کے لوگوں کو بدترین عذاب نے آ گھیرا۔ (آیت ۴۵) اور اس عذاب نے فرعون اور اس کے حواریوں کو ایسا گھیرا کہ وہ عذاب قبر میں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''آگ ہے جس کے سامنے انہیں صبح وشام پیش کیا جاتا ہے۔'' اور آخرت میں تو انہیں شدید ترین عذاب کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور جس دن قیامت آ جائے گی اس دن حکم ہوگا کہ فرعون کے لوگوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کردو۔'' (آیت ۴۶)

گزشتہ تین رکوعات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا جو قصہ سنایا گیا عین ان حالات کے مطابق تھا جن حالات میں اس سورت کا نزول مکہ معظمہ میں ہوا اس وقت کفار مکہ بھی طرح طرح کی سازشوں میں اور الزامات لگانے میں مصروف تھے اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کر رہے تھے۔ اسی صورت حال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا یہ قصہ سنایا گیا ہے جس میں تین مختلف سبق ہیں۔

(۱) کفار کو بتلایا گیا ہے کہ جو کچھ تم آپ ﷺ کے ساتھ کر رہے ہو یہی سب کچھ فرعون نے بھی اپنی طاقت کے بھروسے پر کیا تھا مگر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا اور تکذیب رسول اور عداوت پیغمبر کے باعث ہلاکت سے دوچار ہوا۔ اگر یہ ہی صورت تمہاری رہی تو تم بھی اس صورت حال سے دوچار ہو جاؤ گے۔

(۲) آنحضرت ﷺ اور آپ کے متبعین کو تسلی اور سبق دیا گیا ہے کہ یہ کفار چاہے کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہو جائیں اور اہل اسلام ان کے مقابلے میں کتنے ہی کمزور کیوں نہ ہو جائیں مگر اللہ کی نصرت ان کے لئے آ کر رہے گی اور آج کے فرعونی بھی وہ ہی دیکھ لیں گے جو گزشتہ فرعون دیکھ چکے ہیں مگر اس وقت تک صبر، ہمت اور استقلال کے ساتھ ان مصائب کو برداشت کرنا ہوگا۔

(۳) ان لوگوں کو سبق دیا گیا کہ جو دلوں میں تو آنحضرت ﷺ کی رسالت کو تسلیم

کرتے تھے مگر کفار کی زیادتیوں کے ڈر سے خاموش تھے۔ انہیں مردمؤمن کے حالات سنا کر جتلایا گیا ہے کہ اس مردمؤمن نے کس طرح بھرے دربار میں کلمہ حق بلند کیا اور مصلحتوں کو ٹھکرا کر حق کا ساتھ دیا تمہیں بھی ایسے ہی کرنا چاہئے۔

سورہ مومن کی آیت ۶۱ رسے اللہ کے چند انعامات کا تذکرہ ہے۔

(۱) اللہ نے رات کو بنایا تا کہ تم اس میں سکون حاصل کرو۔

(۲) دن کو بنایا تا کہ تم اس میں دیکھو اور معاش کو تلاش کرو۔

(۳) زمین کو بنایا تا کہ تمہیں قرار حاصل ہو اور سکون بھی ملے۔

(۴) آسمان کو چھت بنایا۔

(۵) تمہیں خوبصورت بنایا۔

(۶) رزق کے طور پر پاکیزہ چیزیں عطا کیں۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ انسان ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا اور اس کو صحیح مقصد میں استعمال کرتا مگر اس نے ناشکری شروع کردی بلکہ ان نعمتوں کو دینے والے ہی کی نافرمانی کرنے لگا۔ اللہ نے فرمایا آپ کہہ دیجئے مجھے اس بات سے منع کردیا گیا ہے کہ جب میرے پاس میرے رب کی طرف سے کھلی کھلی نشانیاں آچکی ہیں تو پھر بھی ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے بجائے پکارتے ہو اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کے سامنے سر جھکاؤں۔ (آیت ۶۶)

فقہاء نے لکھا ہے کہ جب کافر کو عذاب، آخرت اور ملائکہ عذاب نظر آجائیں تو پھر اس کا ایمان قبول نہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ غرغرہ سے پہلے تک کی توبہ قبول ہے۔ جب دم سینہ میں اٹکا، روح حلقوم تک پہنچی اور فرشتوں کو دیکھ لیا تو اس کے بعد کوئی توبہ نہیں۔ اسی بات پر اللہ نے اس سورۃ المؤمن کو مکمل فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''لیکن جب ہمارا عذاب انہوں نے دیکھ لیا تھا تو اس کے بعد ان کا ایمان لانا ان کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا۔ خبردار رہو کہ اللہ کا یہ ہی معمول ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے چلا آتا ہے اور اس موقع پر کافروں نے سخت نقصان اٹھایا۔'' (آیت ۸۹)

سورۃ حٰمٓ سجدہ

سورۂ حم سجدہ مکی ہے اور اس میں ۵۴/آیات اور ۶/رکوع ہیں، اس سورت کی آیت ۳۸ میں سجدہ تلاوت آیا ہے۔ اس مناسبت سے اس کو حم سجدہ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا دوسرا نام سورۂ ''فصلت'' ہے کیونکہ اس کی پہلی ہی آیت میں فصلت کا لفظ آیا ہے۔ نیز اس سورت کو سورۃ المصابیح اور سورۃ الاقوات بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حٰمٓ والی سات سورتوں میں سے دوسری سورت ہے جن کی فضیلت میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: حٰمٓ سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں، ہر حٰمٓ جہنم کے کسی ایک دروازے پر ہوگی اور اللہ سے کہے گی یا اللہ جس نے مجھے پڑھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو اس دروازے سے نہ داخل کرنا۔

اس سورت کے پہلے مخاطب قریش عرب ہیں جن کے سامنے یہ قرآن نازل ہوا اور ان کی زبان میں نازل ہوا انہوں نے قرآن کریم کا مشاہدہ کیا پھر آپ ﷺ کے بے شمار معجزات دیکھے اس کے باوجود قرآن کریم سے اعراض کیا اور سمجھنے اور سننے دونوں کو گوارا نہ کیا اور آپ ﷺ کی مشفقانہ نصیحتوں کے جواب میں بالآخر یہ کہہ بیٹھے کہ آپ کی باتیں نہ ہماری سمجھ میں آتی ہیں نہ ہمارے دل ان کو قبول کرتے ہیں، نہ ہمارے کان آپ کی بات کو سننے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان تو دوہرے پردے حائل ہیں، اس لئے آپ اپنا کام کریں اور ہمیں اپنا کام کرنے دیں۔ سورۂ حٰمٓ سجدہ کی پہلی پانچ آیات میں یہ ہی مضمون ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ان آیات میں قرآن کریم کی تین صفات بیان کی گئی ہیں۔

(۱) عربی زبان میں نازل کیا گیا تا کہ اوّلین مخاطب قریش مکہ کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

(۲) فصلت ایتۂ یعنی قرآن کریم کی آیات کو خوب کھول کھول کر واضح کر کے بیان کیا گیا ہے اور مثالوں سے ان کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔

(۳) بشیر ونذیر یعنی اپنے ماننے والوں کو دائمی راحتوں کی خوشخبری سناتا ہے اور نا ماننے والوں کو ابدی عذاب سے ڈراتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تینوں صفتوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''لقوم یعلمون ''یعنی قرآن کریم اور اس کی تمام صفات ایسے ہی لوگوں کو فائدہ دے سکتی ہیں جو سوچنے اور سمجھنے کا ارادہ بھی کریں۔

اس سورت کی آیت ۸ میں ارشاد فرمایا: ''البتہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں ان کے لئے بے شک ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔'' بعض مفسرین نے اس آیت شریفہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مؤمن جن اعمال صالحہ کا عادی ہوتا ہے اگر کسی بیماری، سفر یا دوسرے کسی عذر کی وجہ سے کسی وقت یہ عمل چھوٹ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اس عمل کا اجر ختم نہیں فرماتے بلکہ فرشتوں کو حکم فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جو عمل اپنی تندرستی اور فرصت کے اوقات میں پابندی سے کیا کرتا تھا ان کا جو اجر تھا وہ اس وقت بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھ دو۔ (معارف القرآن)

آیت ۱۱ر میں ارشاد فرمایا کہ'' پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ اس وقت دھویں کی شکل میں تھا اور اس سے اور زمین سے کہا چلے آؤ چاہے خوشی سے یا زبردستی۔ دونوں نے کہا ہم خوشی خوشی آتے ہیں۔'' چلے آؤ کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے حکم کے تابع بن جاؤ۔ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے علاوہ دیگر مخلوقات میں یہ قدرت اور طاقت ہی نہیں رکھی کہ وہ اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی کرسکیں۔ اسی لئے فرمایا: ''چاہے خوشی سے آؤ یا زبردستی۔'' لیکن انسان کا معاملہ کائنات کی دوسری مخلوقات سے مختلف رکھا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو طرح کے احکامات کا پابند ہے۔ ایک تکوینی احکام یعنی کب پیدا ہوگا، عمر کتنی ہوگی، کون کونسی بیماریاں لاحق ہوں گی، اولاد کتنی ہوگی وغیرہ یہ سب تکوینی امور ہیں اور ان میں انسان بھی دوسری مخلوقات کی طرح اللہ کے احکامات کا پابند ہے اور ان کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔ اس لئے انسان کو بھی چاہئے کہ وہ زمین وآسمان کی طرح تکوینی امور میں اللہ کا حکم خوش دلی سے قبول کرے لہٰذا غیر اختیاری معاملات میں جو بات بھی پیش آئے انسان کو اللہ کا حکم سمجھ کر کم از کم عقلی طور پر راضی رہنا چاہئے۔

دوسرے تشریعی احکام ہیں یعنی کون سی چیز حلال ہے اور کونسی حرام، اللہ تعالیٰ کو کون سا

کام پسند ہے اور کون سا ناپسند انسان کو کہا گیا کہ وہ وہی کام کرے جو اللہ کو پسند ہے لیکن اس بات پر اسے ایسے مجبور نہیں کیا گیا جیسے تکوینی احکام میں مجبور ہے بلکہ یہ تشریعی احکام دینے کے بعد اسے اختیار دیا گیا اگر وہ ان پر عمل کرے تو اللہ خوش ہوگا اور اس پر اجر دے گا اور اگر عمل نہ کرے تو اللہ ناراض ہوگا اور عذاب دے گا۔ یہ ہی اس کا امتحان ہے اور اسی پر جنت اور جہنم کا فیصلہ ہوگا۔

قرآن و حدیث کے متعدد دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ کوئی دن منحوس یا برا نہیں بلکہ کسی بھی دن کو منحوس یا برا انسان کا عمل بناتا ہے۔ اس لئے آیت ۱۶ر میں جو عاد و ثمود کے بارے میں فرمایا کہ ''ہم نے کچھ منحوس دنوں میں ان پر آندھی کی شکل میں ہوا بھیجی'' میں دنوں کی منحوسیت مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال نے اس دن کو ان کے لئے منحوس بنا دیا جس کی وجہ سے وہ دن ان کے لئے منحوس ثابت ہوئے۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ بعض کافر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ کوئی گناہ چھپ کر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہیں ہوگا اور ہمارے اس عمل پر کوئی گواہ بھی نہ ہوگا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ اوّل تو اللہ تعالیٰ کو ہر ظاہر و خفیہ چیز کا علم ہے، کوئی چیز اور کوئی کام اس سے مخفی نہیں اور دوم یہ کہ اللہ نے ہر نیک اور اعمال بد کے لئے گواہ خود اس کے جسم میں رکھ دیئے ہیں یعنی اس کے اعضاء و جوارح کے یہ ہی ہاتھ پاؤں وغیرہ اس کے حق میں اس کے خلاف قیامت میں گواہی دیں گے۔ یہاں تک کہ دن اور رات بھی گواہی دیں گے چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ ہر آنے والا دن انسان کو یہ ندا دیتا ہے کہ میں نیا دن ہوں اور جو کچھ تو میرے اندر عمل کرے گا۔ قیامت میں' میں اس پر گواہی دوں گا۔ اس لئے تجھے چاہئے کہ میرے ختم ہونے سے پہلے کوئی نیکی کرلے تاکہ میں اس کی گواہی دوں اور اگر میں چلا گیا تو پھر تو مجھے کبھی نہ پائے گا۔ اسی طرح ہر رات بھی انسان کو یہ ندا دیتی ہے۔ (معارف القرآن) آیت ۲۲ر میں یہ ہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

کفار جب قرآن کریم کے مقابلے سے عاجز آگئے اور اس کے خلاف ان کی ساری تدبیریں ناکام ہوگئیں تو پھر انہوں نے یہ ترکیب کی کہ جب قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی

تو سب لوگ شور مچانا شروع کردیتے تا کہ اس شور کی وجہ سے کسی کو یہ پتا ہی نہیں چلے کہ کیا پڑھا جارہا ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ کفار کا یہ عمل کفر کی علامت تھا۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کو خاموشی اور ادب سے سننا واجب ہے اور ایمان کی علامت ہے، آج کل جس طرح ریڈیو، ٹی وی اور موبائل وغیرہ پر قرآن کریم لگا دیا جاتا ہے اور خود اپنے کاموں میں، باتوں میں اور کھانے پینے میں مشغول ہوجاتے ہیں، تو یہ بھی بے ادبی ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت برکت حاصل کرنے کے لئے اس تلاوت کو متوجہ ہوکر سننا چاہئے۔ (آیت ۲۶)

اس سورت کی آیت ۳۰ ر میں مخلص مومنین کا ایک نمایاں وصف بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے استقامت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام و اسرار اور نواہی پر سیدھے جمے رہو اس سے اِدھر اُدھر راہ فرار لومڑیوں کی طرح نہ نکالو۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ استقامت ہی ولایت ہے اور سب سے بڑی کرامت ہے۔ اصحاب استقامت پر فرشتے اترتے ہیں اور وہ اصحاب استقامت سے کہیں گے کہ ''تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشخبری سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ تھا۔'' ہم ہیں تمہارے رفیق دنیا و آخرت میں اور تمہارے لئے وہاں ہے جو چاہے تمہارا جی اور تمہارے لئے وہاں ہے جو کچھ تم مانگو۔'' یہ خطاب فرشتوں کا کب ہوگا۔ علماء نے لکھا ہے کہ تین وقتوں میں ہوگا، اوّل موت کے وقت، دوم قبر کے اندر، سوم قبروں سے اٹھنے کے وقت۔ بعض علماء نے فرمایا کہ مومنین پر فرشتوں کا نزول ہر روز ہوتا ہے جس کے آثار و برکات ان کے اعمال میں پائے جاتے ہیں۔ البتہ فرشتوں کا مشاہدہ اور ان کا کلام سننا یہ انہی تین مواقع پر ہوگا۔ (معارف القرآن)

آیت ۳۳ ر میں ارشاد فرمایا: اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے بلایا اللہ کی طرف اور نیک کام کیا۔'' معلوم ہوا کہ انسان کے کلام میں سے افضل اور اچھا کلام وہ ہے جس میں دوسروں کو دعوت حق دی جائے اور اس میں دعوت دینے کی تمام صورتیں داخل ہیں، چاہے وہ تحریراً ہوں یا تقریراً۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ آیت مؤذنوں کے بارے میں نازل ہوئی اور عمل صالحہ یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان دو

رکعت پڑھی جائیں۔ایک حدیث شریف میں ہے کہ اذان واقامت کے درمیان جو دعا کی جاتی ہے وہ رد نہیں ہوتی۔

چوبیسویں پارے کے اختتام پر فرمایا کہ اللہ کی طرف سے کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا بلکہ انسان اعمال بد کر کے خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔اچھے اعمال کا فائدہ اور برے اعمال کا نقصان اسی کا ہوتا ہے۔چنانچہ ارشاد فرمایا:''جب کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لئے کرتا ہے اور جو کوئی برائی کرتا ہے وہ اپنے ہی نقصان کے لئے کرتا ہے اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

موجودہ دور انکشافات، ایجادات اور تحقیقات کا زمانہ ہے، ہر روز نئی نئی باتیں سامنے آتی ہیں۔کائنات کے اعتبار سے بھی اور خود انسان کے بارے میں بھی۔اللہ تعالیٰ اس سورت کے اختتام پر چودہ سو سال پہلے یہ بات ارشاد فرما رہے ہیں کہ ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہی حق ہے۔(آیت ۵۴)

چوبیسویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) سخت پریشانی میں اور بڑے اختلاف میں اس دعا کا مانگنا مسنون ہے:
اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

(۲) گناہ ظاہراً ہو یا چھپے ہوئے ہوں، بڑے ہوں یا چھوٹے ان کی وجہ سے پریشانی اور مصائب آتے ہیں۔

(۳) اللہ کی عبادت واجب ہے تمام اوامر میں اور واجب ہے تمام نواہی میں اجتناب، اور واجب ہے اس کی حمد اور اس کا شکر، اس لئے کہ ہر طرح کی نعمت اس کی طرف سے ہے اور ہر فضیلت اسی کے لئے ہے۔

(۴) عرش اٹھانے والے فرشتوں کی تسبیح ہے: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ'' جو شخص اس تسبیح کو ۱۰۰ مرتبہ پڑھ لے۔ صبح اور شام کے وقت تو اس کے گناہوں کو معاف کردیا جاتا ہے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(۵) اللہ کے علم کی وسعت اتنی ہے کہ وہ آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور جو دلوں میں چھپا ہوا ہے اس کو بھی جانتا ہے۔

(۶) صبر و تحمل ضروری ہے اللہ کی ذات پر اور اس پر مدد طلب کرنا، استغفار، ذکر اور نماز کے ذریعے۔

(۷) دُعا یعنی مانگنا یہ ایک عبادت ہے اسی لئے غیر اللہ سے مانگنا شرک ہے۔

(۸) انسانوں پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے چوپایوں کو اس کا تابع بنایا جس کی وجہ سے ان سے فائدہ حاصل کرنا، ان کا کھانا، ان پر سواری کرنا ممکن ہوسکا اس پر اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

(۹) عربی زبان کا اتنا سیکھنا ضروری ہے کہ جس کے ذریعے اللہ کے کلام قرآن عظیم کو سمجھ سکے۔

(۱۰) ایمان اور تقویٰ یہ دونوں دنیا و آخرت کے عذاب سے بچنے کے راستے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
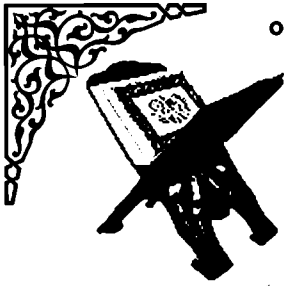
چوبیسویں تراویح

اِلَيۡهِ يُرَدُّ (پچیسواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں پچیسویں سپارہ کی تلاوت کی گئی ہے۔

سورۃ الشوریٰ

سورۂ شوریٰ مکی سورتوں میں سے ہے، اس میں ۵۳ آیات اور ۵ رکوع ہیں۔ یہ حوامیم کے مجموعے کی تیسری سورت ہے۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کے بنیادی عقائد پر زور دیا گیا ہے۔ اور ایمان کی قابل تعریف صفات بیان کی گئی ہیں۔

آیت ۳۸ میں مسلمانوں کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ ان کے اہم معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''شوریٰ'' رکھا گیا ہے۔ جس کے معنی مشورے کے ہیں۔

ابتدائے سورت میں حقانیت قرآن کا بیان ہے اور پھر توحید کا تذکرہ اور معبودان باطلہ کی مذمت ہے۔ پھر قرآن کریم کی عالمگیریت کا بیان ہے کہ یہ مکہ مکرمہ اور اس کے اطراف میں واقع تمام دنیا کے انسانوں کی رہنمائی کے لئے ہے۔ اللہ چاہیں تو ہر ایک کو زبردستی اسلام میں داخل کردیں لیکن یہ ''سودا'' زبردستی کا نہیں بلکہ اپنے ''اختیار'' کے مطابق فیصلے کا ہے تاکہ قیامت کی جزاء وسزاء اس پر نافذ ہوسکے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے آیت ۱۵ر کے تحت لکھا ہے کہ اس آیت میں ایک لطیف نکتہ ہے جو قرآن کریم کی صرف ایک اور آیت میں پایا جاتا ہے، باقی کسی اور آیت میں نہیں۔ وہ یہ کہ اس آیت میں دس کلمہ ہیں جو سب مستقل ہیں، الگ الگ ایک ایک کلمہ اپنی

ذات میں ایک مستقل حکم ہے اور یہ ہی بات دوسری آیت یعنی آیۃ الکرسی میں بھی ہے۔تو اس آیت میں دس احکام ہیں:

پہلا حکم: جو وحی آنحضرت ﷺ پر نازل کی گئی وہی وحی آپ سے پہلے تمام انبیاء پر آتی رہی اس لئے تمام لوگوں کو آپ اس کی دعوت دیں اور ہر ایک کو اسی کی طرف بلائیں۔

دوسرا حکم: اللہ تعالیٰ کی عبادات، وحدانیت اور اس کے احکام پر مستقیم رہئے۔

تیسرا حکم: آپ ہرگز ہرگز ان مشرکین کی خواہشات پر نہ چلیں اور ایک بات بھی ان کی نہ مانیں۔

چوتھا حکم: آپ علی الاعلان اپنے اس عقیدہ کی تبلیغ کریں کہ اللہ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر میرا ایمان ہے۔ یہ نہیں کہ میں ایک کو مانوں اور دوسری سے انکار کروں۔

پانچواں حکم: آپ اعلان کردیں کہ میں تم میں وہی احکام جاری کرنا چاہتا ہوں جو اللہ کی طرف سے میرے پاس پہنچائے گئے ہیں جو سراسر عدل اور یکسر انصاف پر مبنی ہیں۔

چھٹا حکم: آپ اعلان کردیں کہ معبود برحق صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی ہمارا اور تمہارا سب کا معبود برحق ہے۔

ساتواں حکم: آپ کہہ دیں کہ ہمارے عمل ہمارے ساتھ، تمہارے عمل تمہارے ساتھ۔

آٹھواں حکم: آپ کہہ دیں کہ ہم سے کوئی جھگڑا اور کسی بحث ومباحثہ کی ضرورت نہیں (یہ حکم مکہ کا تھا پھر مدینہ میں جہاد کی آیتیں واحکام نازل ہوئے۔)

نواں حکم: آپ کہہ دیں کہ قیامت کے دن اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور پھر حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔

دسواں حکم: آپ کہہ دیں کہ لوٹنا سب کو اللہ ہی کی طرف ہے۔کوئی بچ کر نکل نہیں سکتا۔اگرچہ آیت میں خطاب آنحضرت ﷺ کو ہے مگر یہ تعلیمات واحکامات امت مسلمہ کے لئے عام ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورۃ الشوریٰ کی آیت ۳۰ر نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جس شخص

کوکسی لکڑی سے کوئی خراش لگتی ہے یا کوئی رگ دھڑکتی ہے یا قدم کولغزش ہوتی ہے، یہ سب اس کے گناہوں کے سبب سے ہوتا ہے اور ہر گناہ کی سزا اللہ تعالیٰ نہیں دیتے بلکہ جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف کردیتے ہیں وہ ان سے بہت زیادہ ہیں، جن پر کوئی سزادی جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس طرح جسمانی اذیتیں اور تکلیفیں گناہوں کے سبب آتی ہیں اسی طرح باطنی امراض بھی کسی گناہ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ آدمی سے کوئی ایک گناہ سرزد ہوگیا تو وہ سبب بن جاتا ہے۔ دوسرے گناہوں میں مبتلا ہونے کا۔ علماء نے لکھا ہے کہ گناہ کی ایک نقد سزا یہ ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے گناہوں میں بھی مبتلا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح نیکی کی ایک نقد جزاء یہ ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچ لاتی ہے۔

آیت ۳۶/تا ۴۰/ ایمان والوں کی آٹھ نمایاں صفات بیان کی گئی ہیں:

(۱) اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں (۲) گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں (۳) اگر غصہ آجائے تو معاف کردیتے ہیں (۴) رب کی فرمانبرداری کرتے ہیں (۵) نماز کی پابندی کرتے ہیں (۶) اپنے کام باہمی مشورے سے کرتے ہیں (۷) اللہ کا دیا ہوا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں (۸) اگر کوئی ظلم وزیادتی کرے تو مناسب طریقے سے بدلہ لیتے ہیں۔

یہ صفات اگر آج کے مسلمان اپنے اندر پیدا کرلیں تو ان کی انفرادی ومعاشی زندگی میں انقلاب اجائے۔

سورۃ الزخرف

سورۂ زخرف مکی ہے، اس میں ۸۹/آیات اور ۷/رکوع ہیں چونکہ اس سورت کی آیت ۳۵ میں زخرف کا لفظ آیا ہے جو سونے اور زینت کے معنی میں آتا ہے، اس لئے اس کا نام ''زخرف'' رکھا گیا۔ اس سورت کا موضوع اصولِ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس روشن اور واضح کتاب کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ''ہم نے اسے عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو اور یہ (قرآن) بڑی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں ہمارے پاس لکھی ہوئی اور بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے۔''

آیت ۴ر میں اللہ تعالیٰ کفار مکہ سے خطاب فرمارہے ہیں کہ کیا ہم تم سے اس نصیحت کو اس بات پر ہٹا لیں گے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو؟ یعنی تم اپنی سرکشی اور نافرمانی میں خواہ کتنے ہی حد سے گزر جاؤ لیکن ہم تمہیں قرآن کے ذریعہ نصیحت کرنا نہیں چھوڑیں گے۔ اس آیت کے تحت علماء نے لکھا ہے کہ مبلغ دین کو مایوس ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے۔ جو بھی دعوت اور تبلیغ کا کام کرتا ہوا سے ہر شخص کے پاس پیغام حق لے کر جانا چاہئے اور کسی گروہ یا جماعت کو تبلیغ کرنا محض اس بناء پر نہیں چھوڑنا چاہئے کہ وہ تو انتہا درجہ کے ملحد بے دین یا فاسق و فاجر ہیں اُنہیں کیا تبلیغ کی جائے۔ فضائل تبلیغ میں لکھا ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں جب کہ بخل کی اطاعت ہونے لگے اور خواہشات نفسانیہ کا اتباع کیا جائے، دنیا کو دین پر ترجیح دی جائے، ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرے، دوسرے کی نہ مانے اُس وقت میں نبی کریم ﷺ نے دوسروں کی اصلاح چھوڑ کر یکسوئی اور اپنی اصلاح کی فکر کا حکم فرمایا ہے مگر مشائخ کے نزدیک ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے اس لئے جو کچھ کرنا ہے ابھی کرلو خدا نہ کرے کہ وہ وقت دیکھتی آنکھوں آن پہنچے کہ اُس وقت کسی قسم کی اصلاح ممکن نہ ہوگی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

آیت ۹ سے یہ سورت دلائل قدرت سے بحث کرتی ہے کہ یہ آسمان کی نیلی چھت، یہ زمین کا فرش، یہ بلند و بالا پہاڑ، یہ بہتی ہوئی نہریں، یہ تاحدِ نظر پھیلے ہوئے سمندر، یہ آسمان سے قطرہ قطرہ برسنے والی بارش، یہ سطحِ آب پر رواں دواں کشتیاں اور جہاز، یہ ہر قسم کے چوپائے جو کھانے کے کام بھی آتے ہیں اور نقل و حمل کے بہترین ذرائع بھی ثابت ہوتے ہیں، یہ سب اپنے خالق اور صانع کی قدرت اور حکمت کے زندہ گواہ ہیں۔ یہ گواہ کل بھی موجود تھے اور آج بھی موجود ہیں۔ ضرورت صرف ان کانوں کی ہے جو حق کی گواہی سن سکیں، ان آنکھوں کی ہے جو دیکھ سکیں، ان دلوں کی ہے جو حق کو قبول کرسکیں۔

آیت ۱۲ر تا ۱۵ر میں ارشاد فرمایا: کیا یہ اللہ کی نعمت اور احسان نہیں کہ سرکش اور نافہم جانور انسان کے اشاروں پر کام کرتا ہے اور باوجود زیادہ طاقتور ہونے کے انسان کا فرمانبردار بن جاتا ہے کہ اس پر سوار ہوکر یا سامان لاد کر جہاں چاہتا ہے اور جدھر چاہتا ہے لئے پھرتا

ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان سواریوں کی تسخیر نہ کرتا تو کس طرح ایک حقیر انسان اپنے سے بدرجہا زیادہ طاقتور جانوروں سے کام لے سکتا تھا۔ یہ اللہ ہی کی عنایت ہے۔ دل سے اللہ کا شکرادا کرواورزبان سے یوں شکر کرو کہ ہرنقص اور عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں دے دیا ورنہ ہم میں کیا طاقت تھی کہ جو ہم انہیں قابو میں لاتے۔

اِن آیات سے ایک خاص تعلیم یہ ملتی ہے کہ ایک کافر اور ایک مومن میں درحقیقت یہی بڑا فرق ہے کہ کائنات کی نعمتوں کو دونوں استعمال کرتے ہیں لیکن کافر اُنہیں غفلت اور بے پروائی سے استعمال کرتا ہے اور مومن اللہ کے انعام واحسان کو یاد کر کے اُس کا شکرگزار اوراحسان مند بندہ بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شکرگزاروں میں شامل فرمائے۔

دوسری تعلیم یہ دی گئی کہ انسان کو اپنے ہر دنیوی سفر کے وقت آخرت کے سفر کو یاد کرنا چاہئے جو ہر حال میں ضرور پیش آکر رہے گا۔ دنیا کے سفر میں سواری کی نعمت وسہولت کو حاصل کر کے آخرت کی نعمت وسہولت کو مستحضر کرے اور یاد کرے کہ آخرت کے سفر کو سہولت کے ساتھ طے کرنے کے لئے ایمان اور اعمال صالحہ کے سوا کوئی اور سواری نہ ہوگی۔ لہٰذا ایمان اوراعمال صالحہ کے لئے ہر آن کوشاں ہونا چاہئے۔

آیت ۳۱ سے مشرکین کے اعتراض کا تذکرہ ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ایک غریب اور وسائل سے محروم شخص کو نبی بنانے کے بجائے مکہ یا طائف کے کسی سردار کا انتخاب کیوں عمل میں نہیں لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت ۳۲ میں ارشاد فرمایا نبوت ورسالت اللہ کی رحمت ہے اور اللہ جانتے ہیں کہ اس کا اہل کون ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو اللہ کی رحمت تقسیم کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ باقی رہا مسئلہ امارت ووسائل کی فراوانی کا تو اس کا نبوت ورسالت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے اس سے انسانوں کو امتحان وآزمائش میں مبتلاء کیا جاتا ہے اور حدیث کا مفہوم ہے کہ ساری دنیا کے مال ودولت کی حیثیت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے لہٰذا اگر لوگوں کے اسلام سے منحرف ہو کر کافر ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ تمام کافروں کے گھروں کو سونے چاندی سے مزین کردیتے، یہ تو دنیا کا عارضی متاع ہے اور متقیوں کے لئے آخرت ہے۔

آیت ۴۶ تا ۵۶ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ فرعون کو اپنے اقتدار، سونے چاندی کے انبار اور وسیع اختیارات پر بڑا ناز تھا اور وہ اپنے آپ کو مصر کی سرزمین اور نہروں کا حقیقی مالک سمجھتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے انہی نہروں اور دریاؤں میں سے ایک میں غرق کردیا جو اس کے خیال میں اس کی اجازت کے بغیر اپنا بہاؤ بھی جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔

آیت ۶۷ رمیں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کے دوستانہ تعلقات جن پر آج انسان ناز کرتا ہے اور جن کی خاطر حلال وحرام ایک کرڈالتا ہے قیامت کے روز نہ صرف یہ کچھ کام نہ آئیں گے بلکہ ان کی دوستی الٹی دشمنی میں تبدیل ہوجائے گی۔ اس لئے دنیا و آخرت دونوں کے لحاظ سے بہترین دوستی وہ ہے جو اللہ کے لئے ہو اور اللہ کے لئے محبت و دوستی کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے سے اس بناء پر تعلق ہو کہ وہ اللہ کے دین کا سچا پیرو ہے اور اللہ کے لئے محبت کے بڑے فضائل اور درجات احادیث میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آواز دیں گے کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے واسطے آپس میں محبت رکھتے تھے۔ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہیں ہے میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ (تبلیغ دین بحوالہ مسلم)

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ عرش کے گرد نور کے ممبر ہیں، جن پر ایک جماعت بیٹھے گی جن کے لباس اور چہرے سرتاپا نور ہوں گے اور وہ لوگ نہ نبی ہوں گے نہ شہید مگر انبیاء و شہداء اُن کی حالت پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ کے وہ مخلص بندے جو باہم اللہ کے واسطے محبت کرتے ہیں اور اللہ کے واسطے ایک دوسرے کے پاس اُٹھتے بیٹھتے اور آتے جاتے ہیں۔''

سورت کے اختتام پر اللہ اپنے پیغمبر کو جاہلوں سے اعراض کرنے اور صبر کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تم ان سے منہ پھیر لو اور سلام کہہ دو، انہیں عنقریب انجام معلوم ہوجائے گا۔''

سورۃ الدخان

سورۂ دخان مکی ہے، اس میں ۵۹ /آیات اور ۳ رکوع ہیں۔

مستند روایات کے مطابق یہ سورت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے کافروں کو متنبہ کرنے کے لئے ایک شدید قحط میں مبتلا فرمایا، اس موقع پر لوگ چمڑے تک کھانے پر مجبور ہوئے اور ابوسفیان کے ذریعے کافروں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ قحط دُور کرنے کے لئے اللہ سے دعا کریں اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر قحط دُور ہوگیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے دُعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے قحط سے نجات عطا فرمادی لیکن جب قحط دُور ہوگیا تو یہ کافر لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے اور ایمان نہیں لائے۔ اس واقعے کا تذکرہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۰ /تا ۱۵ /میں آیا ہے، اور اسی سلسلے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک دن آسمان پر دُھواں ہی دُھواں نظر آئے گا۔ دُھویں کو عربی میں ''دُخان'' کہتے ہیں اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام ''سورۂ دخان'' ہے۔

اس سورت کی فضیلت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی رات میں سورۂ دُخان پڑھ لے تو صبح کو اس کے گناہ معاف ہوچکے ہوں گے۔

اس سورت کی ابتداء میں بھی اللہ تعالیٰ نے ''کتاب مبین'' یعنی واضح کتاب کی قسم کھائی ہے، یہ کتاب اعجاز کے اعتبار سے بھی واضح ہے اور احکام و مضامین کے بیان کے اعتبار سے بھی واضح ہے۔ اللہ نے قسم اسی اعتبار سے کھائی ہے کہ ہم نے اس کتاب کو مبارک رات میں نازل کیا، اس سے مراد ''لیلۃ القدر'' ہے جو کہ ساری راتوں سے افضل ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں ابتدائے دنیا سے آخر تک اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائیں وہ سب کی سب ماہِ رمضان المبارک ہی کی مختلف تاریخوں میں نازل ہوئی ہیں۔

آیت ۱۰ /میں ''بدخان مبین'' یعنی دھویں کا ذکر ہے۔ اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

نزول اوران کے چالیس سالہ قیام، پھر انتقال فرما جانے کے بعد اور آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے اُس زمانہ میں ایک زبردست دھواں نمودار ہوگا جو تمام زمین پر چھا جائے گا اور تمام لوگوں کو گھیر لے گا جس سے آدمی تنگ آ جائیں گے۔ نیک آدمی کو اُس کا اثر خفیف پہنچے گا جس سے مسلمان کو ایک زکام کی سی کیفیت پیدا ہو جائے گی اور کافر منافق کے دماغ میں دھواں گھس کر انہیں بیہوش کر دے گا۔ بعض ایک دن میں بعض دو دن میں اور بعض تین دن میں ہوش میں آئیں گے اور یہ دھواں چالیس روز تک مسلسل رہے گا، پھر مطلع صاف ہو جائے گا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں دھویں سے مراد وہ دھواں ہے جو قحط کے دوران بھوک کی وجہ سے محسوس ہوتا ہے۔ اُس کو یہاں آیت میں دُخان سے تعبیر فرمایا ہے۔

آیت ۲۹ر میں فرمایا گیا کہ ان فرعونیوں کی ہلاکت پر نہ تو آسمان کو رونا آیا نہ زمین کو۔ لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کے مرنے پر آسمان اور زمین دونوں روتے ہیں۔ چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن جب مر جاتا ہے تو آسمان کا ایک وہ دروازہ جس میں سے اُس کا عمل اوپر چڑھتا تھا اور ایک وہ دروازہ جس میں سے اس کے رزق کا نزول ہوتا تھا اُس پر روتے ہیں اور اس کے بعد آپ نے یہی آیت پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زمین مومن کے مرنے پر چالیس دن تک روتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب مومن مرتا ہے تو زمین، اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں اس کے عمل اوپر چڑھنے کی جگہ اُس پر روتی ہے۔

سورت کے اختتام پر ان ہولناک عذابوں کا ذکر ہے جن کا سامنا اللہ کے نافرمانوں کو کرنا پڑے گا۔

چنانچہ آیت ۴۳ر تا ۵۰ر ان ہی عذابوں کا تذکرہ ہے جس میں زقوم کے ایک درخت کا بھی تذکرہ ہے، جس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ "زقوم" جہنم میں پیدا ہونے والا ایک درخت ہے اور وہ دوزخیوں کی خوراک بنے گا۔ اگر اس کا ایک قطرہ اس دنیا

میں ٹپک جائے تو یہاں کی تمام چیزیں اس کی بدبو اور گندگی اور زہریلے پن سے متاثر ہو جائیں اور ہمارے کھانے پینے کی ساری چیزیں خراب ہو جائیں۔ پس سوچنے کی بات ہے کہ یہ زقوم جس کو کھانا پڑے اُس پر کیا گزرے گی۔

کفار پر عذاب کا تذکرہ کرنے کے بعد چھوٹی سی عقل میں نہ سما سکنے والی ان نعمتوں کا ذکر ہے جن سے اللہ کے نیک بندوں کو جنت میں نوازا جائے گا۔

سورة الجاثيه

سورۂ جاثیہ مکی ہے، اس میں ۳۷/آیات اور ۴/رکوع ہیں۔ ''جاثیہ'' کے معنی ہیں ''گھٹنوں کے بل بیٹھنا'' چونکہ قیامت کے دن لوگ خوف اور ہیبت کی وجہ سے دربارِ الٰہی میں گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے اور اس سورت کی آیت ۲۸ میں اس خوفناک منظر کا بیان ہے، اس لئے اسے ''سورۂ جاثیہ'' کہا جاتا ہے۔

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ اس کائنات میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی اتنی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں کہ ایک انسان اگر معقولیت کے ساتھ اُن پر غور کرے تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کائنات کے خالق کو اپنی خدائی کے انتظام میں کسی شریک کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا کر اُس کی عبادت کرنا سراسر بے بنیاد بات ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کی عظمت بیان کرنے کے بعد یہ سورت آیت ۴/ سے انسان کو اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ انسان خود اپنی پیدائش اور بناوٹ اور دوسرے حیوانات کی ساخت میں غور کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا یقین دلانے کے لئے ہزارہا نشانیاں ملیں گی۔ اِسی طرح دن رات کے ادلنے بدلنے اور آسمان سے بارش کے برسنے اور پھر خشک زمین کے سرسبز وشاداب ہو جانے میں نشانیاں اس کی قدرت اور معرفت کی موجود ہیں تو انسان اگر ذرا بھی سمجھ سے کام لیں تو معلوم ہو جائے کہ یہ امور بجز اُس زبردست قادر و حکیم کے اور کسی کے بس میں نہیں۔

آیت ۱۸/ میں فرمایا گیا: ترجمہ: ''پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا

سو آپ اسی طریقہ پر چلے جایئے اوران جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے۔'' اس آیت کے تحت حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ دین اسلام کے کچھ تو اصول عقائد ہیں مثلاً توحید وآخرت وغیرہ اور کچھ عملی زندگی سے متعلق احکام ہیں۔ جہاں تک اصول احکام کا تعلق ہے وہ تو ہر نبی کی امت میں یکساں رہے ہیں اور اُن میں کبھی ترمیم اور تبدیلی نہیں ہوئی لیکن عملی احکام مختلف انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں اپنے اپنے زمانہ کے لحاظ سے بدلتے رہے ہیں۔ آیت مذکورہ میں انہی دوسری قسم کے احکام کو ''دین کے ایک طریقے'' سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اسی وجہ سے فقہاء نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اُمت محمدیہ کے لئے صرف شریعت محمدی ہی کے احکام واجب العمل ہیں۔ پچھلی امتوں کو جو احکام دیئے گئے تھے وہ ہمارے لئے اُس وقت تک واجب العمل نہیں ہیں جب تک قرآن وسنت سے اُن کی تائید نہ ہو جائے۔ پھر تائید کی ایک شکل تو یہ ہے کہ قرآن یا حدیث میں صراحتاً فرمایا گیا ہو کہ فلاں نبی کی امت کا یہ حکم ہمارے لئے بھی واجب العمل ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم یا آنحضرت ﷺ کسی پچھلی امت کا کوئی حکم بطور تحسین و مدح بیان فرمائیں اور اس کے بارہ میں یہ نہ فرمائیں کہ یہ حکم ہمارے زمانہ میں منسوخ ہو گیا ہے۔ اس سے بھی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حکم ہماری شریعت میں بھی جاری ہے۔

کفار حضور اکرم ﷺ کے زمانوں کے ہوں یا موجودہ زمانے کے، ان کے کفر وانکار کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ جب کہ قرآن بار بار اس دن پر ایمان لانے کی تاکید کرتا ہے جس دن نیک اور بد ہر کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا۔ اس سورت کے آخر میں اسی دن یعنی قیامت کی منظر کشی بڑے عجیب انداز سے کی گئی ہے کہ قیامت قائم ہو چکی ہے، حشر کا میدان ہے، لوگ خوف کے مارے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ بندوں سے مخاطب ہیں، کہا جا رہا ہے کہ تم نے قیامت کو بھلا دیا تھا، آج تمہیں بھلا دیا گیا ہے، تم آیاتِ الٰہیہ کا مذاق اڑایا کرتے تھے آج تم خود مذاق بن کر رہ گئے ہو۔

پچیسویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) جو شخص اللہ کے سوا کسی اور کو ولی بنائے تو ہلاک ہو جائے گا اور جس نے اللہ کو ولی بنایا سب کو چھوڑ کر تو اللہ دنیا و آخرت کے تمام امور میں اس کو کافی ہو جائے گا۔

(۲) اس بات پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ''رزاق'' ہے اسی کے ہاتھ میں رزق کے خزانوں کی چابیاں ہیں۔ پس جس پر چاہے وسعت کر دے اور جس پر چاہے تنگی کر دے۔

(۳) اللہ کا دین ایک ہے اور وہ یہ کہ ایمان رکھنا اور ثابت قدم رہنا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر۔

(۴) نیت کی اصلاح ضروری ہے اس لئے کہ عمل کی قبولیت اور عدم قبولیت کا مدار اس پر ہے۔

(۵) قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ اس نے چودہ سو سال پہلے اس بات کا اعلان کیا کہ ہر چیز کا جوڑا ہے حتیٰ کہ ایک ''ذرّہ'' کا بھی جوڑا موجود ہے۔

(۶) سواری پر سوار ہوتے وقت سواری کی دعا کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے کہ اس میں (۱) سنت کی اتباع بھی ہے (۲) اللہ کا شکر بھی ہے (۳) اور اپنی حفاظت کی دعا بھی ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت کرنا جو اس نے نہ کی ہو حرام ہے۔

(۸) آدمی کی عقل کا کمال یہ ہے کہ وہ ہدایت کی اتباع کرے اگرچہ اس کی قوم اور دیگر اس کی مخالفت کریں۔

(۹) ظالمین کے مقابلے میں اللہ سے مدد طلب کرنا اور ان سے نجات کی دعا کرنا انبیاء کی سنت ہے۔

(۱۰) قرآن کریم نور ہے بلکہ سب سے بڑا نور ہے پس جس نے اس کے ذریعے ہدایت حاصل نہیں کی وہ ہدایت نہیں پا سکتا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝
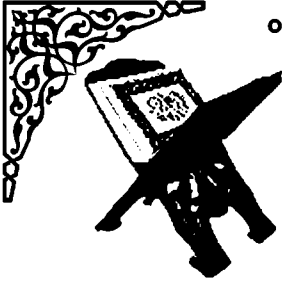
چھبیسویں تراویح

حٰمٓ (چھبیسواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں چھبیسویں سپارہ کی تلاوت کی گئی ہے۔

سورۃ الاحقاف

سورۂ احقاف مکی ہے، اس میں ۳۵؍آیات اور ۴؍رکوع ہیں۔

اس سورت کی آیت نمبر ۲۹؍اور ۳۰؍سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس وقت نازل ہوئی تھی جب جنات کی ایک جماعت نے حضور نبی کریم ﷺ سے قرآنِ کریم سنا تھا۔ معتبر روایات کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے پہلے اُس وقت پیش آیا تھا جب حضورِ اقدس ﷺ طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے اور نخلہ کے مقام پر فجر کی نماز میں قرآنِ کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو دلائل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ آیت ۲۱؍میں قومِ عاد کا ذکر فرمایا گیا ہے، جس جگہ یہ قوم آباد تھی وہاں بہت سے ریت کے ٹیلے تھے جنہیں عربی زبان میں ''احقاف'' کہا جاتا ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''احقاف'' ہے۔

آیت ۶؍میں ذکر فرمایا: ترجمہ ''اور جب لوگوں کو محشر میں جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن بن جائیں گے اور اُن کی عبادت ہی سے منکر ہوں گے۔''

اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین کئی قسم کے ہوتے ہیں، بعض مشرکین نے کچھ دنیا سے گزرے ہوئے انسانوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ اُن انسانوں کو بسا

اوقات یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اُن کی عبادت کی جا رہی ہے، اس لئے وہ انکار کر دیں گے اور جن کو پتہ ہے وہ یہ کہیں گے کہ درحقیقت یہ ہماری نہیں بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کی عبادت کرتے تھے۔

دوسرے بعض مشرکین وہ ہیں جو فرشتوں کو معبود بنائے ہوئے تھے۔اُن کے بارے میں سورۂ سباء میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ یہ تو جنات اور شیاطین کی عبادت کیا کرتے تھے، کیونکہ اُنہوں نے ہی انہیں بہکایا تھا۔مشرکین کی تیسری قسم وہ ہے جو پتھر کے بتوں کو پوجتی ہے۔بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو دکھانے کے لئے ان بتوں کو بھی زبان دے دیں گے اور چونکہ وہ دُنیا میں بے جان پتھر تھے، اس لئے انہیں واقعی یہ پتہ نہیں ہوگا کہ مشرکین اُن کی عبادت کرتے تھے، اس لئے وہ بھی یہی کہیں گے کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے یا یہی بات زبانِ حال سے کہیں گے کہ ہم تو بے جان پتھر ہیں، ہمیں کیا پتہ کہ ہماری عبادت کی جاتی تھی۔(روح المعانی)

سورۂ احقاف آیت ۱۵ر سے فرمانبردار اور نافرمان اولاد کا فرق واضح کرتی ہے کہ نیک بیٹا جس کا دل نورِ ایمان سے منور ہے اور اس کے قدم جادۂ شریعت پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں، جب اس کے والدین اسے پال پوس کر جوان کر دیتے ہیں، وہ جسمانی اور عقلی اعتبار سے حدّ کمال کو پہنچ جاتا ہے تو وہ اللہ سے تین دعائیں کرتا ہے۔پہلی یہ کہ اے اللہ! تو مجھے نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔دوسری یہ کہ ایسے اعمال کا کرنا میرے لئے آسان کر دیں جن سے آپ راضی ہو جائیں۔تیسری یہ کہ میری اولاد کو نیک بنا دیں۔ ایسی اولاد کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے۔

اور نافرمان بیٹا جس کے والدین اسے ایمان قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں تو وہ جواب میں بڑے تکبر سے کہتا ہے ''اُف اُف! تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ مجھے (زمین سے زندہ کر کے) نکالا جائے گا، حالانکہ بہت سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں'' (ان میں سے تو کسی کو میرے سامنے زندہ نہیں کیا گیا) ایسی اولاد کو قیامت کے دن اپنے اعمال کا بدلہ جہنم

کی صورت میں مل کر رہے گا۔

آیت ۲۱ ر سے سورۂ احقاف قوم عاد کا قصہ بیان کرتی ہے جنہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا، جس کے نتیجے میں انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا، انہیں عذاب دینے کے لئے بادل بھیجا گیا، چونکہ کئی دنوں سے شدید گرمی پڑ رہی تھی، اس لئے وہ بادل دیکھ کر خوش ہو گئے اور انہیں یقین آ گیا کہ آج تو موسلا دھار بارش ہو گی۔ وہ خوشی کے مارے گھروں سے باہر نکل آئے، اس بادل کے نمودار ہوتے ہی تیز اور طوفانی ہوا چلنے لگی۔ قوم عاد کے لوگ بڑے قدآور اور جسیم تھے، ہوا نے انہیں اپنے دوش پر اٹھایا اور فضا میں لے گئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ کیڑے مکوڑے اُڑ رہے ہیں، پھر انہیں زمین پر پٹخ دیا، وہ زمین پر مردار پڑے یوں محسوس ہوتے تھے گویا کھجور کے کھوکھلے تنے پڑے ہوئے ہیں۔ قوم عاد کا واقعہ سنا کر اہل مکہ کو ڈرایا گیا ہے کہ تم ان سے زیادہ طاقتور نہیں ہو، اگر سرکشی اختیار کرو گے تو تم بھی عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آ کر رہو گے۔

حضور سرور دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات کے لئے بھی پیغمبر بنایا تھا۔ اس لئے آیت ۲۹ ر میں اس واقعہ کا تذکرہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ طائف والوں کو تبلیغ فرمانے اور اُن سے دُکھ اٹھانے کے بعد مکہ مکرمہ واپس تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک مقام کا نام نخلہ ہے، وہاں آپ نے قیام فرمایا اور فجر کی نماز میں قرآنِ کریم کی تلاوت شروع کی۔ اُس وقت جنات کی ایک جماعت وہاں سے گزر رہی تھی، اُس نے یہ کلام سنا تو وہ اُسے سننے کے لئے رُک گئے اور توجہ سے سننے کے لئے ایک دوسرے کو خاموش رہنے کی تلقین کی۔ قرآن کریم کا پُر اثر کلام اور فجر کے وقت سرور دو عالم ﷺ کی زبانی، اُس نے ان جنات پر ایسا اثر کیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس بھی اسلام کے داعی بن کر پہنچے اور پھر اُن کے کئی وفود آنحضرت ﷺ کے پاس مختلف اوقات میں آئے، آپ نے اُن کو تبلیغ اور تعلیم کا فریضہ انجام دیا۔ جن راتوں میں جنات سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں اُن میں سے ہر ایک کو ’’لیلۃ الجن‘‘ کہا جاتا ہے۔

اس آیت اور واقعہ کے ذریعے سے حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی تسلی کا سامان کیا

گیا ہے کہ اگر مشرکین مکہ آپ پر ایمان نہیں لاتے تو اللہ کی دوسری مخلوقات آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے کے لئے موجود ہیں۔

سورۂ محمد

سورۂ محمد مدنی ہے، اس میں ۳۸/آیات اور ۴/رکوع ہیں۔ اس سورت کی دوسری ہی آیت میں حضور ﷺ کا مبارک نام لیا گیا ہے، اس لئے اس کا نام سورۂ محمد (ﷺ) ہے۔ آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی قرآن کریم کی صرف چار سورتوں میں مذکور ہے۔ آلِ عمران، احزاب، محمد اور سورۂ فتح۔ ان چار مواقع کے علاوہ باقی تمام مقامات پر آپ کی کوئی نہ کوئی صفت بیان ہوئی ہے اور چونکہ اس میں جہاد وقتال کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، اس لئے اس کو سورۂ قتال بھی کہا جاتا ہے۔

بیشتر مفسرین کی رائے میں یہ سورت جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب عرب کے کفار مدینہ منورہ کی ابھرتی ہوئی اسلامی حکومت کو کسی نہ کسی طرح زیر کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اور اُس پر حملے کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس لئے اس سورت میں بنیادی طور پر جہاد وقتال کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کا کلمہ بلند رکھنے کے لئے جہاد کرتے ہیں، اُن کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔

اس سورت کی دوسری آیت میں دو مرتبہ ''اٰمَنُوْا'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ پہلے جملے میں ایمان اور عمل صالح کا ذکر آ چکا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور آپ پر نازل ہونے والی وحی بھی شامل ہے مگر اس دوسرے جملے میں اس کو بالتصریح ذکر کرنے میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ ایمان کی اصل بنیاد اس پر ہے کہ خاتم النّبیین ﷺ کی تعلیمات کو صدق دل سے قبول کیا جائے۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت جنت میں جائے گی مگر جو انکار کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا:

یارسول اللہ ﷺ وہ کون ہے جو آپ کا انکار کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا، جس نے نافرمانی کی اس نے مجھے نہ مانا اور میرا انکار کیا۔

صاف معلوم ہوا کہ حقیقت ایمان کی اطاعت کے ساتھ ہے اور ایمان کی اصل بنیاد اس پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اور قرآن کریم کی تمام تعلیمات کو صدق دل سے قبول کیا جائے اور اس پر مکمل عمل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا ہی ایمان نصیب فرمائے۔

جب انسانوں میں ان دو گروہوں یعنی فرمانبردار اور نافرمان کا وجود ہوگا تو ان کے درمیان کشمکش بھی ہوگی، ٹکراؤ بھی ہوگا۔ آیت ۴؍ سے جہاد کے احکامات شروع ہو رہے ہیں اور اس کے تحت کئی احکامات دیئے گئے ہیں۔ پہلا حکم یہ دیا گیا کہ ''جب تم کافروں سے ٹکراؤ تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو باقی بچیں انہیں) مضبوطی سے قید کر لو۔ پھر ان قیدیوں کے بارے میں چار احکامات دیئے گئے۔

(۱) ان قیدیوں کو بطور احسان بھی آزاد کیا جا سکتا ہے۔

(۲) فدیہ لے کر بھی چھوڑا جا سکتا ہے۔

(۳) اپنے قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لیا جائے۔

(۴) انہیں غلام اور لونڈی بنا لیا جائے۔

لیکن لونڈی اور غلام بنانا فرض یا واجب کا درجہ نہیں رکھتا بلکہ ایک انتظامی اور امکانی صورت ہے جسے بوقت ضرورت اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جس وقت جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی اجازت دی گئی اس وقت پوری دنیا میں نہ صرف یہ کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنا لینے کا رواج تھا بلکہ ظالم لوگ ایسے آزاد انسانوں کو بھی غلام بنا لیتے تھے جن کا کوئی وارث یا طاقتور خاندان نہیں ہوتا تھا۔ یہ مظلوم طبقہ کسی بھی قسم کے انسانی حقوق سے محروم تھا، اسلام نے ان کے حقوق متعین کئے، انہیں آزاد کرنے کے فضائل بتائے اور ان کے خون کو حرمت بخشی۔ یہ اسلام کے حقوق دینے ہی کا نتیجہ تھا کہ تاریخِ اسلام میں ایسے بے شمار غلاموں کا تذکرہ ملتا ہے جن میں سے کوئی مفسر تھا اور کوئی محدث، کوئی فاتح اور کوئی وزیر اور فرمانروا۔

مسلمانوں نے کبھی بھی ان کی سابقہ غلامی کی وجہ سے انہیں حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ صدقہ خیرات کے دوسرے مصارف کی طرح مسلمانوں نے ایک اہم مصرف غلاموں کے ساتھ تعاون اور انہیں خرید کر آزاد کرنے کا بھی طے کر رکھا تھا۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان گردنوں کو آزاد کرنے اور کرانے میں کتنی دلچسپی رکھتے تھے اس کا اندازہ بعض صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد سے ہوتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ، حضرت عباس، حضرت حکیم بن حزام، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عثمان غنی، حضرت ذوالکلاع حمیری اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم یعنی صرف سات صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۳۹۲۰۰ بنتی ہے۔

سورۂ محمد کی آیت ۷ ر سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائیں گے اور تمہارے قدم جما دیں گے اور اگر دین کی مدد نہیں کرو گے تو دنیا میں چل پھر کر مجرمین کا انجام دیکھ لو۔ کتنی بستیاں تم سے زیادہ جاہ وحشمت اور طاقت وقوت والی تھیں۔ ہم نے جب انہیں ہلاک کیا تو کوئی ان کی مدد کو بھی نہ آسکا۔

جہاد وقتال اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے آخر میں گویا وعید کے انداز میں کہا گیا ہے: ''اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔''

احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آخری آیت تلاوت فرمائی ''وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ'' (اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے تو یہ آیت سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں کہ جو ہمارے بدلے لائے جاتے اور ہم جیسے نہ ہوتے؟ اس پر حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''اس کی قوم'' اور فرمایا خدا کی قسم اگر ایمان ثریا پر جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے بھی اس کو اتار لائیں گے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حدیث کی اس بشارت عظمیٰ کے کامل اور اوّلین مصداق امام

ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی ہیں۔

سورة الفتح

سورۂ فتح مدنی ہے، اس میں ۲۹؍آیات اور ۴؍رکوع ہیں۔

یہ سورت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال حضور نبی کریم ﷺ نے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ ادا فرمائیں۔ آپ نے یہ خواب بھی دیکھا تھا کہ آپ مسجدِ حرام میں اپنے صحابہ کے ساتھ داخل ہورہے ہیں۔ چنانچہ آپ چودہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو آپ کو پتہ چلا کہ مکہ کے مشرکین نے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکے۔ اس خبر کے ملنے پر آپ نے اپنی پیش قدمی روک دی، اور مکہ مکرمہ سے کچھ دُور حدیبیہ کے مقام پر پڑاوٴ ڈالا، (یہ جگہ آج کل ''شمیسی'' کہلاتی ہے) وہاں سے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا ایلچی بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا، تاکہ وہ وہاں کے سرداروں کو بتائیں کہ آنحضرت ﷺ کسی جنگ کے ارادے سے نہیں آئے ہیں، وہ صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں اور عمرہ کرکے پُرامن طور پر واپس چلے جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ گئے تو ان کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ مکہ مکرمہ کے کافروں نے اُنہیں قتل کردیا ہے۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کرکے اُن سے یہ بیعت لی (یعنی ہاتھ میں ہاتھ لے کر عہد لیا) کہ اگر کفارِ مکہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تو وہ اُن کے مقابلے میں اپنی جانوں کی قربانی پیش کریں گے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک سردار کے ذریعے قریش کے سرداروں کو یہ پیشکش کی کہ اگر وہ ایک مدت تک جنگ بندی کا معاہدہ کرنا چاہیں تو آپ اس کے لئے تیار ہیں۔ جواب میں مکہ مکرمہ سے کئی ایلچی آئے اور آخرکار یہ معاہدہ لکھا گیا کہ آنحضرت ﷺ اور قریش آئندہ دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف کوئی جنگ نہیں کریں گے۔ اسی معاہدے کو صلح حدیبیہ کا معاہدہ کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس موقع پر کافروں کے طرزِ عمل سے بہت غم و غصے کی حالت میں تھے، کافروں نے صلح کی یہ شرط بھی رکھی تھی کہ اس وقت مسلمان واپس

مدینہ منورہ چلے جائیں اور اگلے سال آ کر عمرہ کریں۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم احرام باندھ کر آئے تھے اور کافروں کی ضد کی وجہ سے احرام کھولنا اُن کو بہت بھاری معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ کافروں نے ایک شرط یہ بھی رکھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ جائے گا تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اُسے واپس مکہ مکرمہ بھیجیں اور اگر کوئی شخص مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ آئے گا تو قریش کے ذمے یہ نہیں ہوگا کہ وہ اُسے واپس مدینہ منورہ بھیجیں۔ یہ شرط بھی مسلمانوں کے لئے بہت تکلیف دہ تھی اور اس کی وجہ سے وہ یہ چاہتے تھے کہ ان شرائط کو قبول کرنے کے بجائے ان کافروں سے ابھی ایک فیصلہ کن معرکہ ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اسی صلح کے نتیجے میں آخر کار قریش کا اقتدار ختم ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت ﷺ نے یہ شرائط منظور کر لیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت جہاد کے جوش سے سرشار تھے اور موت پر بیعت کر چکے تھے لیکن آنحضرت ﷺ کے حکم کے آگے اُنہوں نے سر جھکا دیا اور صلح پر راضی ہو کر واپس مدینہ منورہ چلے گئے اور اگلے سال عمرہ کیا۔

حدیبیہ میں مسلمانوں کی تعداد کم و بیش ۱۴۰۰ تھی جبکہ صرف دو سال بعد جب ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو حضور اکرم ﷺ کے زیرِ قیادت لشکرِ مجاہدین کی تعداد دس ہزار تھی۔ یہ انقلاب معاہدۂ امن کی وجہ سے برپا ہوا۔ جب مصالحت کے بعد مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ میل جول اور معاملات شروع کئے تو مسلمانوں کے کردار کی پختگی، زبان کی سچائی، دامن کی عفت و عصمت اور معاملات کی صفائی نے مشرکوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آخر وہ کون سی مخفی قوت ہے جس نے کل کے شرابیوں اور رہزنوں کو زاہد و پارسا بنا دیا ہے۔ ظاہر ہے یہ قوت صرف ایمان کی قوت تھی، اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ان کی گردنیں خود بخود ایمان کے سامنے جھک گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین قرار دیا، اس صلح کا فتح مبین ہونا اس وقت بعض مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ واقعی یہ فتح مبین تھی اور ابتداءِ اسلام سے اب تک مسلمانوں کو اس سے بڑی فتح حاصل نہیں ہوئی۔

اس سورت کی ابتداء میں چار اعزازات سے حضور ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا ہے۔ پہلا اعزاز واکرام یہ تھا کہ اگلی اور پچھلی تمام کوتاہیاں آپ کی معاف فرمادی گئیں۔

دوسرا اعزاز واکرام یہ بیان فرمایا کہ صرف تقصیرات سے درگزر نہیں کیا گیا بلکہ جو کچھ ظاہری اور باطنی اور جسمانی وروحانی انعامات واحسانات اب تک ہو چکے ہیں ان کی پوری تکمیل اور تتمیم کی جائے گی۔

تیسرا اعزاز واکرام یہ بیان فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ کو ہدایت اور استقامت کی سیدھی راہ پر اللہ تعالیٰ قائم رکھے گا اور معرفتِ الٰہی کے غیر محدود مراتب پر فائز فرمائے گا۔ لوگ جوق درجوق آپ کی ہدایت سے اسلام کے سیدھے رستہ پر آئیں گے اور اس طرح آپ کے اجر وحسنات کے ذخیرہ میں بے شمار اضافہ ہوگا۔

چوتھا اعزاز واکرام جس سے آپ کو نوازا گیا یہ بیان فرمایا گیا کہ اے نبی ﷺ! اللہ کی ایسی مدد آپ کے لئے آئے گی جسے نہ کوئی روک سکے گا نہ دبا سکے گا اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا غلبہ عنایت فرمائے گا کہ جس میں عزت ہی عزت ہوگی۔

آیت ۹ کے تحت لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی تعظیم واجب وفرض ہے۔ ذرا بھی کوئی توہین کرے گا وہ فیض رسالت سے محروم رہے گا۔ بعض مفسرین نے یہاں آپ کی مدد کرنے سے آپ کے دین کی مدد کرنا مراد لیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقی مدد آپ کے دین ہی کی مدد ہے۔ پھر آپ کی توقیر وعزت میں آپ کی سنت کے اتباع اور اجراء اور اس کے قیام اور تبلیغ میں اعانت اور جان ومال سے شریک ہونا یہی آپ کی سچی توقیر وعزت ہے۔

مختصراً آپ کے سارے حقوق ان تین الفاظ میں آ جاتے ہیں۔ آپ کی محبت، آپ کی عظمت اور آپ کا اتباع۔ اگر ان تین میں سے ایک چیز بھی نہ ہوگی تو یقیناً حضور ﷺ کے حقوق میں کوتاہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے رسول پاک ﷺ کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق کاملہ عطا فرمائیں۔

سن ۶ ہجری میں جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے عمرہ کے لئے روانہ ہونے کا قصد فرمایا تو اس وقت آپ نے اپنی روانگی کا عام اعلان کر دیا اور مسلمانوں کو ساتھ چلنے کی ترغیب

دی۔شاید قرائن سے آپ کو بھی قریش کے ساتھ لڑائی کا احتمال ہوا ہو اس پر مدینہ کے قرب و جوار کے دیہاتی جنہوں نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ جان چرا کر بیٹھ رہے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ مسلمان اس سفر سے واپس آنے والے نہیں، سب وہیں ختم ہو جائیں گے۔انہی منافقین کا راز آیت ۱۱ر سے فاش کیا گیا ہے۔

اس سورت کے اختتام پر تین امور بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر اس لئے بھیجا ہے تا کہ آپ اسے سارے ادیان پر غالب کر دیں (ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے ایسا ہو کر رہے گا، جہاں تک علمی اور برہانی غلبہ کا تعلق ہے وہ آج بھی دینِ اسلام کو ادیان عالم پر حاصل ہے)۔دوسرے نمبر پر آپ کے صحابہ کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں بڑے سخت اور آپس میں بڑے مہربان ہیں اور وہ سب رضاء الٰہی کے طالب ہیں اور تیسرے نمبر پر ان لوگوں کے ساتھ مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے (اے اللہ! تو ہمیں بھی ان میں سے بنا دے۔)

سورۃ الحجرات

سورۂ حجرات مدنی ہے، اس میں ۱۸ر آیات اور دو رکوع ہیں۔حجرات حجرہ کی جمع ہے گھر اور کمرے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورت کی آیت ۴ر میں ان بدوؤں کا ذکر ہے جو ادب سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کو عمومی انداز میں کمرے کے باہر سے آوازیں دیا کرتے تھے۔اس لئے اسے سورۂ حجرات کہا جاتا ہے چونکہ اس سورت میں مکارم اخلاق بھی بیان ہوئے ہیں اس لئے اسے ''سورۃ الاخلاق والآداب'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو پانچ مرتبہ ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے محبت بھرے انداز سے خطاب کیا ہے۔

اسلام میں سب سے اوّل اور اہم مسئلہ اللہ و رسول کی تعظیم و عظمت کا ہے کیونکہ جب اللہ اور رسول کی عظمت و عزت دل میں ہوگی تو ان کے احکام کی تعمیل بھی ہوگی۔اس آیت میں سب سے پہلا حکم ایمان والوں کو یہ دیا گیا ہے کہ جس معاملہ میں اللہ و رسول کی طرف

سے حکم ملنے کی توقع ہو اُس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو اور جس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ارشاد فرمائیں خاموشی سے کان لگا کر سنو۔ آپ کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرأت نہ کرو جو حکم اُدھر سے ملے اس پر بلا چوں وچرا اور بلا پس وپیش عامل بن جاؤ۔ اپنی غرض اور رائے کو آپ کے احکام پر مقدم نہ رکھو بلکہ اپنی خواہشات وجذبات کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع بناؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس کی ہوائے نفس یعنی اس کی خواہشات اور نفسی میلانات میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہوجائیں۔ پس قرآن کریم کی اس آیت کا تقاضا اور مطالبہ بھی یہی ہے جو اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہوسکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہوسکتی ہیں جب کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر احکام الٰہیہ اور ہدایات وارشادات نبویہ ﷺ کے تابع وماتحت ہوجائیں۔

آیت ۲/ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے نبی سے خطاب کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھا کریں، یونہی آپ کا نام یا کنیت ذکر کرکے ایسے نہ پکارا کریں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔

اکثر نزاعات ومناقشات اور لڑائی جھگڑوں کی ابتداء جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے اس لئے اس اختلاف اور تفریق کے سرچشمہ ہی کو بند کرنے کی تعلیم آیت ۶/ میں دی گئی کہ افواہوں پر کان مت دھرا کرو اور اگر کوئی ایسا ویسا آدمی کوئی خبر تم تک پہنچائے تو اس کے بارے میں تحقیق کرلیا کرو۔

آیت ۹/ میں اگلا حکم یہ دیا گیا کہ اگر اتفاق سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں اختلاف رُونما ہوجائے اور وہ آپس میں لڑ پڑیں تو پھر دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ پوری کوشش کریں کہ اختلاف رفع ہوجائے اور اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور کوئی ایک فریق دوسرے پر چڑھا چلا جائے اور ظلم وزیادتی ہی پر کمر باندھ لے تو خاموش ہوکر نہ بیٹھو بلکہ جس کی زیادتی ہو سب مسلمان مل کر اُس سے لڑائی کریں یہاں تک کہ وہ فریق مجبور ہوکر اپنی

زیادتیوں سے باز آئے اور اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر کے صلح کے لئے اپنے آپ کو پیش کردے۔ پھر اُس وقت چاہئے کہ مسلمان دونوں فریقوں کے درمیان مساوات اور انصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کرادیں۔ کسی ایک کی طرف داری میں جادۂ حق سے اِدھر اُدھر نہ جھکیں۔ پوری طرح عدل وانصاف کو ملحوظ رکھیں اور صلح وجنگ ہر حالت میں یہ خیال رہے کہ دو بھائیوں کی لڑائی یا دو بھائیوں کی مصالحت ہے۔

سورہ حجرات کی آیت ۱۱،۱۲ر میں کئی اہم احکامات دیئے گئے ہیں جو ہماری زندگیوں کے لئے بہت اہم ہیں۔ مثلاً (۱) تمسخر۔ تمسخر وہ ہنسی ہے جس سے مقصود دوسرے کی تحقیر اور دل شکنی اور دل آزاری ہو اور یہ حرام ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ جن کے ساتھ تم تمسخر کر رہے ہو ہوسکتا ہے وہ اللہ کی نظر میں تم سے بہتر ہوں۔

(۲) طعنہ۔ طعنہ زنی بھی دل دکھانے والی چیز ہے جس سے اتفاق ومحبت میں نہ صرف فرق آجاتا ہے بلکہ اس کی جڑیں ہل جاتی ہیں۔

(۳) ''وَلَا تَنَابَزُوْا'' یعنی کسی کو چڑانے والے ناموں سے نہ پکارو۔ مثلاً اندھا، کانا، لنگڑا، لولا ایسے القاب سے یاد کرنا خواہ کسی میں وہ باتیں موجود بھی ہوں اس سے منع فرمایا گیا۔

(۴) بدگمانی۔ بدگمانی بھی فساد کی جڑ ہے، جب ایک فریق دوسرے فریق سے بدگمان ہوجاتا ہے اور حسن ظن کی گنجائش نہیں چھوڑتا تو مخالف کی کوئی بات ہو، اس کا مطلب اپنے خلاف نکال لیتا ہے جس کی وجہ سے دلوں میں دوریاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔

(۵) ٹوہ لگانا۔ یعنی کسی کے عیبوں اور کمزوریوں کی تفتیش اور جستجو میں پڑنا، اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔

(۶) غیبت۔ یعنی کسی کی غیر حاضری میں اس کے عیوب بیان کرنا ایک تو بزدلی ہے، دوسرے اس کے ساتھ چھپی دشمنی ہے اور تیسرے اس کی تذلیل ہے۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کسی کی پس پشت ایسی بات کرنا جو اُسے

ناگوار ہو۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر چہ اس میں وہ بات موجود ہی ہو؟ فرمایا یہی تو غیبت ہے۔

غیبت کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ایسی مثال بیان فرمائی ہے جس سے ہر سلیم الطبع انسان نفرت کرتا ہے:

☆ غیبت کرنے والا کسی جانور کا نہیں بلکہ انسان کا گوشت کھاتا ہے۔

☆ جس انسان کا گوشت یہ کھا رہا ہے وہ کوئی غیر نہیں بلکہ اس کا مسلمان بھائی ہے۔

☆ وہ گوشت کسی زندہ کا نہیں بلکہ مردہ کا ہے۔

کسی کی غیبت، عیب جوئی اور طعن و تشنیع کا منشا محض کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اس لئے آیت ۱۳،۱۴ ر میں سورۂ حجرات نے اس کبر کی بھی جڑ کاٹ دی اور بتلایا کہ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز و حقیر ہونا کچھ ذات پات، خاندان ونسب سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت متقی پرہیز گار ہو اور اللہ سے ڈرنے والا ہو اُسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔

سورۂ حجرات کی آخری آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ خالی خولی زبانی ایمان و اسلام کے دعوے اور لن ترانی نہ مطلوب ہے نہ محمود بلکہ حقیقت ایمان کی یہ ہے کہ صدق دل سے اللہ اور رسول پر ایمان لائے جس کی پہچان اور شناخت یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل پیرا ہو اور جن باتوں سے منع کیا ہے اُن سے قطعاً گریز ہو۔

سورۂ ق

سورۂ ق مکی ہے، اس میں ۴۵ ر آیات اور ۳ ر رکوع ہیں۔

اس سورت کا اصل موضوع آخرت کا اثبات ہے۔ اسلام کے عقائد میں عقیدۂ آخرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، یہی وہ عقیدہ ہے جو انسان کے قول و فعل میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے اور اگر یہ عقیدہ دل میں پیوست ہو جائے تو وہ ہر وقت انسان کو اس بات کی یاد دلاتا رہتا ہے کہ اُسے اپنے ہر کام کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے اور پھر یہ عقیدہ انسان کو گناہوں، جرائم اور ناانصافیوں سے دُور رکھنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لئے قرانِ کریم نے آخرت کی زندگی کو یاد دِلانے پر بہت زور دیا ہے اور اسی کا نتیجہ تھا

کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر وقت آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ سورۂ ق کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ بکثرت فجر اور جمعہ کی نماز میں اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

سورہ قٓ کی آیت ۳ر سے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ منکرین کے انکارِ قرآن کی وجہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے عقیدہ کا بیان ہے کہ یہ کیسے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایسی محفوظ کتاب ہے جس میں ہر ایک کے اجزاء اور ذرّات کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ وہ زمین میں جہاں بھی چھپ جائے یا بکھر کر غائب ہوجائے تو وہ ہمارے علم میں رہتا ہے اور اسے جمع کرکے دوبارہ انسان بنادینا ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

اس سورت کی آیت ۱۶ر سے انسان کو اس کی مسئولیت کا احساس دلایا گیا ہے کہ انسان کے دل میں جو وساوس اور خیالات گزرتے ہیں ان تک کا اللہ کو علم ہے اور اس کے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اعمال واقوال کی نگرانی کرتے ہیں، جب موت آئے گی تو وہ انسان کے اعمال نامہ کو لپیٹ دیں گے اور پھر اسے میدانِ حشر میں اپنے اعمال کا حساب اور جواب دینا ہوگا۔ سورت کے اختتام پر رسول اکرم ﷺ کو مشرکین کی بے ہودہ گوئی پر صبر کی تلقین اور صبح وشام اللہ کی تسبیح اور عبادت کی تلقین کی گئی ہے۔

اس کے بعد سورہ ذاریات شروع ہورہی ہے جس کا کچھ حصہ ۲۶رویں سپارے میں اور کچھ حصہ ۲۷رویں سپارے میں ہے۔ اس لئے اس سورت کا مکمل خلاصہ ستائیسویں سپارے میں ہی بیان کیا جائے گا۔

چھبیسویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) استقامت کہتے ہیں ایمان اور عبادت پر ثابت قدم رہنے کو اور اس کو ایک ہزار کرامتوں سے افضل قرار دیا گیا ہے۔

(۲) والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور ان دونوں کی اطاعت کرنا واجب ہے۔

(۳) والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے۔

(۴) فلاح اور کامیابی کا راستہ ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں اور خسارہ اور نقصان کا راستہ شرک اور معاصی ہے۔

(۵) کفر اور شرک کی حالت میں نیکی والے اعمال بھی اس کو قیامت کے دن فائدہ نہیں دیں گے۔ ہاں دنیا میں مال اور اولاد میں کچھ دنیوی فوائد مل جائیں گے۔

(۶) اہل ایمان کی ولایت تقویٰ ہے۔

(۷) اللہ کے انعامات بندے پر شکر کو واجب کرتے ہیں اور شکر مغفرت اور زیادتی انعام کو واجب کرتا ہے۔

(۸) کفر موجب عذاب ہے اور جو رجوع کرتا ہے اللہ کی طرف اور صدق دل سے مغفرت طلب کرتا ہے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

(۹) مومن کے لئے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کے دل میں ایمان کے ذریعے اللہ کی محبت بھر جائے اور کفر، فسق اور عصیان کی نفرت بیٹھ جائے، اس کی وجہ سے مومن اصحاب رسول ﷺ کے بعد مخلوق میں سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) شرف اور کرم کا تعلق صرف تقویٰ سے ہے، حسب نسب سے نہیں۔ حدیث شریف میں ہے عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر صرف تقویٰ کی وجہ سے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
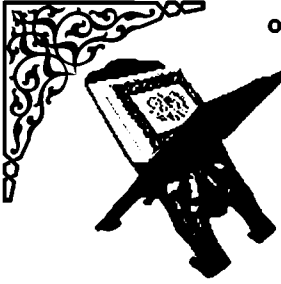
چھبیسویں تراویح

قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ (ستائیسواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں ستائیسویں سپارہ کی تلاوت کی گئی ہے۔

سورۃ الذاریات

سورۂ ذاریات مکی ہے، اس میں ۶۰/آیات اور ۳/رکوع ہیں۔

سورۃ الذاریات سے سورۂ حدید تک، سورۂ رحمٰن کے سوا تمام سورتیں مکی ہیں اور ان سب کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد کی تعلیم اور خاص طور پر آخرت کی زندگی، جنت اور دوزخ کے حالات اور پچھلی قوموں کے عبرتناک انجام کا نہایت فصیح و بلیغ اور انتہائی مؤثر تذکرہ ہے۔

قرآن پاک میں متعدد جگہ اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھائی ہیں جن میں زیادہ تر حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی اور صرف ۷/مقامات پر اپنی ذات پاک کی قسم کھائی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ قسم تاکید کے لئے ہوتی ہے اور حق تعالیٰ نے قسمیں اس لئے کھائی ہیں کہ بندوں پر حجت پوری ہوجائے۔ بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کریم عربوں کی زبان میں نازل ہوا اور عربوں کا طریقہ تھا کہ کوئی کلام اور بیان اس وقت تک فصیح و بلیغ نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ اس میں قسمیں نہ ہوں۔ اس لئے قرآن کریم میں بھی قسمیں کھائی گئیں تاکہ فصاحت عرب کی یہ قسم بھی کلام ربانی میں رہنے نہ پائے۔

اس سورت کے شروع میں ہی چار چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور انصاف کا دن ضرور واقع ہوگا۔ پھر اس کے بعد ایک اور قسم آسمان کی کھا کر فرمایا کہ ”تم متضاد باتوں میں پڑے ہوئے ہو یعنی اللہ کو خالق بھی

مانتے ہواوراس کی اس قدرت کا بھی انکار کرتے ہو کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

اس سورت کی آیت ۱۶ر سے متقین کا اچھا انجام اوران کی اعلیٰ صفات کا بیان ہے کہ (۱) وہ نیک اعمال کرتے ہیں، (۲) رات کو کم سوتے ہیں (۳) سحر کے وقت توبہ اور استغفار کرتے ہیں (۴) ان کے اموال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں دونوں کا حق ہوتا ہے۔

آیت ۲۰ر سے اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کی تین نشانیاں ذکر کی گئی ہیں۔ (۱) پہلی نشانی زمین ہے، ارشاد ہوتا ہے: ''اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ مثلاً ☆ زمین گول ہونے کے باوجود ایسے بچھادی گئی ہے جیسے کوئی بچھونا بچھایا جاتا ہے۔ ☆ اس میں آنے جانے والوں کے لئے راستے بھی ہیں اور اس کے علاوہ میدان، پہاڑ، سمندر، دریا، چشمے اور لوہا، تانبا، سونا، چاندی، کوئلہ اور پیٹرول جیسی خاموش معدنیات بھی، اس میں رب تعالیٰ نے وہ سب کچھ رکھ دیا ہے جس کی انسانوں کو زندگی گزارنے کے لئے ضرورت پیش آ سکتی ہے۔

(۲) آیت ۲۱ر میں دوسری نشانی بیان کی گئی ہے جو کہ خود انسان ہے جو کہ حقیقت میں عجائب میں سے سب سے بڑا عجوبہ ہے، کروڑوں اور اربوں انسانوں میں سے ہر ایک کی صورت، رنگ، چلنے کا انداز، لہجہ، آواز، طبیعت اور عقلی سطح مختلف ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے: ''اور تمہارے نفوس میں (بھی تو نشانیاں ہیں) کیا تم دیکھتے نہیں۔

(۳) آیت ۲۲ر میں تیسری نشانی بیان کی گئی ہے: ''اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے۔'' انسان کی زندگی اور اسبابِ زندگی کی فراہمی کا بہت زیادہ انحصار آسمان پر ہے یعنی انسانی زندگی بارش کے برسنے اور شمس وقمر کے ظہور پر موقوف ہے۔ موسموں کا ادل بدل بھی انہی سے تعلق رکھتا ہے جو کہ غلہ جات کو اُگانے اور پکانے میں خاص تاثیر رکھتا ہے۔

سورت کے اختتام پر جن وانس کی تخلیق کا مقصد بتایا گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عبادت ہے اور یہ خبر دی گئی ہے کہ ساری مخلوق کے رزق کا اللہ کفیل ہے اور کفار ومشرکین کو

قیامت کے دن کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

سورۂ طور

سورۂ طور مکی ہے، اس میں ۴۹/آیات اور ۲/رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی لفظ ''والطّور'' سے ہوئی ہے۔ اِسی کو اس سورت کا علامتی نام قرار دیا گیا۔ طور سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور آپ کو تورات ملی۔

اس سورت کی ابتداء بھی قسمیہ کلام سے ہوتی ہے اور پانچ چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے۔

پہلی قسم ہے طور کی یعنی وہ کوہِ طور جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے شرف ہمکلامی نصیب ہوئی اور تورات عطا فرمائی گئی۔

دوسری قسم ہے اُس کتاب کی جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہے۔ اس سے مراد تورات، قرآن کریم لوح محفوظ اور تمام آسمانی کتب ہیں۔

تیسری قسم ہے بیت معمور کی۔ بیت معمور ساتویں آسمان میں فرشتوں کا کعبہ ہے اور دنیا کے خانہ کعبہ کے ٹھیک بالمقابل ساتویں آسمان میں ہے۔

چوتھی قسم ہے اونچی چھت کی۔ اس سے مراد یا تو آسمان ہے یا عرش عظیم مراد ہے جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے۔

پانچویں قسم ہے ابلتے ہوئے سمندر کی۔ جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ قیامت کے روز سارا سمندر آگ بن جائے گا۔

یہ پانچ قسمیں کھا کر فرمایا گیا ہے ''اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ '' یعنی بے شک آپ کے رب کا عذاب منکرین ومکذین کے لئے ضرور نازل ہو کر رہے گا، کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا۔ یہ تمام چیزیں جن کی یہاں قسم کھائی گئی ہے شہادت دیتی ہیں کہ وہ خدا بہت بڑی قدرت اور عظمت والا ہے۔ پھر اس کی نافرمانی کرنے والوں پر عذاب کیوں نہیں آئے گا اور کس کی طاقت ہے جو اُس کے بھیجے ہوئے عذاب کو الٹا واپس کر دے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت لکھی ہے کہ ایک رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہر کی دیکھ بھال کے لئے نکلے تو ایک مکان سے کسی مسلمان کی قرآن خوانی کی

آواز کان میں پڑی۔ وہ یہی سورۂ طور پڑھ رہے تھے۔آپ نے سواری روک لی اور کھڑے ہو کر قرآن سننے لگے، جب وہ اس آیت پر پہنچے ''اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ''تو آپ کی زبان سے نکل گیا کہ رب کعبہ کی قسم سچی ہے، پھر سواری سے اتر پڑے اور دیوار سے سہارا لگا کر بیٹھ گئے۔ چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی، دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد جب ہوش وحواس ٹھکانے آئے تو اپنے گھر پہنچے لیکن خدا کے کلام کی اس ڈراؤنی آیت کے اثر سے دل کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ مہینہ بھر تک بیمار پڑے رہے کہ لوگ بیمار پرسی کو آتے تھے۔ گو کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیماری کیا ہے؟

آیت ۱۷ر سے یہ سورت متقین کے دائمی مسکن یعنی جنت کا تذکرہ کرتی ہے کہ وہاں انہیں حور وغلمان، لذیذ پھل، گوشت اور لبالب جام جیسی نعمتیں مہیا ہوں گی۔

آیت ۲۱ر سے اہل جنت کے لئے ایک خاص نعمت کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے متقین کی اولاد کو اُن ہی کے درجہ اور مقام پر پہنچا دے گا اور جنت میں اُن کے ساتھ کردے گا گو اس اولاد کے اعمال واحوال اپنے بزرگوں کے رتبہ کے نہ ہوں گے۔ یہ متقین کا اکرام اور عزت افزائی کے لئے ہوگا کہ ان کی ایماندار اولاد کو بھی ان کے درجہ میں ان کے ساتھ شامل کردیا جائے گا اور یہ شامل کردینا اور ساتھ رکھنا اس طرح نہ ہوگا کہ متقین کے اعمال میں سے کچھ لے کر اُن کی اولاد کو دے دیا جائے اور کاملین کی بعض نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ان کی ذرّیت کو دے دیا جائے۔ نہیں بلکہ اللہ کا یہ فضل واحسان ہوگا کہ کمتروں کو ابھار کر کاملین کے درجہ میں پہنچا دیا جائے گا۔

آیت ۴۸، ۴۹ر میں آپ ﷺ کو تاکید کی گئی ہے کہ آپ اٹھتے وقت یعنی مجلس سے یا سونے سے اٹھتے وقت اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجئے اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی۔ غرض دن اور رات کے مختلف اوقات میں اللہ کی تسبیح وتحمید بیان کرتے رہا کریں۔

سورۃ النجم

سورۂ نجم مکی ہے، اس میں ۶۲ر آیات اور تین رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتداء میں

گرتے ہوئے ستارے کی قسم کھا کر حضور اکرم ﷺ کی صداقت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس دین کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور جس راستہ کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں وہ صراطِ مستقیم یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کا صحیح اور سیدھا راستہ ہے، نہ آپ راستہ بھولے ہیں نہ غلط راستے پر چلے ہیں۔

آیت ۳ رمیں ارشاد فرمایا آپ نبی برحق ہیں، آپ کی زبانِ مبارک سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو بلکہ آپ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اُس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس بات کا قطعاً کوئی امکان نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں حضور ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا اُسے حفظ کرنے کے لئے لکھ لیا کرتا تھا۔ پس بعض لوگوں نے مجھے اس سے روکا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک انسان ہیں، کبھی کبھی غصہ اور غضب میں بھی کچھ فرما دیا کرتے ہیں چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا، پھر میں نے اس کا ذکر رسول خدا ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو۔ خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میری زبان سے سوائے حق بات کے اور کوئی کلمہ نہیں نکلتا۔

کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جو فرشتہ وحی لاتا ہے وہ انسان ہی کی شکل میں آتا ہے، اس لئے آپ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ فرشتہ ہی ہے؟ ان آیتوں میں اُس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُس فرشتے کو کم از کم دو مرتبہ اپنی اصل صورت میں بھی دیکھا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ کا اس آیت میں تذکرہ فرمایا گیا ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ فرمائش کی تھی کہ وہ اپنی اصلی صورت میں آپ کے سامنے آئیں۔ چنانچہ وہ اپنی اصلی صورت میں اُفق پر ظاہر ہوئے اور آپ نے اُنہیں دیکھا۔ اس وقت آسمان ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ان کے وجود سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا، اُن کے چھ سو بازو تھے۔

آیت ۱۳ ر سے آپ کے معجزۂ معراج کا ذکر ہے جس میں آپ نے اللہ کی قدرت و

بادشاہت کے عجائب وغرائب کا مشاہدہ کیا، حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دوبارہ دیکھا، جنت، دوزخ، بیت معمور اور سدرۃ المنتہیٰ جیسی آیات اور نشانیوں کی زیارت کی۔

آیت ۲۳ر میں ارشاد فرمایا: یہ منکرین بے اصل خیالات اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت آچکی ہے۔ آج ان کفار و مشرکین کو تو چھوڑیئے کتنے ایسے مسلمان ہیں کہ جو اللہ پاک کی ذاتِ عالی پر ایمان بھی رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو خالق، رازق اور مالک بھی جانتے ہیں مگر قرآن وسنت کی ہدایت کے باوجود اپنے نفس کی خواہشات پر چل رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائے اور اپنی بھیجی ہوئی ہدایات یعنی قرآن و سنت اور اسلام و ایمان کی سچی پیروی نصیب فرمائیں اور نفسانی اور شیطانی خواہشات سے باز رہنے کی توفیق ہم کو عطا فرمائیں۔

آیت ۳۲ر میں ہے ''فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ '' تم اپنے آپ کو مقدس مت سمجھا کرو فرما کر اہل ایمان کو خود پسندی اور عجب سے منع فرمایا گیا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام اُن کے والدین نے بَرَّہ رکھا تھا جس کے معنی ہیں نیکوکار۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ نام سنا تو یہی آیت ''فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ '' تلاوت فرما کر اس نام سے منع کیا کیونکہ اس میں اپنے نیک ہونے کا دعویٰ ہے اور نام بدل کر زینب رکھ دیا۔

حدیث میں آتا ہے کہ خود پسندی آدمی کو تباہ کر دیتی ہے کیونکہ آدمی جب اپنے آپ کو نیکوکار اور مقدس سمجھنے لگتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے اور پھر سعادت اخروی سے محروم ہو جاتا ہے۔

آیات ۳۶ر تا آخر سورت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کے تحت چند اہم باتیں بتائی گئی ہیں:

(۱) کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔

(۲) انسان کو ایمان کے بارے میں صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔

(۳) انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جائے گی۔

(۴) اس کو دنیا میں کیے ہوئے کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

(۵) سب کو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنا ہے۔

(٦) خوشی اور غم خدا کی طرف سے ہے۔

(۷) مارنا اور جلانا بھی اُس کی قدرت میں ہے۔

(۸) ایک قطرہ منی سے وہی نر و مادہ بناتا ہے۔

(۹) مرنے کے بعد وہی بار دیگر حشر میں زندہ کرے گا۔

(۱۰) غناء اور تنگدستی وہی دیتا ہے۔

(۱۱) ستارۂ شعریٰ کا مالک بھی وہی ہے۔ جاہلیت میں مشرکین اس ستارہ کو معبود سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے۔

(۱۲) ان صحیفوں میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بداعمالی اور سرکشی و نافرمانی کا دنیا میں ثمرہ نہیں ملتا۔ قوم عاد کو اُسی نے اُن کے کفر کی وجہ سے ہلاک کیا۔

سورة القمر

سورۂ قمر مکی ہے، اس میں ۵۵/آیات اور ۳ رکوع ہیں۔

یہ سورت مکہ مکرمہ میں اُس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت ﷺ نے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ دکھلایا، اسی لئے اس کا نام سورۂ قمر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اُس وقت میں بچی تھی اور کھیلا کرتی تھی۔ سورت کا موضوع دوسری مکی سورتوں کی طرح کفارِ عرب کو توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہے اور اسی ضمن میں عاد و ثمود، حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی قوموں اور فرعون کے دردناک انجام کا مختصر لیکن بہت بلیغ انداز میں تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا وہ معجزہ بھی ہے جو آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں ظاہر ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک چاندنی رات میں مکہ مکرمہ کے کافروں نے حضورِ اقدس ﷺ سے کوئی معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا۔ اس پر اللہ

تعالیٰ نے یہ کھلا ہوا معجزہ دکھایا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوئے، جن میں سے ایک ٹکڑا پہاڑ کی مشرقی جانب چلا گیا اور دوسرا مغربی جانب اور پہاڑ ان کے درمیان آ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ ''لو دیکھ لو۔'' سارے لوگوں نے جو موجود تھے اس معجزے کو دیکھ لیا جس کی وجہ وہ اس مشاہدے کا تو انکار نہیں کر سکتے تھے لیکن انہوں نے یہ کہا کہ یہ کوئی جادو ہے۔ بعد میں مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والے قافلوں نے بھی اس کی تصدیق کی کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ فرشتہ میں بھی مذکور ہے کہ گوالیار کے راجہ نے یہ واقعہ دیکھا تھا۔

آیت ۹ / سے یہ سورت چند انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کا تذکرہ کرتی ہے اور اس کے ذریعے کفارِ مکہ کو ڈراتی ہے کہ کہیں تم پر بھی ویسا ہی عذاب نہ آ جائے جیسا عذاب تم سے پہلی اقوام پر آیا کیونکہ تم بھی انہی جرائم کا ارتکاب کر رہے ہو جن جرائم کا ارتکاب وہ کرتی تھیں۔ یہاں جن تباہ شدہ اقوام کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے ان کی تباہی کا قصہ بیان کرنے کے بعد عام طور پر یہ سوال بار بار کیا ہے کہ ''بتاؤ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کیسی رہیں؟'' اور اس سوال کے متصل بعد یہ اطلاع دی ہے کہ ''اور بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟''

قرآن کریم کے آسان ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر کس و ناکس اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی آیات سے مسائل استنباط کرنے لگے اور مجتہد بن کر بیٹھ جائے بلکہ قرآن کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے پڑھنا، حفظ کرنا، اس سے نصیحت حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا بہت آسان ہے۔ اس کے آسان ہونے ہی کا نتیجہ ہے کہ ایسے دیہاتی بھی قرآن کریم کی تلاوت بسہولت کر لیتے ہیں جو اپنی مادری زبان میں چھوٹا سا کتابچہ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اپنے سینوں میں ساری نزاکتوں اور قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے محفوظ کر لیتے ہیں، جب صاف دل والے اسے پڑھتے اور سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے ہیں اور دلوں میں عمل کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔

سورۂ قمر کی خاتمہ کی آیات میں حق تعالیٰ نے دنیا والوں کو فیصلہ کن انجام سنا دیا کہ:

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ (آیت ۴۷، ۴۸)

بلاشبہ مجرمین بڑی غلطی اور بے عقلی میں ہیں، جس روز یہ لوگ اپنے منہ کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے چھونے کا مزہ چکھو اور

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (آیت: ۵۴، ۵۵)

بلاشبہ متقی پرہیزگار بہشت کے باغوں اور نہروں میں ہوں گے، ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس یعنی جنت کے ساتھ قربِ الٰہی بھی نصیب ہوگا۔

مولائے کریم محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو اپنے متقی بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمائے اور انجام میں اپنی دائمی جنتوں میں اپنا قرب نصیب فرمائے۔ آمین

سورۃ الرحمٰن

سورۂ رحمٰن مدنی ہے، اس میں ۷۸/آیات اور ۳/رکوع ہیں۔ یہ سورت وہ واحد سورت ہے جس میں بیک وقت انسانوں اور جنات دونوں کو صراحت کے ساتھ مخاطب فرمایا گیا ہے۔ دونوں کو اللہ کی وہ بے شمار نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں جو اس کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں اور بار بار یہ فقرہ دہرایا گیا ہے کہ ''اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' اپنے اُسلوب اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی ایک منفرد سورت ہے جس کی تاثیر کو کسی اور زبان میں ترجمہ کر کے منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی۔ عام طور سے قرآنِ کریم کے نسخوں میں اس کو مدنی قرار دیا گیا ہے۔

اس کا دوسرا نام ''عروس القرآن'' بھی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی عروس (دلہن، زینت) ہوتی ہے، قرآن کی عروس سورۂ رحمٰن ہے۔

اس سورت کے شانِ نزول کے متعلق لکھا ہے کہ جب سرورِ دو عالم ﷺ خدائے رحمٰن کا

ذکر فرماتے تو کافر کہتے کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے، ہم تمہارے کہنے سے کیسے رحمٰن کو سجدہ کرنے لگیں۔ اُس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے عطیہ اور سب سے اونچی نعمت کے ذکر سے فرمائی گئی اور ان آیات میں فرمایا گیا کہ رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی یعنی قرآن نازل کیا جو اُس کے عطایا میں سے سب سے بڑا عطیہ اور اس کی نعمتوں میں سے سب سے اونچی نعمت ورحمت ہے۔

اس قرآن پاک سے من حیث القوم انحراف، اس کے احکام سے لاپرواہی، اس کی ہدایات سے غفلت، اللہ تبارک کی سب سے بڑی نعمت کی ناقدری اور ناشکری ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل قانون ہے کہ جس نعمت کی ناقدری اور ناشکری کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس نعمت کی برکتوں کو چھین لیتے ہیں۔

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میری امت دینار و درہم کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی، اسلام کی وقعت و ہیبت اس سے جاتی رہے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دے گی تو برکت وحی یعنی فہم قرآن سے محروم ہو جائے گی۔ آج اس حدیث کی صداقت کو آپ کھلی آنکھوں دیکھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ اپنی اس نعمت عظمیٰ کی قدردانی کے لئے ہماری دل کی آنکھیں کھول دیں۔ آمین

آیت ۸/ سے سورہ رحمٰن صحیفۂ کائنات پر پھیلی ہوئی اللہ کی مختلف نعمتوں کا ذکر کرتی ہے۔ مثلاً ☆ سورج اور چاند جو اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حساب سے اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں ہیں، ☆ ستارے اور درخت جو اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں، ☆ زمین جسے مخلوق کے لئے کسی فرش کی طرح بچھا دیا گیا ہے، ☆ مختلف میوے، اناج اور پھل پھول جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے، میٹھے اور کھارے پانی کے دریا جو اپنی جگہ جاری ہیں، ☆ وہ موتی اور مونگے جو ان دریاؤں سے نکالے جاتے ہیں، ☆ پہاڑوں جیسی بلندی اور پھیلاؤ رکھنے والے وہ جہاز جو سمندروں میں چلتے ہیں اور نقل و حمل کے ذرائع میں سے کل بھی سب سے بہتر ذریعہ تھے اور آج بھی بہترین ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ۳۱ ر بار سوال کیا ہے: ''فبایّ الآء ربّکما تکذّبٰن ''
(پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟) اگر دو چار یا دس بیس نعمتیں ہوں تو ان کو
جھٹلایا جاسکتا ہے مگر جہاں یہ حال ہو کہ نعمتیں حد وحساب سے بھی باہر ہوں تو انہیں جھٹلانا
ناممکنات میں سے ہے۔

اگر اس سورت کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں اپنی تخلیق
کے عجائب اور مظاہر ذکر کئے ہیں اور ان کے ضمن میں یہ آیت ''فبایّ الآء ربّکما
تکذّبٰن '' آٹھ بار آئی ہے، اس کے بعد جہنم اور اس کے عذابوں کا ذکر کرتے ہوئے
سات بار یہ آیت ذکر کی ہے۔ قرآن پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ جہنم کے دروازے بھی
سات ہیں، پھر جنت کے باغات اور اہل جنت کا تذکرہ کرتے ہوئے آٹھ بار یہ آیت آئی
ہے اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں، آخر میں ایسے باغات کا ذکر ہے جو درجہ کے اعتبار
سے پہلے باغات سے کم ہیں، ان باغات کے ضمن میں بھی یہ آیت آٹھ بار آئی ہے۔ اس
ترتیب اور تقسیم سے اہل علم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جو شخص پہلی آٹھ پر اعتقاد رکھے گا اور ان
کے تقاضوں پر عمل رکھے گا اسے باری تعالیٰ جہنم کے سارے دروازوں سے بچالے گا اور
دونوں قسم کی جنتوں کا حق دار بنادے گا۔

سورت کے خاتمہ پر حق تعالیٰ کی ثنا وصفت بیان فرمائی گئی ہے اور بتلایا گیا کہ اللہ
تبارک وتعالیٰ کا نام بڑا بابرکت ہے جو بڑی عظمت والا اور احسان والا ہے یعنی اُسی کی ذات
اس لائق ہے کہ اس کے جلال و بزرگی کو مانا جائے اور اس کی بڑائی اور عظمت کا پاس کر کے
اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔

سورۃ الواقعہ

سورۂ واقعہ مکی ہے، اس میں ۹۶ ر آیات اور ۳ ر رکوع ہیں۔ اسے ''سورۃ الغنیٰ'' بھی کہا
جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''جو شخص ہر رات سورۃ الواقعہ
پڑھے گا اسے کبھی بھی فاقہ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔'' (واللہ اعلم بالصواب)

ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص سورۂ حدید، سورۂ واقعہ اور سورہ رحمٰن پڑھتا ہے، وہ

جنت الفردوس میں رہنے والوں میں پکارا جاتا ہے (یہ تینوں سورتیں یعنی سورۂ رحمٰن، سورۂ واقعہ، سورۂ حدید لگاتار یکے بعد دیگرے ہیں) ایک روایت میں ہے کہ سورۂ واقعہ سورۃ الغنیٰ ہے، اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو اپنی بیبیوں کو سکھلاؤ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کے پڑھنے کی تاکید منقول ہے۔

بلحاظ اپنے انجام وثمرات عمل کے آخرت میں تمام نسل انسانی شروع دنیا سے جو قیامت تک پیدا ہوں گے تین طبقوں میں تقسیم کردی جائے گی۔ ایک عام مومنین اہل جنت، دوسرے خواص مقربین جو جنت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے۔ تیسرے کفار منکرین جو اہل جہنم ہوں گے۔ اس سورت کی آیات ۷/ سے یہ تقسیم کی گئی ہے اور اس سورت میں خواص اہل جنت کو مقربین اور سابقین کہا گیا ہے اور عوام مومنین اہل جنت کو **اَصْحَابُ الْیَمِیْن** یا **اَصْحَابُ الْمَیْمَنَة** اور کفار ومنکرین کو **اَصْحَابُ الْمَشْئَمَة** یا **اَصْحَابُ الشِّمَال** کہا گیا ہے۔

آیت ۱۵/ سے بتلایا جارہا ہے کہ یہ سابقین جو بہشت کے باغات میں ہوں گے ان کے بیٹھنے کے لئے سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تخت ہوں گے، جن پر یہ تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ یعنی نشست ایسی ہوگی کہ کسی ایک کی پیٹھ دوسرے کی طرف نہ رہے گی۔ ان کی خدمت کے لئے لڑکے ہوں گے جن کی عمر ہمیشہ ایک حالت میں رہے گی۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث ومفسر دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اہل جنت کے خدام تین قسم کے ہوں گے:

(۱) ملائکہ جو اللہ تعالیٰ اور اہل جنت کے مابین بطور قاصد ہوں گے۔

(۲) غِلمان جو حوروں کی طرح جنت میں ایک جدا مخلوق ہے جو جنت ہی میں پیدا ہوئے ہوں گے اور وہ ہمیشہ ایک عمر کے رہیں گے اور مثل بکھرے ہوئے موتیوں کے چاروں طرف خدمت کرتے پھریں گے۔ روایات حدیث سے ثابت ہے کہ ایک ایک جنتی کے پاس ہزاروں خادم ہوں گے۔

(۳) اولاد مشرکین جو بچپن میں قبل از بلوغ انتقال کرچکی ہوگی، یہ بچے اہل جنت کے

خادم ہوں گے۔

آیت ۱۸/اور ۱۹/ میں ارشاد فرمایا: ''ایسی شراب کے پیالے، جگ اور جام لے کر جس سے نہ ان کے سر میں درد ہوگا اور نہ ان کے ہوش اڑیں گے۔''

قرآن پاک کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت کے لئے مشروب یعنی پینے کی چیزیں چار قسم کی ہوں گی اور ان کی نہریں جاری ہوں گی۔

(۱) وہ نہریں جن کا پانی نہایت شیریں وٹھنڈا ہے۔

(۲) وہ نہریں جو ایسے قدرتی دودھ سے لبریز ہیں جس کا مزہ کبھی نہیں بگڑتا۔

(۳) وہ نہریں جو ایسی شراب کی ہیں جو نہایت فرحت افزا اور خوش رنگ اور خوش مزہ ہیں۔

(۴) وہ نہریں جو نہایت صاف وشفاف شہد کی ہیں۔

ان نہروں کے علاوہ تین قسم کے چشمہ بھی ہیں:

(۱) ایک کا نام کافور ہے جس کی خاصیت خنکی ہے۔

(۲) دوسرے کا نام زنجبیل ہے جس کو سلسبیل بھی کہتے ہیں، اس کی خاصیت گرم ہے مثل چاء وقہوہ۔

(۳) تیسرے کا نام تسنیم ہے جو نہایت لطافت کے ساتھ ہوا میں معلق جاری ہے۔

ان تینوں چشموں کا پانی مقربین کے لئے مخصوص ہے لیکن اصحاب یمین کو بھی جو مقربین سے کم درجہ کے جنتی ہیں ان چشموں میں سے سربمہر گلاس مرحمت ہوں گے جو پانی پینے کے وقت گلاب اور کیوڑہ کی طرح سے اس میں تھوڑا تھوڑا ملا کر پیا کریں گے۔

آیت ۷۵/ میں اللہ نے ستاروں کے گرنے کی قسم کھائی ہے اس قسم کے بارے میں اللہ خود فرماتا ہے کہ ''اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ آیت ۷۶/ میں یہ قسم کھا کر فرمایا: ''بے شک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے، جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں، یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کو عظیم قرار دیا تھا۔ آج سائنس، کروڑوں ستاروں پر

مشتمل دنیا کے بارے میں جن تحقیقات اور عجائبات کا اظہار کر رہی ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی یہ بہت بڑی قسم ہے، سائنسدان بتاتے ہیں کہ کائنات پانچ سوملین کہکشاؤں پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم وبیش ستارے پائے جاتے ہیں اور یہ ساری کہکشائیں مسلسل گردش کر رہی ہیں، چاند مسلسل گھوم رہا ہے، زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے، سورج چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے، پھر ستاروں میں سے کسی کی گردش کی رفتار آٹھ میل فی سیکنڈ ہے، کسی کی ۳۲/ میل فی سیکنڈ، کسی کی ۸۴/ میل فی سیکنڈ۔ اگر یہ سیارے آپس میں ٹکرا جائیں تو تمام نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ اگر ان سیاروں کی رفتار میں فرق آ جائے تو ہمارے دن اور رات اور موسم تک بدل جائیں۔ ان جیسی تفصیلات کو سامنے رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی قسم کھائی ہے۔ ستاروں اور قرآن کریم کی قسمیں کھانے کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ جیسے ستاروں کے ذریعے بر و بحر کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے یونہی قرآنی آیات سے جہالت اور ضلالت کی ظلمات میں سامانِ ہدایت حاصل کیا جاتا ہے۔ جیسے ستاروں کی دنیا کے سارے عجائب ابھی تک انسان پر آشکار نہیں ہوئے یونہی قرآن کریم کی آیات اور سورتوں میں پوشیدہ سارے علوم ومعارف سے بھی انسان آگاہ نہیں ہو سکا۔

سورۃ الحدید

سورۂ حدید مدنی ہے، اس میں ۲۹/ آیات اور ۴/ رکوع ہیں۔ اس سورت کی آیت ۱۰/ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ ''حدید'' لوہے کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورت میں اللہ نے لوہا پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے اس لئے اسے سورۂ حدید کہا جاتا ہے۔ اس سورت میں بنیادی طور پر تین مضامین مذکور ہیں:

پہلا یہ کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا ہے، وہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ کائنات کی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، کائنات کی ہر چیز اس کی حمد اور تسبیح بیان کرتی ہے۔ انسان اور حیوان، شجر اور حجر، جن اور فرشتے، جمادات اور نباتات سب کے سب زبانِ حال اور زبانِ قال سے اس کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتے ہیں۔ جب کچھ نہیں تھا، وہ تھا، جب

کچھ بھی نہیں رہے گا وہ تب بھی ہوگا، وہ ہر چیز پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ وہ ظاہر اتنا ہے کہ ہر چیز میں اس کی شان ہویدا ہے اور باطن اور مخفی ایسا ہے کہ کوئی عقل اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی اور حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

دوسرا مضمون جو اس سورت میں بیان ہوا ہے وہ یہ کہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے اور دین کی سربلندی کے لئے مال اور جان قربان کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا: "تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، حقیقت میں تو آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک اللہ ہی ہے۔"

تیسرا مضمون جو اس سورت میں بیان ہوا ہے وہ یہ کہ اللہ نے انسان کے سامنے دنیا کی زندگی کی حقیقت بیان کی ہے تا کہ وہ اس کی ظاہری زیب و زینت سے دھوکہ نہ کھا جائے۔ سمجھایا گیا کہ دیکھو! یہ دنیا سراب ہے، دھوکہ ہے، لہو ولعب ہے، کم عقل لوگ مال و اولاد کی کثرت پر فخر کرتے ہیں، حسب نسب پر اکڑتے ہیں، اپنی پوری زندگی اور ساری صلاحیتیں دنیا کا سامان جمع کرنے میں لگا دیتے ہیں، اس دنیا کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جس کی سرسبزی اور تروتازگی دیکھ کر کاشتکار خوش ہوتا ہے، دیکھنے والے رشک کرتے ہیں، پھر ایک وقت آتا ہے کہ کوڑا کرکٹ بن کر سب کچھ ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔ یہی دنیا کی زندگی کا حال ہے، یہ فانی ہے اور یہاں کی ہر چیز زوال پذیر ہے لیکن آخرت کی زندگی دائمی ہے اور وہاں کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ کی مغفرت اور جنت کے حصول کے لئے دوڑ لگاؤ، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ سورت کے اختتام پر اللہ سے ڈرنے والوں اور رسول پر ایمان لانے والوں کے لئے دہرے اجر کا اور نور عطا کرنے کا وعدہ ہے جس کی روشنی میں وہ چلیں پھریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ نور عطا فرمائے۔ آمین

ستائیسویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) جنت میں داخلے کی کرنسی صرف اعمالِ صالحہ ہیں۔ اس لئے کہ جنت کو انسان کے اعمال سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔

(۲) قیامت کے دن اللہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ایسا اکرام فرمائیں گے کہ نیک لوگوں کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ہی جنت میں جگہ عطا فرمادیں گے، اگرچہ اولاد کے اعمال باپ کی طرح نہ ہوں۔

(۳) اللہ کا اس امت پر فضل ہے کہ اس نے اس امت کے لئے قرآن کو یاد کرنا اور نصیحت حاصل کرنا آسان کردیا۔

(۴) دعوت اور مہمان کا اکرام یہ انبیاء کی سنت ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھے اسے چاہئے کہ وہ مہمان کا اکرام کرے۔

(۵) الرحمٰن اللہ کا صفاتی نام ہے اور جس طرح کسی بندے کو ''اللہ'' کہہ کر پکارنا جائز نہیں اسی طرح صرف رحمٰن یا رحمٰن صاحب کہنا بھی جائز نہیں۔

(۶) رحمٰن کا شکر واجب ہے ان انعامات کی وجہ سے جو اس نے انسانوں اور جنات پر کئے ہیں۔

(۷) قیامت کے دن جب لوگ اپنی قبور سے اٹھیں گے تو ان کے لئے ایسی علامات ہوں گی کہ ان کے ذریعہ سعید اور شقی کی پہچان ہوجائے گی۔

(۸) جو شخص دنیا میں بوڑھا ہوگا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخلے کے وقت جوان اور خوبصورت کردیں گے۔

(۹) قرآن کی عزت وتکریم واجب ہے، اس لئے بغیر طہارت کے اسے چھونا حرام ہے۔

(۱۰) اہل ایمان کے لئے یہ بشارت عظمیٰ ہے کہ جنت میں داخلے سے پہلے (۱) فرشتے ان سے ملاقات کریں گے (۲) ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا (۳) ان کے ساتھ ایک نور ہوگا جو ان کے دائیں طرف اور آگے کی طرف چلے گا اور ان کی جنت تک رہنمائی کرے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
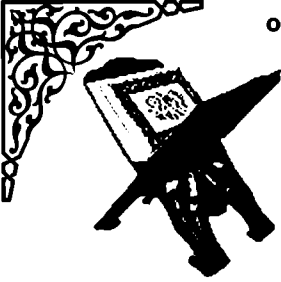
ستائیسویں تراویح

قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ (اٹھائیسویں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں اٹھائیسویں سپارہ کی تلاوت کی گئی ہے۔

سورة المجادلة

سورۂ مجادلہ مدنی ہے، اس میں ۲۲/آیات اور ۳/رکوع ہیں۔

اس سورت میں بنیادی طور پر چار اہم موضوعات کا بیان ہے۔ پہلا موضوع ''ظہار'' ہے۔ اہل عرب میں یہ طریقہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا تھا کہ ''اَنۡتِ عَلَیَّ کَظَهۡرِ اُمِّیۡ'' یعنی تم میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہو۔ جاہلیت کے زمانہ میں اس کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ ایسا کہنے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے۔ سورت کی ابتداء میں اسی کے احکام کا بیان ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ایک خاتون تھیں جو حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں جو بوڑھے ہوچکے تھے اور ایک مرتبہ انہوں نے اپنی اہلیہ کو یہ کہہ دیا کہ ''تم میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہو'' (یعنی میں نے تم کو اپنے اوپر ماں کی پشت کی طرح حرام کرلیا ہے) جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ جملہ کہہ دے تو اسی کو ''ظہار'' کہتے ہیں۔ اسلام سے پہلے ظہار کے نتیجے میں میاں بیوی ہمیشہ کے لئے جدا ہوجایا کرتے تھے اور پھر ان کے ملاپ کا کوئی راستہ نہیں رہتا تھا۔ اگرچہ حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ یہ جملہ جذبات میں آکر کہہ تو گئے تھے لیکن بعد میں شرمندہ ہوئے تو یہ خاتون پریشان ہوکر حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں آئیں اور آپ سے پوچھا کہ اس صورتِ حال کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں ابھی میرے پاس کوئی حکم نہیں آیا اور یہ شبہ ظاہر فرمایا کہ شاید تم اپنے شوہر کے لئے حرام ہوچکی ہو۔ اس پر خاتون نے بار بار آنحضرت ﷺ سے یہ کہا

کہ: ''میرے شوہر نے مجھ سے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا'' اُن کے اسی بار بار کہنے کو آیت میں بحث کرنے سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اُس کے ساتھ ہی انہوں نے اللہ سے فریاد شروع کر دی کہ ''یااللہ! میں آپ سے فریاد کرتی ہوں کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو ضائع ہو جائیں گے۔'' پھر آسمان کی طرف سر اُٹھا کر بار بار کہتی رہیں کہ ''یااللہ! میں آپ سے فریاد کرتی ہوں۔'' ابھی وہ یہ فریاد کر ہی رہی تھیں کہ یہ آیات نازل ہو گئیں جن میں ظہار کا حکم اور اُس سے رُجوع کرنے کا طریقہ بتلایا گیا۔

دوسرا موضوع یہ ہے کہ بعض یہودی اور منافقین آپس میں اس طرح سرگوشیاں کیا کرتے تھے جس سے مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ وہ ان کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔ آیت ۷ رسے ان ہی سرگوشیوں کے احکامات بیان کئے گئے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد وہاں کے یہودیوں سے امن وامان کے ساتھ رہنے کا معاہدہ فرمایا تھا۔ دوسری طرف یہودیوں کو مسلمانوں سے جو دِلی بغض تھا، اُس کی بناء پر وہ مختلف ایسی شرارتیں کرتے رہتے تھے جو مسلمانوں کے لئے تکلیف کا باعث ہوں، چنانچہ ایک شرارت یہ تھی کہ بعض اوقات جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو آپس میں اس طرح کانا پھوسی اور ایسے اشارے شروع کر دیتے تھے جیسے وہ ان کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہوں۔ بعض منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے، اس طرزِ عمل سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی تھی، اس لئے اُنہیں اس طرح کی سرگوشیاں کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، اس کے باوجود وہ اس سے باز نہیں آئے۔

اسی طرح یہودیوں کی ایک اور شرارت یہ تھی کہ جب وہ مسلمانوں سے ملتے تو ''السلام علیکم'' کہنے کے بجائے ''السام علیکم'' کہتے تھے۔ السلام علیکم کے معنی ہیں ''تم پر سلامتی ہو'' اور السام علیکم کے معنی ہیں کہ ''تم پر ہلاکت ہو'' چونکہ دونوں لفظوں میں صرف ایک لام کا فرق ہے اس لئے بولتے وقت سننے والے خیال بھی نہیں کرتے تھے، لیکن وہ لوگ اس طرح اپنے بغض کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

ان آیات میں ان قبیح حرکات پر ان کی مذمت کی گئی ہے البتہ ایسی سرگوشیوں اور خفیہ

مشوروں کی اجازت دی گئی ہے جو نیکی اور تقویٰ کے بارے میں ہوں۔

تیسرا موضوع اُن آداب کا بیان ہے جو مسلمانوں کو اپنی اجتماعی مجلسوں میں ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اس کے احکام آیت نمبر ۱۱ر میں ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ مسجدِ نبوی کے ساتھ اس چبوترے پر تشریف فرما تھے جسے صفّہ کہا جاتا ہے۔ آپ کے اِرد گرد بہت سے صحابہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں کچھ ایسے بزرگ صحابہ جو غزوۂ بدر میں شریک تھے اور ان کا درجہ اُونچا سمجھا جاتا تھا، ان کو مجلس میں بیٹھنے کی جگہ نہ ملی تو وہ کھڑے رہے۔ آنحضرت ﷺ نے شرکائے مجلس سے فرمایا کہ وہ ذرا سمٹ کر آنے والوں کے لئے جگہ پیدا کریں، اس کے باوجود اُن کے لئے جگہ کافی نہ ہوئی تو آپ نے بعض شرکائے مجلس سے فرمایا کہ وہ اُٹھ جائیں اور آنے والوں کے لئے جگہ خالی کر دیں۔ اس پر کچھ منافقین نے برا منایا کہ لوگوں کو مجلس سے اُٹھایا جا رہا ہے۔ عام طور پر آنحضرت ﷺ کا یہ معمول نہیں تھا لیکن شاید کچھ منافقین نے آنے والوں کو جگہ دینے میں تردّد کیا ہو، اس لئے آپ نے انہیں اُٹھا دیا ہو۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ایک تو مجلس کا عام حکم بیان فرمایا گیا کہ آنے والوں کے لئے گنجائش پیدا کرنی چاہئے اور دوسرے یہ حکم بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر مجلس کا سربراہ کسی وقت محسوس کرے کہ آنے والوں کے لئے جگہ خالی کرنی چاہئے تو وہ مجلس میں پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو یہ حکم دے سکتا ہے کہ وہ اُٹھ کر نئے آنے والوں کو بیٹھنے کی جگہ دیں۔ البتہ کوئی نیا آنے والا خود کسی کو اُٹھنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کی یہی تعلیم مذکور ہے۔

چوتھا اور آخری موضوع اُن منافقوں کا تذکرہ ہے جو ظاہر میں ایمان کا اور مسلمانوں سے دوستی کا دعویٰ کرتے تھے لیکن درحقیقت وہ ایمان نہیں لائے تھے اور درپردہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں یعنی یہودیوں سے دوستی بھی رکھتے اور ان کی مدد بھی کرتے رہتے تھے۔

ان کے بڑے بڑے دعوؤں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں ''حزب الشیطٰن'' (شیطان کی جماعت) قرار دیا ہے۔

آیت ۲۲ر میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو کسی صورت بھی اللہ اور اس کے رسول کے

دشمنوں کے ساتھ دوستی نہیں رکھتے، خواہ وہ ان کے ماں باپ، بیٹے، بھائی اور قبیلے والے ہی کیوں نہ ہوں۔ان سعادت مندوں کے لئے اللہ نے چار نعمتوں کا اعلان فرمایا ہے۔پہلی یہ کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو جما دیا ہے۔دوسری یہ کہ ان کی غیبی مدد کی جائے گی۔ تیسری یہ کہ انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔چوتھی یہ کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ بھی اللہ کی نعمتوں اور عطاء پر راضی ہو گئے۔

سورة الحشر

سورۂ حشر مدنی ہے، اس میں ۲۴/ آیات اور ۳/ رکوع ہیں۔

''حشر'' کے لفظی معنی ہیں: ''جمع کرنا''۔ چونکہ اس سورت کی آیت نمبر۲/ میں یہ لفظ آیا ہے۔اس لئے اس سورت کا نام ''سورۂ حشر'' ہے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ وہ اسے سورۂ بنونضیر بھی کہا کرتے تھے۔

یہ سورت حضورِ اقدس ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے دوسرے سال نازل ہوئی تھی۔مدینہ منورہ میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی۔آنحضرت ﷺ نے اُن سے یہ معاہدہ کرلیا تھا کہ آپس میں امن وامان سے رہیں گے اور مدینہ منورہ پر حملہ ہونے کی صورت میں مل کر اُس کا دفاع کریں گے۔یہودیوں نے اس معاہدہ کو قبول تو کرلیا تھا لیکن اُن کو حضور نبی کریم ﷺ سے دِلی بغض تھا، اس لئے وہ خفیہ طور پر آپ کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔چنانچہ اُنہوں نے در پردہ مکہ مکرمہ کے بت پرستوں سے تعلقات رکھے ہوئے تھے اور اُن کو مسلمانوں کے خلاف اُکساتے رہتے تھے اور اُن سے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ اگر تم مسلمانوں پر حملہ کرو گے تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔یہودیوں کا ایک قبیلہ بنونضیر کہلاتا تھا۔ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اُن سے معاہدے کی کچھ شرائط پر عمل کرانے کے لئے اُن کے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے یہ سازش کی کہ جب آپ بات چیت کرنے کے لئے بیٹھیں تو ایک شخص اوپر سے آپ پر ایک چٹان گرادے جس سے (معاذ اللہ) آپ شہید ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو ان کی سازش سے باخبر فرمادیا، اور آپ وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔اس واقعے کے بعد آپ نے بنونضیر کے پاس پیغام بھیجا

کہ اب آپ لوگوں کے ساتھ ہمارا معاہدہ ختم ہوگیا ہے، اور ہم آپ کے لئے ایک مدت مقرر کرتے ہیں کہ اس مدت کے اندر اندر آپ مدینہ منورہ چھوڑ کر کہیں چلے جائیں، ورنہ مسلمان آپ پر حملہ کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔ کچھ منافقین نے بنونضیر کو جا کر یقین دلایا کہ آپ لوگ ڈٹے رہیں، اگر مسلمانوں نے حملہ کیا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ بنونضیر مقررہ مدت میں مدینہ منورہ سے نہیں گئے۔ آنحضرت ﷺ نے مدت گزرنے کے بعد اُن کے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور منافقین نے اُن کی کوئی مدد نہیں کی۔ آخر کار اُن لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور آنحضرت ﷺ نے اُن کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کرنے کا حکم دیا، البتہ یہ اجازت دی کہ ہتھیاروں کے سوا وہ اپنا سارا مال و دولت اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ یہ سورت اسی واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی۔

آیت ۶/سے مالِ فئی کے احکام بیان کئے جارہے ہیں۔ ''فئی'' اُس مال کو کہتے ہیں جو کوئی دشمن ایسی حالت میں چھوڑ جائے کہ مسلمانوں کو اُس سے باقاعدہ لڑائی کرنی نہ پڑی ہو۔ بنونضیر کے یہودیوں کو حضورِ اقدس ﷺ نے اپنا مال و دولت ساتھ لے جانے کی اجازت دی تھی، اس لئے وہ جو کچھ ساتھ لے جاسکتے تھے، لے گئے لیکن ان کی جو زمینیں تھیں ظاہر ہے کہ وہ ساتھ نہیں لے جاسکتے تھے اس لئے وہ چھوڑ کر گئے۔ یہ زمینیں مالِ فئی کے طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی یہ نعمت یاد دلا رہے ہیں کہ یہ مالِ فئی اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس طرح عطا فرمادیا کہ مسلمانوں کو باقاعدہ لڑائی کی محنت بھی اٹھانی نہیں پڑی۔

اس مالِ فئی کے بارے میں آیت ۷ میں یہ حکم دیا گیا کہ اس میں مجاہدین میں سے کسی کا حق نہیں بلکہ اس کی تقسیم کا اختیار اللہ کے نبی کو ہے۔ وہ اسے فقراء، ضعفاء، مساکین، حاجت مندوں اور قرابت داروں میں تقسیم کریں گے۔ یہاں اگرچہ مسئلہ تو مالِ فئی کی تقسیم کا بیان ہورہا ہے لیکن اس کے ضمن میں اسلامی اقتصادیات کا ایک اہم فلسفہ بھی بیان کردیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ ''دولت چند اغنیاء کے ہاتھوں میں گردش کرتی رہے'' بلکہ اسلام اس کا طریقے سے پھیلاؤ چاہتا ہے کہ سوسائٹی کا کوئی فرد اور کوئی طبقہ بھی محروم نہ

رہے۔ زکوٰۃ، صدقات، میراث اور خمس وغیرہ کی تقسیم میں یہی فکر کارفرما ہے۔ اقتصادیات کے اس عظیم فلسفہ کے علاوہ قانون سازی کے منبع اور مصدر کی بھی وضاحت کردی گئی ہے وہ یہ کہ ''جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔'' وہ تمام قوانین اور مسائل واحکام جو رسولِ اکرم ﷺ اللہ کی طرف سے لے کر آئے ان کی اتباع واجب ہے۔ خواہ وہ قرآن کی صورت میں ہوں یا سنت صحیحہ کی صورت میں، کتاب وسنت کو نظر انداز کرتے ہوئے کسی قسم کی قانون سازی جائز نہیں۔

آیت ۱۱ر سے ان منافقوں کی مذمت بھی کی گئی جو یہود کو برے وقت میں اپنے تعاون کا یقین دلاتے رہتے تھے۔ اللہ فرماتے ہیں ''ان دونوں گروہوں (یہود اور منافقین) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

آیت ۱۷ر سے ایمان والوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم ہے، انہیں سمجھایا گیا ہے کہ تم ان یہود ونصاریٰ کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے حقوق اللہ کو بھلا دیا، جس کی پاداش میں اللہ نے انہیں خود ان کی ذات کے حقوق بھی بھلا دیئے اور وہ آخرت کو بھول کر حیوانوں کی طرح نفسانی خواہشات کی تکمیل ہی میں لگے رہے۔ علاوہ ازیں اہلِ ایمان کو کتاب اللہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ اگر اللہ پہاڑوں کو عقل وشعور عطا فرما دیتا اور پھر ان پر قرآن نازل کر دیتا تو وہ اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ افسوس ہے انسان پر کہ وہ اس بے مثال کلام کی عظمت سے ناواقف ہے اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتا۔

سورة الممتحنه

سورۂ ممتحنہ مدنی ہے، اس میں ۱۳ر آیات اور ۲رر کوع ہیں۔ اس سورت کے دوسرے رکوع میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب مسلمان عورتیں تمہارے پاس ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لے لیا کرو، اس نسبت سے اس کا نام ممتحنہ مقرر ہوا ہے۔ اس سورت کا ابتدائی حصہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک ایسے بزرگ تھے جو اصل میں یمن کے باشندے تھے اور مکہ مکرمہ آکر بس گئے

تھے۔ مکہ مکرمہ میں ان کا قبیلہ نہیں تھا۔ وہ خود تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے لیکن ان کے اہل وعیال مکہ مکرمہ ہی میں رہ گئے تھے جن کے بارے میں اُنہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں قریش کے لوگ اُن پر ظلم نہ کریں۔ دوسرے مہاجر صحابہ جن کے اہل وعیال مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، انہیں تو کسی قدر اطمینان تھا کہ اُن کا پورا قبیلہ وہاں موجود ہے جو کافروں کے ظلم سے انہیں تحفظ دے سکتا ہے۔ لیکن حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال کو یہ تحفظ حاصل نہیں تھا۔ جب سارہ نامی ایک عورت جو مکہ مکرمہ واپس جارہی تھی تو انہوں نے اہل مکہ کو ممنون احسان کرنے کے لئے تاکہ وہ ان کے اہل خانہ کو کچھ نہ کہیں۔ ایک خط آنحضرت ﷺ کی خفیہ تیاری کے بارے میں اس عورت کے ذریعے مکہ بھیجنا چاہا جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو دے دی۔ آپ نے کچھ صحابہ کو بھیج کر وہ خط واپس منگوالیا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اپنی اس غلطی کی معافی مانگ لی اور اللہ اور اس کے رسول نے ان کی معافی کو قبول کرلیا۔

اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں ایمان والوں کو اللہ نے حکم دیا کہ کفار جو کہ میرے دشمن بھی ہیں اور تمہارے دشمن بھی ہیں انہیں دوست نہ بناؤ۔ یہ سنگدل لوگ ہیں جنہوں نے مکہ کی سرزمین ایمان والوں پر تنگ کردی اور انہیں وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کردیا۔ آج بھی ان کے دلوں میں آتشِ غضب بھڑک رہی ہے اور انہیں مسلمانوں کو دکھ دینے اور نقصان پہنچانے کا جو بھی موقع ہاتھ آتا ہے اسے ضائع نہیں جانے دیتے، خواہ وہ موقع ہاتھ چلانے کا ہو یا زبان چلانے کا، یہ رشتے ناتے جنہیں تم بڑی چیز سمجھتے ہو اور قبولِ ایمان کے باوجود ان کے مفادات کا خیال رکھتے ہو، یہ قیامت کے دن تمہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دیں گے، وہاں باپ بیٹے اور بھائی بھائی کے درمیان جدائی کردی جائے گی، جب ان رشتوں کا یہ حال ہے تو ان کی خاطر اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کرنا اور جماعتِ اسلامیہ کے رازوں کا افشاں کہاں کی دانش مندی ہے۔

صلح حدیبیہ کی شرائط میں جو بات طے ہوئی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی شخص مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آئے گا تو مسلمان اُسے واپس بھیجنے کے پابند ہوں گے، اس کا اطلاق مسلمان ہوکر آنے والی عورت پر نہیں تھا چنانچہ اگر کوئی عورت مسلمان ہوکر آئے گی تو نبی

کریم ﷺ اُس کا جائزہ لے کر دیکھیں گے کہ کیا واقعی وہ مسلمان ہوکر آئی ہے، یا آنے کا مقصد کچھ اور ہے۔ اگر اس جائزے سے یہ بات ثابت ہو کہ وہ واقعی مسلمان ہوکر آئی ہے تو پھر اُسے واپس نہیں بھیجا جائے گا۔ آیت ۱۰/ سے یہی حکم بیان کیا گیا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب حضور اکرم ﷺ کے سخت ترین دشمن عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آ گئیں اور ان کا والد معاہدہ حدیبیہ کے پیش نظر انہیں واپس لانے کے لئے مدینہ پہنچا تو حضور اکرم ﷺ نے اسے یہ کہہ کر خالی ہاتھ واپس لوٹا دیا کہ ہمارا معاہدہ صرف ایمان لانے والے مردوں کے بارے میں تھا خواتین کے بارے میں نہیں تھا۔

سورۃ الصف

سورۂ صف مدنی ہے، اس میں ۱۴/ آیات اور ۲/ رکوع ہیں۔ اس سورت کی چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن مسلمانوں کی تعریف فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صف بنا کر جہاد کرتے ہیں۔ اس مناسبت سے اس سورت کا نام سورۂ صف ہے۔

سبب نزول: ایک بار ایک جگہ صحابہ کرام جمع تھے، باہم کہنے لگے کہ ہم کو اگر معلوم ہو جائے کہ کونسا کام اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم وہی اختیار کریں۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ آپس میں بیٹھے یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ کوئی جائے اور رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرے کہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے۔ مگر ابھی کوئی کھڑا بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کا قاصد پہنچا اور ہم میں سے ایک ایک کو بلا کر حضور ﷺ کے پاس لے گیا۔ جب ہم سب جمع ہو گئے تو آپ نے اس پوری سورت کی تلاوت کی جس میں بتلایا گیا کہ جہاد سب سے زیادہ اللہ کو پسند ہے۔

آیت ۲/ سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات نہایت ناپسند ہے کہ لوگ زبان سے کہیں کچھ اور کریں کچھ، اور یہ بات نہایت محبوب ہے کہ لوگ راہِ حق میں اللہ کے دشمنوں

سے جہاد کے لئے اس طرح ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں جیسے کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔

آیت ۵ رمیں بتایا جا رہا ہے کہ شروع سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں یہی عادت تھی کہ زبان سے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے اور کہتے کہ ہم بڑے بڑے کام کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں جس وقت آپ حکم دیں گے ہم جان پر کھیل جائیں گے لیکن موقع آتا تو ایسے ایسے صاف جواب دیتے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بڑی اذیت پہنچتی۔ ایسا ہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو میں اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے جو رسول آئے ان کو سچا کہتا ہوں اور اپنے بعد خاتم النّبیین کے آنے کی بشارت دیتا ہوں تم اُن کی فرمانبرداری کرنا تو انہوں نے زبانی تو بڑے بڑے دعوے کئے کہ ہم اس آخری رسول کے طرفدار ہوں گے اور اُن کے حکم سے ذرا منہ نہ پھیریں گے لیکن جب آپ تشریف لائے اور نشانیوں سے صاف معلوم ہو گیا کہ آپ وہی رسول ہیں جن کی تشریف آوری کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خوشخبری دی تھی تو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ معاذ اللہ یہ تو کوئی بڑے جادوگر ہیں اور صاف مکر گئے۔ ان کی اس بداعمالی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہی میں بڑھتے گئے اور ظالموں کی فہرست میں ان کا شمار ہونے لگا۔ یہ سنا کر آیت ۹ رمیں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ اپنے رسول اور اپنے دین کے ساتھ تمہاری روش وہ نہ ہونی چاہئے جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل نے اختیار کی اور کیونکہ تمہارا دین سچا ہے اور تمہارے رسول سچے ہیں۔ اس لئے یہود و نصاریٰ دشمنان دین اور مشرکین اس دین حق کے نور کو بجھانے کی کتنی ہی کوشش کریں لیکن یہ دین پوری شان کے ساتھ دنیا میں پھیل کر رہے گا اور دوسرے دینوں پر غالب آ کر رہے گا۔

آیت ۱۰ ر سے سورۂ صف مسلمانوں کو ایک ایسی تجارت کی دعوت دیتی ہے جس میں خسارے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ اس تجارت کا دوسرا فریق وہ اللہ ہے جس کے ساتھ معاملہ کرنے والا کبھی نقصان میں نہیں رہتا، وہ تجارت ہے اللہ اور رسول پر ایمان اور اللہ کی رضا کے لئے مال و جان کے ساتھ جہاد، اور اس کا متوقع نفع ہے گناہوں کی مغفرت، جنت میں داخلہ، اللہ کی مدد اور دنیائے کفر پر غلبہ۔

کاش! مادی تجارت اور دنیاوی نفع ونقصان میں ڈوبے ہوئے مسلمان یہ تجارت بھی کر کے دیکھ لیں تا کہ ان کی ذلت، عزت میں اور مغلوبیت، غلبے میں تبدیل ہو جائے۔

آخر میں اہل ایمان کو تلقین کی گئی کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اللہ کی راہ میں ساتھ دیا اور محنت اور تکلیف اُٹھا کر دین عیسوی کو پھیلایا ایسے ہی تم بھی اللہ کے دین اسلام کے مددگار بنو۔ جس طرح اللہ نے اُن کی مدد کی تھی اُسی طرح تم کو بھی اللہ کی تائید حاصل ہوگی۔

سورة الجمعه

سورۂ جمعہ مدنی ہے، اس میں ۱۱ر آیات اور ۲ر رکوع ہیں۔ چونکہ دوسرے رکوع میں جمعہ کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں اس لئے سورت کا نام ''جمعہ'' ہے۔

اس سورت کے پہلے رکوع میں حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت اور آپ کی بعثت کے مقاصد بیان فرما کر پوری انسانیت کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور خاص طور پر یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ جس کتاب یعنی تورات پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اُس میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت موجود ہے۔ اس کے باوجود وہ آپ پر ایمان نہ لا کر خود اپنی کتاب کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

دوسرے رکوع میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ان کی تجارتی سرگرمیاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنی چاہئیں چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد ہر قسم کی خرید وفروخت بالکل ناجائز ہے۔ نیز جب آنحضرت ﷺ خطبہ دے رہے ہوں، اُس وقت کسی تجارتی کام کے لئے آپ کو چھوڑ کر چلے جانا جائز نہیں ہے، اور اگر دُنیوی مصروفیات کا شوق کسی دینی فریضے میں رُکاوٹ بننے لگے تو اس بات کا دھیان کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کے لئے آخرت میں جو کچھ تیار کر رکھا ہے، وہ دُنیا کی ان دلفریبیوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور دینی فرائض کو رزق کی خاطر چھوڑنا سراسر نادانی ہے، کیونکہ رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا رزق اُس کی نافرمانی کر کے نہیں بلکہ اُس کی

اطاعت کر کے طلب کرنا چاہئے۔

سورۃ المنافقون

سورۂ منافقون مدنی ہے، اس میں ۱۱/آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ یہ سورت ایک خاص واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنوالمصطلق عرب کا ایک قبیلہ تھا جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہے۔ آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خود وہاں تشریف لے گئے، ان سے جنگ ہوئی اور آخر کار اُن لوگوں نے شکست کھائی اور بعد میں مسلمان بھی ہوئے۔ جنگ کے بعد چند دن آپ نے وہیں ایک چشمے کے قریب پڑاؤ ڈالے رکھا جس کا نام مریسیع تھا۔ اسی قیام کے دوران ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پانی ہی کے کسی معاملے پر جھگڑا ہو گیا۔ جھگڑے میں نوبت ہاتھا پائی کی آ گئی اور ہوتے ہوتے مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا، اور انصاری نے انصار کو، یہاں تک کہ اندیشہ ہو گیا کہ کہیں مہاجرین اور انصار کے درمیان لڑائی نہ چھڑ جائے۔ حضورِ اقدس ﷺ کو علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ مہاجر اور انصار کے نام پر لڑائی کرنا وہ جاہلانہ عصبیت ہے جس سے اسلام نے نجات دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عصبیت کے بدبودار نعرے ہیں جو مسلمانوں کو چھوڑنے ہوں گے۔ ہاں مظلوم جو کوئی بھی ہو اُس کی مدد کرنی چاہئے اور ظالم جو کوئی ہو اُسے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جھگڑا افرو ہو گیا اور جن حضرات میں ہاتھا پائی ہوئی تھی، ان کے درمیان معافی تلافی ہو گئی۔ یہ جھگڑا تو ختم ہو گیا لیکن مسلمانوں کے لشکر میں کچھ منافق لوگ بھی تھے جو مالِ غنیمت میں حصہ دار بننے کے لئے شامل ہو گئے تھے۔ اُن کے سردار عبداللہ بن ابی کو جب اس جھگڑے کا علم ہوا تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم نے مہاجروں کو اپنے شہر میں پناہ دے کر اپنے سر پر چڑھا لیا ہے، یہاں تک کہ اب وہ مدینے کے اصل باشندوں پر ہاتھ اُٹھانے لگے ہیں۔ یہ صورت حال قابل برداشت نہیں ہے، پھر اُس نے یہ بھی کہا کہ جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو جو

عزت والا ہے وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔ اُس کا واضح ارشاد اس طرف تھا کہ مدینے کے اصل باشندے مہاجروں کو نکال باہر کریں گے۔ اس موقع پر ایک مخلص انصاری صحابی حضرت زید بن ارقم ؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس بات کو بہت برا سمجھا اور حضورِ اکرم ﷺ کو بتایا کہ عبداللہ بن اُبی نے ایسا کہا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی سے پوچھا تو وہ صاف مکر گیا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔ آنحضرت ﷺ نے درگزر فرمایا کہ شاید حضرت زید بن ارقم ؓ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ حضرت زید بن ارقم ؓ کو یہ رنج تھا کہ عبداللہ بن اُبی نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اُن کو جھوٹا بنایا۔ اُس کے بعد آپ اپنے صحابہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگئے۔ ابھی مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے کہ یہ سورت نازل ہوگئی جس نے حضرت زید بن ارقم ؓ کی تصدیق کی اور منافقین کی حقیقت واضح فرمائی۔

سورۃ التغابن

سورۂ تغابن مدنی ہے، اس میں ۱۸ر آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ یہ سورت اگرچہ مدنی ہے لیکن اس پر مکی سورتوں کا رنگ غالب ہے۔

اس سورت کے پہلے رکوع میں قیامت کو ''یوم التغابن'' یعنی تغابن کا دن کہا گیا ہے۔ تغابن ہار جیت کو کہتے ہیں، زندگی کی بازی کی ہار جیت کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ اس مناسبت سے قیامت کو یوم التغابن کہا گیا ہے اور اسی سے سورت کا نام تغابن ماخوذ ہے۔

اس سورت کا خاص موضوع ایمان واطاعت کی دعوت اور اخلاق حسنہ کی تعلیم ہے۔ سورت کی ابتداء اللہ رب العزت کی تقدیس سے فرمائی گئی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کررہی ہے، حقیقت میں تمام کائنات پر بادشاہی اُسی کی ہے اور اُسی کا حکم چلتا ہے اور ساری خوبیاں وکمالات اُسی کے اندر جمع ہیں۔ اُسی نے انسان کو پیدا کیا پھر ان انسانوں میں سے بعض نے تو اللہ تعالیٰ کو مانا اور اس پر ایمان لائے اور بعض انکار کر بیٹھے۔

ان منکرین کی عبرت کے لئے آیت ۵ر سے بتلایا گیا ہے کہ کیا ان کو اُن لوگوں کا حال

معلوم نہیں ہوا جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں اُن پر اللہ کا انکار کرنے سے اور اس کی نافرمانیاں کرنے سے اس دنیا ہی میں بڑی بڑی مصیبتیں پڑیں اور ابھی آخرت کا عذاب ان کو مزید بھگتنا ہے۔ ان کے پاس سمجھانے کے لئے اللہ کے رسول آئے جنہوں نے اپنے رسول ہونے کی صاف صاف کھلی نشانیاں پیش کیں لیکن اُن منکرین نے یہی کہا کہ ہم اپنے ہی جیسے ایک انسان کو اپنا ہادی اور پیشوا کیسے بنالیں۔ تو انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ کو ماننے سے انکار کیا۔ نتیجہ میں انہوں نے اس کا خمیازہ بھگتا اور چشم زدن میں غارت کر دیئے گئے۔

منکرین ومکذبین جو یہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کی تردید میں قسمیہ کلام کے ساتھ کہا گیا کہ تمہیں دوبارہ زندہ تو لازمی کیا جائے گا اور اے منکرو تمہیں اس وقت اپنے اعمال کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو اللہ کو مانو، اس کے رسول کو مانو۔ کلام الٰہی کی روشن آیات کو مانو ورنہ قیامت کے دن سخت ٹوٹے اور خسارہ میں رہو گے۔ اُس دن ایمان والے جنت میں جائیں گے اور بدکار کافر جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے۔

اس سورت کے زمانۂ نزول میں مسلمان سخت مصائب وشدائد میں گرفتار تھے۔ کفار مکہ نے اہل ایمان کو گھر بار چھوڑ کر وہاں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

جس کی وجہ سے کچھ تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے اور کچھ مکہ میں ابھی کشمکش میں گرفتار تھے۔ اس لئے اہل ایمان کی تسلی کے لئے آیت ۱۱ر سے بتلایا گیا کہ جو مصیبت آتی ہے وہ اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ ایمان والے اُس کی غرض وغایت سمجھ لیتے ہیں اور صبر اور استقامت سے کام لیتے ہیں اور اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ آیت ۱۴ر سے سمجھایا گیا ہے کہ تمہارا مال اور اولاد تمہارے دشمن ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی پر اکسائیں، اس لئے اُن کی وجہ سے کوئی نیک کام مت چھوڑو۔ ان سے تو تمہاری آزمائش مقصود ہے۔ اپنا مال اللہ کے واسطے دوسروں کے لئے خرچ کرو یہ سمجھو کہ یہ تم اللہ کو گویا قرض دے رہے ہو جو بڑا افیاض ہے۔ تمہارا سارا قرض پورا پورا چکا دے گا اور پھر اپنے

فضل سے اور بھی زیادہ دے گا۔

سورۃ الطلاق

سورۂ طلاق مدنی ہے، اس میں ۱۲؍آیات اور ۲؍رکوع ہیں۔

اس سورت میں طلاق سے متعلق چند خاص احکام بیان ہوئے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ الطلاق مقرر ہوا۔ اس سورت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں یہ روایت لکھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بی بی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو کردی۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر ناراض ہوئے اور حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ حیض میں طلاق دینا ناجائز ہے۔ رجعت کرلو، اسی سلسلہ میں سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور طلاق کا طریقہ تعلیم فرمایا گیا۔

نکاح وطلاق کی شرعی حیثیت اسلام میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ نکاح کو اسلام نے صرف ایک معاملہ اور معاہدہ ہی نہیں رکھا ہے بلکہ اس کو ایک گونہ عبادت کی حیثیت بخشی ہے اور چونکہ معاملہ ازدواج کی درستی پر عام نسل انسانی کی درستی موقوف ہے اس لئے قرآن کریم نے ان عائلی مسائل کو تمام دوسرے دنیوی مسائل ومعاملات سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کو بغور پڑھنے والا یہ عجیب مشاہدہ کرے گا کہ دنیا کے تمام معاشی مسائل میں سب سے اہم تجارت، شرکت اجارہ وغیرہ ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کے تو صرف اصول بتلانے پر اکتفا فرمایا ہے۔ ان کے فروعی مسائل قرآن کریم میں شاذ ونادر ہیں۔ بخلاف نکاح وطلاق کے کہ ان میں صرف اصول بتلانے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ان کے بیشتر فروع اور جزئیات کو بھی براہِ راست حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمایا ہے۔ یہ مسائل قرآن کی اکثر سورتوں میں متفرق اور سورۂ نساء میں کچھ زیادہ تفصیل سے آئے ہیں۔ یہ سورت جو سورۂ طلاق کے نام سے موسوم ہے اس میں بھی خصوصیت سے طلاق وعدت وغیرہ کے احکام کا ذکر ہے۔ (معارف القرآن)

سورت کی ابتداء میں طلاق کا شرعی طریقہ بتایا گیا ہے، مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ

اگر ازدواجی زندگی کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے اور طلاق کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ باقی نہ رہے تو بیوی کو ایک طلاقِ رجعی دے کر چھوڑ دے۔ یہ طلاق ایسے طہر میں ہونی چاہئے جس میں بیوی کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، طلاق دینے کے بعد اسے عدت ختم ہونے تک چھوڑ دیں، اسے ''طلاق سنی'' کہا جاتا ہے۔ یہ قیود وشرائط اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اللہ کی نظر میں طلاق انتہائی قابلِ نفرت عمل ہے اور اگر بعض استثنائی صورتوں کا معاملہ درپیش نہ ہوتا تو شریعت میں طلاق کی اجازت کبھی نہ دی جاتی کیونکہ طلاق کی وجہ سے خاندان کی بنیادوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں جبکہ اسلام خاندانی نظام کے استحکام پر زور دیتا ہے۔

ان شرعی احکام کو بیان کرتے ہوئے درمیان میں چار بار تقویٰ کا ذکر فرمایا گیا ہے کیونکہ تقویٰ اختیار کرنے والے ہی ازدواجی زندگی کو صحیح انداز سے گزار سکتے ہیں۔

پہلے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو جو کہ تمہارا رب ہے۔'' (آیت ۱) دوسری بار فرمایا: ''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا۔'' (آیت ۲) تیسری بار فرمایا: ''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔'' (آیت ۴) چوتھی بار فرمایا: ''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس سے گناہ کو دور کر دے گا اور اسے اجرِ عظیم عطا کرے گا۔'' (آیت ۵)

سورۃ التحریم

سورۂ تحریم مدنی ہے، اس میں ۱۲ر آیات اور ۲ر رکوع ہیں۔

اس سورت کی ابتداء ہی میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ آنحضرت ﷺ نے ایک حلال چیز کے استعمال سے قسم کھا کر اُس چیز کو اپنے اوپر حرام فرما لیا تھا۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''تحریم'' مقرر ہوا۔ تحریم کے لفظی معنی ہیں حرام کر دینا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول شریف تھا کہ بعد نماز عصر کھڑے کھڑے ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد نوش فرمایا۔ پھر کئی روز یہ معمول رہا تو مجھ کو رشک آیا۔ میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا

کہ ہم میں سے حضور ﷺ جس کے پاس تشریف لائیں وہ یوں کہے کہ کیا آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے۔ مغافیر ایک گوند کی قسم سے ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے فرمایا میں نے تو شہد پیا ہے، اس پر کہا گیا کہ شاید کوئی شہد کی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھ گئی ہوگی اور اس کا عرق چوس لیا ہوگا۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کو بدبو سے بڑی کراہت اور نفرت تھی۔ آپ نے بقسم فرمایا کہ میں پھر شہد نہ پیوں گا۔ نیز یہ خیال فرما کر کہ زینب رضی اللہ عنہا کو اس کی اطلاع ہوگی تو خوامخواہ رنجیدہ و دلگیر ہوں گی۔ اس لئے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا مگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اطلاع چپکے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اور کسی سے نہ کہنا۔ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرما دیا۔ آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو جتلایا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہ کو کر دی حالانکہ منع کر دیا گیا تھا۔ وہ متعجب ہو کر کہنے لگیں کہ آپ سے کس نے کہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی۔

چنانچہ سورت کی ابتداء اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمائی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے جس چیز کو حلال کیا ہے آپ اپنے اوپر اس کو حرام نہ فرمائیں۔

سورت کے اختتام پر دو مثالیں بیان کی گئی ہیں، پہلی مثال کافرہ بیوی کی ہے جو مومن صالح کے نکاح میں تھی اور دوسری مثال مومنہ بیوی کی ہے جو ایک بدترین کافر کے نکاح میں تھی۔ مومن صالح سے مراد حضرت نوح علیہ السلام اور کافر سے مراد فرعون ہے۔ ان دو مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر انسان خود مومن اور صالح نہ ہو تو اسے کسی مومن کی قرابت اور حسب نسب کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا۔

❁❁❁❁

اٹھائیسویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) اللہ کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ بندوں کے تمام اعمال کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہے اس لئے واجب ہے کہ ہر وقت اللہ کا استحضار رہے۔

(۲) شیطان کے انسان پر قبضہ کی علامت یہ ہے کہ اس سے اللہ کا ذکر، دل، زبان، وعدہ وعید اعمال واقوال سب میں چھوٹ جاتا ہے۔

(۳) شیطان کے راستے سے بچنا چاہئے وہ معاصی کو مزین اور خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے اور اس سے دھوکہ دیتا ہے اور جب بندہ اس میں مبتلا ہو جاتا ہے تو شیطان اس سے برأت کا اظہار کر دیتا ہے اور وہ گمراہی کے راستے پر بھٹکتا رہ جاتا ہے۔

(۴) ضروری ہے کہ ہر روز اس پر نظر رکھے کہ اس نے آخرت اور اس کے مابعد کے لئے آج کیا بھیجا۔

(۵) مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح کے اسباب قوت کو حاصل کریں: ☆ تاکہ اس کی وجہ سے کافران پر غالب نہ آسکیں۔ ☆ مسلمانوں کو کمزور دیکھ کر کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہم حق پر ہیں۔

(۶) جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی کرنا حرام ہے جس شخص نے یہ کہا کہ میں ایسا کروں گا اور پھر نہ کیا تو اس نے جھوٹ بھی بولا اور وعدہ خلافی بھی کی۔

(۷) جمعہ کی اذان کے ساتھ ہی تمام خرید وفروخت حرام ہو جاتی ہے اس وقت صرف جمعہ کی نماز کے لئے نکلنا چاہئے۔

(۸) رزق کے حصول کی تمام جگہیں اللہ کے قبضہ میں ہیں، اس لئے رزق اللہ کی اطاعت کے ذریعے طلب کیا جائے نا کہ نافرمانی کے ذریعے۔

(۹) قرآن کریم نور ہے اور زندگی میں ہدایت صرف اسی کے ذریعے مل سکتی ہے اس کے علاوہ کسی اور ذریعے سے نہیں مل سکتی۔

(۱۰) مصائب کے نزول کے وقت اللہ کے فیصلے اور حکمت پر راضی رہنے سے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ہدایت ڈال دیتے ہیں، اس کو صبر کی طاقت عطا فرماتے ہیں اور اس مصیبت کو اس کے لئے آسان کر دیتے ہیں اور اگر وہ انا للہ وانا الیہ راجعون بھی پڑھ لے تو اللہ اس کا اچھا بدل بھی عطا فرماتے ہیں اور اجر عظیم بھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؀
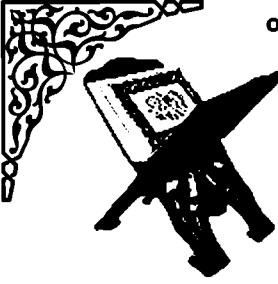
اٹھائیسویں تراویح

تَبٰرَكَ الَّذِيْ (انتیسواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں انتیسویں سپارہ کی تلاوت کی گئی ہے۔

سورۃ الملک

سورۂ ملک مکی ہے، اس میں ۳۰/آیات اور ۲/رکوع ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ مردے کو جب قبر میں رکھتے ہیں اور عذاب کے فرشتے آتے ہیں تو یہ سورت اس مردے کی حمایت کرتی ہے اور ان فرشتوں کو منع کرتی ہے۔ اگر وہ عذاب کے فرشتے مردے کے پاس پاؤں کی طرف سے آنے کے ارادہ کرتے ہیں تو وہ اُن کو اُدھر سے منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں ادھر سے تم کو نہ آنے دوں گی۔ اس وجہ سے کہ اس شخص نے کھڑے ہوکر مجھ کو نماز میں پڑھا تھا۔ پھر اگر وہ عذاب کے فرشتے سر کی طرف سے آنے کا ارادہ کرتے ہیں تو یہ سورت اُدھر سے بھی منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس شخص نے مجھ کو اس منہ سے پڑھا ہے سو میں تم کو اس طرف سے بھی آنے نہ دوں گی اور اسی طرح دائیں اور بائیں طرف سے بھی منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں تم کو ان دونوں کی طرف سے بھی آنے نہ دوں گی اس وجہ سے کہ اس شخص نے اپنے سینہ میں مجھ کو یاد رکھا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ بعض صحابہ نے ایک جگہ خیمہ لگایا اُن کو علم نہ تھا کہ وہاں قبر ہے۔ اچانک اُن خیمہ لگانے والوں نے اس جگہ کسی کو سورہ تبارک الذی پڑھتے ہوئے سنا تو حضور ﷺ سے آ کر عرض کیا۔ حضور ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ یہ سورت اللہ کے عذاب سے روکنے والی ہے اور نجات دینے والی ہے۔

سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفاتِ باری تعالیٰ کے ذکر سے فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ سارے جہان کی بادشاہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔ سارا زور اور قوت اسی کے قبضہ میں ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ اُسی نے تم کو زندگی بخشی ہے اور وہی تم کو موت دے گا اور اس مرنے اور جینے کا مقصد یہ ہے کہ تمہارا امتحان لیا جائے کہ اس عارضی زندگی میں کون اچھے کام کرتا ہے اور کون برے کام۔

آیت ۳ رسے بتایا گیا ہے کہ یقین کرو کہ سارے جہان میں حکم اللہ ہی کا چلتا ہے۔ ہر طرف اسی کی قدرت کا ظہور ہے۔ ساتوں آسمان اُسی نے پیدا کئے جو ایک دوسرے کے اوپر چھائے ہوئے ہیں اور ان میں ہر بات ایک مضبوط نظام اور قاعدے کے موافق چل رہی ہے جس میں کوئی خلل یا خلا نہیں ہے۔ ہر چیز کو اس نے قاعدہ اور طریقہ سے بنایا ہے اور ہر چیز اپنی اپنی مناسب جگہ موجود ہے اور اپنا کام پورا کررہی ہے۔

آیت ۳ رمیں ہی انسان کو اللہ کی مخلوقات میں غور کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جتنا اُس کی مخلوقات کو غور سے دیکھو گے تمہاری حیرت بڑھتی جائے گی۔ دیکھتے دیکھتے تم تھک جاؤ گے لیکن اس کے عجائبات ختم نہ ہوں گے۔ مثلاً اللہ نے قریب کے آسمان میں ستارے روشن چراغوں کی طرح روشن کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو شیطانوں کو مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے جو اوپر چڑھ کر غیب کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ شیاطین انسانوں کو سوائے غلط اور گمراہی کی باتوں کے اور کچھ بھی نہیں بتاتے۔

جو لوگ ان شیاطین کی پیروی کریں گے وہ اُن ہی کے ساتھ آخرت میں جہنم رسید ہوں گے اور جب یہ منکرین گروہ درگروہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے تو جہنم کا جوش و خروش دیکھ کر اُن کے ہوش اُڑ جائیں گے۔ جہنم کے نگہبان فرشتے اُن سے کہیں گے کہ کیا دنیا میں تمہیں اس آگ سے ڈرانے والے نہیں آئے تھے۔ اس کا جواب وہ نہایت حسرت وندامت سے دیں گے کہ ڈرانے والے آئے تو ضرور تھے مگر ہم اُن کا کہنا خاطر میں نہ لائے۔ اُن کو جھوٹا سمجھا، اگر سمجھ سے کام لیتے اور رسولوں کی بات مان لیتے تو آج جہنمیوں

کے ساتھ جہنم میں نہ جھونکے جاتے۔ ان کے برخلاف اُن کے اللہ سے ڈرنے والے بندے، اُس دن چین اور آرام سے ہوں گے اور ان کو بڑا اجر ملے گا کیونکہ وہ دنیا میں اپنے رب کو دیکھے بغیر اُس پر ایمان لائے اور اُس سے ڈرتے رہے۔

آیت ۲۲/ میں تمام انسانوں کو خطاب کر کے بتلایا جاتا ہے کہ تم خود ہی سوچو کہ ایک شخص منہ اُٹھائے ہوئے سیدھے رستہ پر چل رہا ہے اور دوسرا منہ اوندھائے گرتا پڑتا ادھر اُدھر بھٹکتا پھر رہا ہے تو کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں۔ اس لئے اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانو۔ قیامت پر یقین کرو، وہ ضرور آئے گی۔ رہا اُس کا وقت تو وہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کب آئے گی لیکن جب آ گئی تو پھر منکروں کی خیر نہیں۔ مارے ہول کے اُن کے چہرے بگڑ جائیں گے۔

سورت کے آخر میں منکروں کو سمجھایا گیا ہے کہ تم مسلمانوں کی فکر چھوڑ و اپنی فکر کرو کہ اللہ کے عذاب سے کیسے بچو گے۔ مسلمانوں کا تو والی وارث اللہ ہی ہے، وہی ان کے سارے کام بنائے گا، تم اپنی سوچو کہ تمہیں اُس کے عذاب سے کون بچائے گا۔

سورة القلم

سورۂ قلم مکی ہے، اس میں ۵۲/ آیات اور ۲/ رکوع ہیں۔

اس سورت کی ابتداء ہی میں ''نٓ o وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ'' فرمایا گیا یعنی قسم ہے قلم کی اور اُس کی جو وہ فرشتے لکھتے ہیں۔ یہاں قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے تمام مخلوق کی تقدیریں لوحِ محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۂ قلم ہوا۔ اس کا دوسرا نام سورۂ نٓ بھی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں اس کا شانِ نزول یہ لکھا ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ خلعتِ نبوت سے سرفراز ہوئے اور آپ پر وحی آنا شروع ہوئی اور وضو ونماز کا طریقہ آپ کو غیب سے سکھلایا گیا تو آنحضرت ﷺ نے دین حق کا اظہار کرنا شروع کیا تو اہل بیت اور ایمان لانے والے مسلمانوں میں نماز کا پڑھنا رائج ہوا

اور یہ نئی باتیں جو مکہ والوں نے کبھی نہ دیکھی تھیں ان کا چرچہ ہونے لگا اور اکثر کفار نے کہنا شروع کیا (نعوذ باللہ) محمد (ﷺ) تو دیوانے ہو گئے ہیں اور اپنے گھر والوں کو بھی دیوانہ کر ڈالا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اُن کی باتوں سے رنج و ملال ہوتا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے یہ سورت نازل فرمائی۔

یہ سورت قلم کی عظمت اور اس کے عظیم نعمت ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔ حدیث میں بھی قلم کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''سب سے پہلے چیز جو اللہ نے پیدا فرمائی وہ قلم تھا۔ اسے پیدا کرنے کے بعد فرمایا: ''لکھو! اس نے پوچھا کیا لکھوں؟'' فرمایا ''تقدیر لکھو۔'' چنانچہ اس دن سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ قلم نے لکھ دیا۔ پھر اللہ نے نون یعنی دوات کو پیدا فرمایا۔''

یہ قلم ہی ہے جس نے اسلاف کے علوم ہماری طرف منتقل کئے ہیں اور پوری دنیا میں معلومات کی اشاعت کا ذریعہ بنتا ہے۔ قرآن نے قلم اور تعلیم و تعلّم کی اہمیت اس ماحول میں بیان کی جو ماحول قلم اور کتاب سے بیگانگی اور دوری کا ماحول تھا لیکن چونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری آسمانی کتاب ہے اور اسے نازل کرنے والا جانتا تھا کہ آنے والا دور قلم، علم، معلومات اور تحقیقات کا ہے۔ اس لئے اس نے مسلمانوں کو قلم کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا۔ دیکھا جائے تو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ وغیرہ بھی قلم ہی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں۔

سورۂ قلم میں تین مضامین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ پہلا مضمون حضورِ اکرم ﷺ کی قدر و منزلت اور آپ کے اخلاق و مناقب کا بیان ہے۔ سب سے پہلے تو قسم کھا کر فرمایا کہ آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں، جیسا کہ آپ کے مخالفین کہتے ہیں۔ ''اور آپ کے لئے بے انتہا اجر ہے اور آپ کے اخلاق عظیم ہیں۔'' مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسولِ کریم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کا خلق قرآن ہے۔ قرآن میں جو کچھ قال تھا وہ آپ کی زندگی کا حال تھا، آپ کی حیات طیبہ قرآن کریم کی عملی تفسیر تھی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ آپ کو مکارمِ اخلاق کی تکمیل ہی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ آپ کے اخلاق و مناقب بیان کرنے

کے ساتھ ساتھ آپ کے مخالفین کی اخلاقی پستی، کمینگی اور کج فکری بھی بیان کی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ آپ ''کسی ایسے شخص کا کہنا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا ہے، بے وقار، کمینہ، عیب گو، چغل خور، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھ جانے والا، گناہ گار، گردن کش پھر ساتھ ہی بے نسب بھی ہو۔ اس کی سرکشی صرف اس لئے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے۔'' مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیات سردارانِ قریش میں سے ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔

دوسرا مضمون جسے اس سورت میں خصوصی اہمیت حاصل ہے وہ ''اصحاب الجنہ'' (باغ والوں) کا قصہ ہے۔ یہ قصہ عربوں میں مشہور تھا، یہ باغ یمن کے قریب ہی تھا، اس کا مالک اس کی پیداوار میں سے غرباء پر خرچ کیا کرتا تھا لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کی اولاد اس باغ کی وارث بنی تو انہوں نے اپنے اخراجات اور مجبوریوں کا بہانہ بنا کر مساکین کو محروم رکھنے اور ساری پیداوار سمیٹ کر گھر لے جانے کی منصوبہ بندی کی۔ اللہ نے اس باغ کو ہی تباہ کر دیا۔ اس قصہ میں ان لوگوں کے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے جو اپنی ثروت اور غناء سے اکیلے ہی مستفید ہونا چاہتے ہیں اور ان کا بخل یہ برداشت نہیں کرتا کہ ان کے مال و متاع سے کسی اور کو بھی فائدہ پہنچے۔ کفار کے لئے عبرت آموز مثال بیان کرنے کے بعد یہ سورت متقین کا انجام بھی بتاتی ہے اور سوال کرتی ہے کہ محسن اور مجرم، فرمانبردار اور نافرمان، باغی اور وفادار دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

تیسرا اہم مضمون جو سورۂ قلم بیان کرتی ہے وہ آخرت کے بارے میں ہے، فرمایا گیا کہ ''جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔'' دنیا میں انہیں سجدہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا مگر یہ سجدہ نہیں کرتے تھے، آخرت میں وہ سجدہ کرنا چاہیں گے مگر ان سے طاقت اور اختیار سلب کر لیا جائے گا۔ ''کشف ساق'' یعنی پنڈلی کھولے جانے سے علماء نے قیامت کے شدائد اور ہولناکیاں مراد لی ہیں۔ ویسے یہ ان متشابہات میں سے ہے جن کی اصل حقیقت اور یقینی مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی معلوم نہیں۔ آخر میں حضور اکرم ﷺ کو مشرکین کی ایذاؤں پر صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

سورة الحاقه

سورۂ حاقہ مکی ہے، اس میں ۵۲/آیات اور ۲رکوع ہیں۔اس سورت کی ابتداء ہی لفظ ''اَلْحَآقَّةُ'' سے ہوئی ہے۔اسی سے یہ نام ماخوذ ہے۔حاقہ کے لفظی معنی ہیں''وہ چیز جو ہو کر رہے گی۔''اس سورت میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور دنیا والوں کو صاف طور پر بتایا گیا کہ یہ دنیا ایک روز ختم ہو کر رہے گی اور اس کے بعد ایک دوسرے جہان سے پالا پڑے گا۔اس لئے دنیا کے اندر زندگی اس حقیقت کو مدنظر رکھ کر بسر کرنی چاہئے۔جن لوگوں نے قیامت اور آخرت کو نہ مانا اور بے فکری سے جو دل میں آیا دُنیا میں کرتے رہے۔ان کو اُن کی بداعمالی کی سزا اوّل تو کچھ دنیا ہی میں مل گئی ورنہ مرنے کے بعد جب انہیں دوسرے جہان سے واسطہ پڑے گا تو وہاں اُن کے لئے بڑی پریشانی ہوگی اور ایک وقت ایسا یقینی آئے گا کہ جب صور پھونکا جائے گا اور ایک ہولناک آواز پیدا ہوگی، جس سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور پھر تمام انسان دوبارہ زندہ کر کے اللہ عزوجل کے سامنے حاضر کئے جائیں گے جبکہ اُن کی ساری چھپی اور کھلی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔نیکی اور بدی سب آنکھوں کے سامنے آ جائیں گی اور ہر ایک کو اس کا اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں۔جس کے داہنے ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ آئے گا وہ اُسے خوشی خوشی دوسروں کو دکھائے گا اور کہے گا کہ مجھے تو معلوم تھا کہ میرے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور میں ایسے کاموں سے دنیا میں بچتا تھا جن سے پکڑ کا اندیشہ تھا۔ایسا شخص جنت میں داخل ہوگا جہاں پھلوں سے لدے ہوئے باغات ہوں گے اور وہ اُن کے اندر ہمیشہ ہمیشہ ناز و نعمت اور چین و آسائش میں رہے گا اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں آئے گا تو وہ کہے گا کہ کاش یہ مجھے نہ ملا ہوتا تو اچھا ہوتا تا کہ اپنے کرتوتوں کا حساب نہ دینا پڑتا، کاش میں ہمیشہ مرا ہی پڑا رہتا، آج نہ میری دُنیا کی دولت کام آئے گی اور نہ میری حکومت و سلطنت مجھے بچا سکے گی۔فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس مردود کو پکڑو، گلے میں طوق ڈالو اور کھینچتے ہوئے لے جاؤ اور جہنم میں ڈال دو اور زنجیروں میں

جکڑ دو۔ یہ وہی تو ہے جو دنیا میں اللہ کا انکار کرتا تھا اور محتاجوں اور مسکینوں کی خبر گیری نہ لیتا تھا۔ آج اس کی مدد اور خبر گیری کرنے والا کوئی نہ ہوگا اور اس کو کھانے پینے کو غسلین یعنی زخموں کا دھوون ملے گا۔

سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے خطاب میں سمجھایا گیا کہ انسانو! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن میری ہی بھیجی ہوئی سچی کتاب ہے اور اسے کسی نے خود نہیں گھڑ لیا اور یہ پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم میں سے بہت سے انسان اس کی قدر نہ کریں گے۔ وہ آخر کار پچھتائیں گے کہ افسوس ہم نے پہلے ہی قرآن کو کیوں نہ مان لیا۔ بہر حال سمجھ داروں کے لئے یہ قرآن بالکل یقینی حقیقت ہے۔

جب اس سورت کی آخری آیت ''فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ'' نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس حکم کی تعمیل میں ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ'' رکوع میں کہا کرو پھر جب آیت ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سجدہ میں رکھو یعنی اس کی تعمیل میں سجدہ میں ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى'' کہا کرو۔

سورۃ المعارج

سورۂ معارج مکی ہے، اس میں ۴۴/آیات اور ۲/رکوع ہیں۔ اس سورت کی تیسری آیت میں ''مَعَارِجُ'' کا لفظ آیا ہے۔ معارج جمع ہے معراج کی جس کے لفظی معنی ہیں درجات، زینہ، سیڑھیاں۔ مگر یہاں مراد آسمان ہیں جو ایک کے اوپر ایک ہیں اور اس پر فرشتے چڑھتے اُترتے رہتے ہیں۔ اسی لفظ معارج کو سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔

اس سورت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں مفسرین نے یہ روایت لکھی ہے کہ مکہ کے ایک کافر نضر بن حارث نے براہِ گستاخی کہا کہ اگر یہ قرآن حق ہے اور جس عذاب کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اور جس کی خبر بار بار سنائی جاتی ہے وہ بھی حق ہے تو وہ عذاب واقع کیوں نہیں ہوتا؟ کفار کے خیال میں قیامت کا آنا ایک امر محال تھا، اس لئے انکار کے طور پر ایسا سوال کرتے تھے، اس پر سورۂ مبارکہ نازل ہوئی اور نضر بن حارث نے جو قرآن

کے حق ہونے کی صورت میں عذاب کی درخواست کی تھی اس کا جواب ارشاد فرمایا گیا کہ یہاں کی سزا کیا ہے، اصلی سزا کا انتظار کرو جو ایسے دن میں واقع ہوگی جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے اس آیت کے سننے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ دن تو بہت بڑا ہوگا۔ اتنی مدت خوف اور بے چینی اور بے قراری میں گزارنا اور بغیر ٹھکانے کے رہنا نہایت مشکل ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ایماندار آدمی کو وہ دن ایسا چھوٹا معلوم ہوگا جتنی دیر میں ایک فرض نماز کی ادائیگی دنیا میں کرتا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ وہ دن مومنین کے لئے اتنا چھوٹا ہوگا جتنا وقت ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے۔ تو ان روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ جس دن کا طول کفار کو پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا وہ مومنین کے لئے بہت مختصر ہوگا۔

اس سورت میں مصلحین کی اللہ تعالیٰ نے آٹھ صفات بیان کی ہیں:

(۱) وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

(۲) ان کے مال میں سوال کرنے والوں اور سوال سے بچنے والوں سب کا حق ہوتا ہے۔

(۳) وہ حساب و جزا کے دن کی بلا شک وشبہ تصدیق کرتے ہیں، ایسی تصدیق جس میں شک کی کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی۔

(۴) وہ عبادت وطاعت کے باوجود اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

(۵) وہ زنا اور جنسی غلاظت سے اپنے دامن کو بچا کر رکھتے ہیں، صرف حلال پر اکتفا کرتے ہیں اور حرام کی طرف نظر نہیں اٹھاتے۔

(٦) وہ امانتیں ادا کرتے ہیں اور عہد پورا کرتے ہیں، نہ عہد میں خیانت کرتے ہیں اور نہ وعدہ خلافی کرتے ہیں۔

(۷) وہ حق وعدل کے ساتھ گواہی ادا کرتے ہیں۔

(۸) وہ نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرتے ہیں اور اس کے آداب و واجبات کا

التزام کرتے ہیں۔جن لوگوں کے اندر یہ صفات پائی جاتی ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے۔''

سورت کے اختتام پر اللہ اس بات پر قسم اُٹھاتے ہیں کہ بعث ونشور حق ہے اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ اس بات پر قادر ہے کہ ان کو ہلاک کردے اور ان سے بہتر اور اللہ کی زیادہ عبادت کرنے والوں کو پیدا فرمادے۔'' اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا عملی ظہور ہر دور میں ہوتا رہا ہے، جب کسی قوم نے دین کے بارے میں تساہل اور تغافل کا رویہ اختیار کیا، اللہ نے ان سے بہتر اور دین کی قدر کرنے والے لوگ پیدا فرمادیئے۔ آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ مختلف قوموں، ملکوں اور مذاہب کے جو لوگ اسلام قبول کررہے ہیں۔ وہ موروثی مسلمانوں سے بہتر مسلمان ثابت ہوتے ہیں۔ہم میں سے ہر ایک کو یہ بات ہر وقت اپنے ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ کا دین ہمارا محتاج نہیں۔

سورۂ نوح

سورۂ نوح مکی ہے، اس میں ۲۸ رآیات اور ۲ر رکوع ہیں۔ اس پوری سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے۔اس لئے اس سورت کا نام ہی نوح مقرر ہوا۔قرآن کریم میں صرف دو سورتیں ایسی ہیں جن میں مسلسل ایک خاص ذکر کے علاوہ دوسرا مذکور نہیں۔ایک بارہویں پارہ کی سورۂ یوسف اور دوسری یہ سورۂ نوح۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک میں پہلے بھی مختلف سورتوں میں آچکا ہے اور آپ کے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان ۱۲۰۰ر برس کا فاصلہ مؤرخین نے لکھا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نبی تو ہوئے مگر پہلے نبی جن کو رسالت سے نوازا گیا حضرت نوح علیہ السلام ہی تھے۔

نبی اور رسول میں فرق یہی ہے کہ نبی ہر صاحب وحی کو کہتے ہیں لیکن رسول کے لئے صاحب وحی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب شریعت ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ انبیاء اولوالعزم کا سلسلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوا اور وحی الٰہی سے سرتابی کرنے

والوں پر اوّل عذاب بھی حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے تمام قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے نا آشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں کی پرستش ان کا شعار ہو گیا تھا۔ دنیا میں بت پرستی سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام کے بیٹوں کی وفات کے بعد شروع ہوئی جب ان کی یاد میں ان کی قوم نے ان کی یادگاریں بنالیں اور چومنا اور بوسہ دینا شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ سجدہ شروع ہو گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو استغفار کی تلقین کی اور فرمایا کہ اگر تم استغفار کرو گے اور گناہوں سے باز آ جاؤ گے تو اللہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، تمہیں مال اور اولاد عطا کرے گا، تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کر دے گا پھر انہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں لیکن اس فہمائش اور تذکیر و دعوت کا قوم پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے بتوں وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو آپ نے ان کے لئے اللہ سے ہلاکت کی دعا کی جس میں عرض کیا کہ اے میرے رب! تو زمین پر کسی کافر کو بھی نہ چھوڑنا، آپ کی دعا قبول ہوئی اور ان کفار و فجار کو طوفان میں ہلاک کر دیا گیا۔

اس سورت سے بطور نتیجہ کے خاص باتیں یہ معلوم ہوئیں:

(۱) رسول کی ذمہ داری دعوت حق پہنچا دینا ہے، کسی کو زبردستی راہِ حق پر لگا دینا نہیں۔

(۲) داعیٔ حق کی فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی میں ساری زندگی ختم ہو جائے اور کوئی شخص اس کی دعوت پر لبیک نہ کہے تو بھی داعی حق ناکام نہیں ہے۔ وہ کامیاب ہے کیونکہ اس نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔

(۳) اعتبار تعداد کی قلت و کثرت کا نہیں، ساری قوم نوح میں صرف ۴۰/ یا ۸۰/ افراد وہ بھی ۹۵۰/ سال کی تبلیغ کے بعد ایمان لائے، یہ قلت میں ہونے کے باوجود کثرت سے بہتر اور اعلیٰ تھے۔

(۴) حق کے انکار اور اس کی مخالفت میں اکثر و بیشتر پیش پیش وہی لوگ رہتے ہیں جو دنیوی آسائشوں میں جاہ و مال کے حریص اور خواہشات نفس کے غلام ہوتے ہیں۔

(۵) داعیِ حق انسانیت کی فلاح کے لئے ہمدردی ودلسوزی سے سرشار رہتا ہے اور اگر کسی کے لئے بدعاء کرتا بھی ہے تو اتمام حجت کے بعد۔

(۶) اتمام حجت کے بعد نتیجہ عمل ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

(۷) خدا کے فیصلہ کو ٹالنے والی کوئی طاقت نہیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ اپنے ان متقی بندوں کو جو آزمائش میں پورا اتریں دنیا وآخرت ہر جگہ اپنے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔

سورة الجن

سورۂ جن مکی ہے، اس میں ۲۸/آیات اور ۲/رکوع ہیں۔اس سورت کی ابتداء ہی میں جنات کی ایک جماعت کے متعلق بتلایا گیا کہ انہوں نے قرآن سنا اور اس پر ایمان لائے اور پھر اپنی قوم میں جا کر ایمان واسلام کی تبلیغ کی۔اسی واقعہ کے ذکر کی بناء پر اس سورت کا نام ''الجن'' متعین ہوا۔

حضور نبی کریم ﷺ کو جس طرح انسانوں کے لئے پیغمبر بنایا گیا تھا، اسی طرح آپ جنات کے لئے بھی پیغمبر تھے۔ چنانچہ آپ نے جنات کو بھی تبلیغ فرمائی اور جنات کو تبلیغ کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ آپ کی نبوت سے پہلے جنات کو آسمانوں کے قریب تک پہنچنے دیا جاتا تھا لیکن حضورِ اقدس ﷺ کی بعثت کے بعد انہیں آسمانوں کے قریب جانے سے روک دیا گیا تھا جب کوئی جن یا شیطان آسمان کے قریب پہنچنا چاہتا تو اُسے ایک روشن شعلے کے ذریعے مار بھگایا جاتا تھا۔جیسا کہ سورۂ حجر اور سورۂ صافات میں بھی آیا ہے۔صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ جنات نے جب اس بدلی ہوئی صورتِ حال کو دیکھا تو ان کے دِل میں یہ جستجو پیدا ہوئی کہ اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے۔اس غرض کے لئے اُن کی ایک جماعت دُنیا کا دورہ کرنے کے لئے نکلی۔ یہ وہ وقت تھا جب آنحضرت ﷺ طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے اور نخلہ کے مقام پر پڑاوٗ ڈالے ہوئے تھے۔ وہاں آپ نے فجر کی نماز میں قرآنِ کریم کی تلاوت شروع کی تو جنات کی یہ جماعت اُس وقت وہاں سے گزر رہی تھی۔

اُس نے یہ کلام سنا تو وہ اُسے اطمینان سے سننے کے لئے رُک گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی مبارک زبان سے فجر کے وقت قرآنِ کریم کے پُر اثر کلام نے ان کے دِل پر ایسا اثر کیا کہ وہ جنات مسلمان ہوگئے اور پھر اپنی قوم کے پاس بھی اسلام کے داعی بن کر پہنچے۔ انہوں نے اپنی قوم سے جا کر جو باتیں کیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ اُس کے بعد جنات کے کئی وفود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ نے انہیں تبلیغ وتعلیم کا فریضہ انجام دیا۔

سورة المزمل

سورۂ مزمل مکی ہے، اس میں ۲۰/آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی ''یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّل'' کے خطاب سے ہوئی ہے اسی سے سورت کا نام ''مُزَّمِّل'' قرار پایا۔ ''مُـزَمِّل'' لغت عربی میں اُس شخص کو کہتے ہیں جو بڑے اور کشادہ کپڑے جیسے چادر، کمبل وغیرہ کو اپنے اوپر لپیٹ لے۔

یہ پیار بھرا خطاب حضورِ اقدس ﷺ سے ہے۔ جب آپ پر پہلی پہلی بار غارِ حراء میں جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے تھے تو آپ پر نبوت کی ذمہ داری کا اتنا بوجھ ہوا کہ آپ کو جاڑا لگنے لگا، اور جب آپ اپنی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو یہ فرما رہے تھے کہ مجھے چادر میں لپیٹ دو، مجھے چادر میں لپیٹ دو۔ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں محبوبانہ انداز میں آپ کو ''اے چادر میں لپٹنے والے'' کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ دن کو دین کی دعوت دیتے تھے، رات کو نماز میں طویل قیام فرماتے تھے اور اس میں قرآن کی تلاوت فرماتے تھے، بعض اوقات پوری رات کھڑے رہتے، جس سے قدم مبارک میں ورم آجاتا۔ اللہ نے آپ کو اختیار دیا کہ آپ چاہیں تو آدھی رات قیام کریں یا آدھی سے کم یا کچھ زیادہ۔ راتوں کا یہ قیام روحانی تربیت میں بڑا مؤثر ثابت ہوتا ہے۔

جمہور مفسرین کا قول ہے کہ اس سورت کی ان ابتدائی آیات کے حکم کے تحت آنحضرت ﷺ پر اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ابتدائے اسلام میں پنجگانہ نماز فرض ہونے سے پہلے رات کی عبادت فرض تھی اور یہ حکم قریب ایک برس کے رہا۔ چنانچہ احادیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے اوّل میں قیام اللیل فرض کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ایک برس تک تہجد کی نماز بطور فرضیت کے ادا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے پیروں پر ورم آ گیا۔ پھر ایک برس کے بعد اس سورت کا آخری حصہ "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" نازل ہوا اُس سے تخفیف کی گئی اور امت کے لئے یہ حکم فرض نہ رہا، نفل رہ گیا۔

سورة المدثر

سورۂ مدثر مکی ہے، اس میں ۵۶/آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی "يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ" سے ہوئی ہے یعنی آنحضرت ﷺ کو "مُدَّثِّر" کہہ کر خطاب فرمایا۔ "مُدَّثِّر" عرب کی لغت میں اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک لمبا چوڑا کپڑا اپنے پہنے ہوئے کپڑوں کے اوپر اوڑھ لے جیسے چادر، رضائی، کمبل، لحاف وغیرہ جس سے سردی دور ہو سکے۔

اس سورت کی ابتداء میں حضورِ اکرم ﷺ کو اللہ کی طرف دعوت، کفار کو ڈرانے اور ان کی تکلیفوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ سورت مجرموں اور مخالفوں کو اس دن کے عذاب سے ڈراتی ہے جو ان کے لئے بڑا سخت ثابت ہوگا۔

آیت ۱۱/ سے حضورِ اکرم ﷺ کے اس بدترین دشمن کا تذکرہ ہے جسے ولید بن مغیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ شخص قرآن سنتا تھا اور پہچانتا بھی تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے لیکن بڑا آدمی ہونے کے گھمنڈ میں کفر و انکار کرتا تھا اور قرآن کو معاذ اللہ سحر اور جادو قرار دیتا تھا۔ اس کے بعد یہ سورت اس جہنم کا اور اس کے داروغوں کا ذکر کرتی ہے جن کا سامنا کفار و فجار کو کرنا پڑے گا اور ان کے دلوں میں ان کے لئے کوئی نرمی نہیں ہوگی۔ مزید تاکید اور ڈراوے کے لئے اللہ نے چاند، رات اور صبح کی قسم کھا کر فرمایا کہ جہنم بڑی مصیبتوں میں سے ایک بہت بڑی

مصیبت ہے۔

یہ سورت ہر شخص کی مسئولیت اور ذمہ داری کو واضح کرتی ہے کہ ہر شخص سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا اور سب اپنے گناہوں کے اسیر ہوں گے سوائے ان کے کہ جن کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ اسیر نہیں ہوں گے۔ وہ قیامت کے دن مجرموں سے سوال کریں گے کہ تمہیں کس چیز نے دوزخ میں ڈالا تو وہ جواب میں چار اسباب بیان کریں گے:

☆ پہلا یہ کہ ہم نمازی نہیں تھے۔

☆ دوسرا یہ کہ ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

☆ تیسرا یہ کہ ہم کج بحثی اور گمراہی کی حمایت میں خوب حصہ لیتے تھے۔

☆ چوتھا یہ کہ ہم قیامت کا انکار کرتے تھے۔

سورت کے اختتام پر بتلایا گیا کہ یہ قرآن ایک نصیحت ہے، جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرسکتا ہے لیکن اس کے لئے اللہ کی مشیت بھی ضروری ہے۔

سورة القیامه

سورۂ قیامہ مکی ہے، اس میں چالیس آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی ''لَآ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ '' کے جملہ سے ہوئی ہے یعنی قسم ہے قیامت کے دن کی۔ پھر بعد میں بھی قیامت کے حالات اور قیامت کے ثبوت میں مختلف دلائل دیئے گئے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ قیامہ ہوا۔ اس کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ ایک کافر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ تم جو ہم کو قیامت کے آنے سے ڈرایا کرتے ہو تو اس کا کچھ حال مجھ سے بیان کرو میں سنوں اور دیکھوں، میری عقل میں وقوع قیامت آتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے کچھ قیامت کا حال اُس سے بیان فرمایا۔ اس پر اس کمبخت کافر نے کہا کہ یہ ایسی بات ہے کہ اگر میں اپنی آنکھ سے دیکھوں تو بھی یقین نہ کروں اور اس بات کو سچا نہ جانوں بلکہ یوں کہوں کہ یہ سب نظر بندی اور خیالات ہیں۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں، اس لئے میری عقل ہرگز اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ ہزاروں سال کے

مردوں کی ہڈیاں جو تمام جہاں میں پھیل گئی ہیں۔ان کو خدا جمع کر کے زندہ کرے گا۔اس پر یہ سورت اس کافر کے وقوع قیامت کو بعید اور محال جاننے کے رَد میں نازل ہوئی۔

اس سورت کی ابتداء میں حق تعالیٰ نے دو چیزوں کی قسم کھائی۔ایک تو قیامت کے دن کی یعنی جس کا وقوع یقینی ہے اور جس کے صدق پر دلائل قطعیہ قائم ہیں کہ تم مرنے کے بعد یقیناً ایک دن زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اور ضرور بھلے برے کا حساب ہوگا اور جزا وسزا ہوگی۔دوسرے نفس لوّامہ کی قسم کھا کر فرمایا گیا کہ اگر آدمی کی فطرت اور اندرونی ضمیر صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے۔

نفس کی تین قسمیں ہیں۔(۱) نفس مطمئنہ: نفس اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری کی طرف پوری طرح مائل ہو کہ اللہ کی اطاعت میں اس کو خوشی حاصل ہوتی ہو اور شریعت کی پیروی میں چین وسکون محسوس کرتا ہو۔

(۲) نفس امارہ: جو پہلی قسم یعنی نفس مطمئنہ کی بالکل ضد ہے کہ جو دنیا کی ناجائز لذات وخواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف راغب ہو اور شریعت کی پیروی اور پابندی سے بھاگے اور انسان کو برائی کا حکم دے۔

(۳) نفس لوّامہ: جب غفلت، لغزش یا گناہ کا صدور ہو تو نفس فوراً اپنے کئے پر پچھتائے اور ملامت کرنا شروع کرے اور اپنی برائی یا کوتاہی پر شرمندہ ہو کر توبہ واستغفار کی طرف مائل ہو جائے۔ایسا نفس مومنین صالحین کا ہوتا ہے۔

آیت ۴ رمیں فرمایا گیا ''بَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ '' ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی یعنی انسان کی انگلیوں کے پوروں کو درست کر دیں اس آیت کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ اپنی تفسیر معارف القرآن میں راقم ہیں:

اگر غور کیا جائے تو شاید ''بَنَان ''یعنی انگلیوں کے پوروں کی تخصیص میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ایک انسان کو دوسرے انسان سے ممتاز کرنے کے لئے اس کے سارے ہی بدن میں ایسی خصوصیات رکھی ہیں جن سے وہ پہچانا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔خصوصاً انسانی چہرہ جو چند انچ مربع سے زائد نہیں اس کے اندر قدرتِ حق

تعالیٰ نے ایسے امتیازات رکھے ہیں کہ اربوں پدموں انسانوں میں سے ایک کا چہرہ بھی بالکل دوسرے کے ساتھ ایسا نہیں ملتا کہ امتیاز باقی نہ رہے۔ انسان کی زبان اور حلقوم بالکل ایک ہی طرح ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ایسے ممتاز ہیں کہ بچے، بوڑھے، مرد، عورت کی آوازیں الگ الگ پہچانی جاتی ہیں۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز اور تعجب خیز انسان کے انگوٹھے اور انگلیوں کے پورے ہیں کہ ان کے اوپر جو نقش و نگار خطوط کے جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں وہ کبھی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ملتے۔ صرف ایک یا آدھ انچ کی جگہ میں ایسے امتیازات کہ اربوں انسانوں میں یہ انگلیوں کے پورے مشترک ہونے کے باوجود ایک کے خطوط و نقوش دوسرے سے نہیں ملتے اور قدیم و جدید ہر زمانہ میں نشان انگوٹھا کو ایک امتیازی چیز قرار دے کر عدالتی فیصلے تک اس پر ہوتے ہیں اور فنی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بات صرف انگوٹھے ہی میں نہیں بلکہ ہر انگلی کے پوروں کے خطوط بھی اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں۔ یہ سمجھ لینے کے بعد پوروں کے بیان کی تخصیص خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے انسان (جس سے مراد کافر انسان ہے) کہ تجھے تو اسی پر تعجب ہے کہ یہ انسان دوبارہ کیسے زندہ ہوگا۔ ذرا اس سے آگے سوچ اور غور کر کہ صرف زندہ ہی نہیں ہوگا بلکہ اپنی سابقہ شکل و صورت اور اس کے ہر امتیازی وصف کے ساتھ زندہ ہوگا یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے پوروں کے خطوط پہلی پیدائش میں جس طرح تھے اس نشاط ثانیہ میں بھی بالکل وہی ہوں گے۔

''فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن.''

آیت ۱۶ ار میں یہ سورت بتلاتی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ حفظِ قرآن کا بڑا اہتمام فرماتے تھے اور جبرئیل علیہ السلام کی تلاوت کے وقت اس بات کی شدید کوشش کرتے تھے کہ آپ سے کوئی چیز فوت نہ ہو جائے، اس لئے آپ حضرت جبریل علیہ السلام کی اتباع میں جلدی جلدی پڑھنے اور یاد کرنے کی سعی فرماتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالیں۔ میرا یہ وعدہ ہے کہ قرآن میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی، اسے جمع کرنے، محفوظ کرنے، باقی رکھنے اور بیان کرنے کا میں خود ذمہ دار ہوں۔

اس سورت کی آیت ۲۲ سے بتلایا گیا ہے کہ آخرت میں انسان دو فریقوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک طرف سعداء ہوں گے اور دوسری طرف اشقیاء، سعداء کے چہرے روشن ہوں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گے، اشقیاء کے چہرے سیاہ اور بدرونق ہوں گے اور وہ جان لیں گے کہ آج ہمیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

آیت ۲۳/ میں فرمایا ''اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔'' اہلسنّت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ ﷛ سے نقل کیا گیا ہے کہ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم قیامت میں اپنے رب کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا تم آفتاب کو دیکھنے میں جب کہ بادل نہ ہو شک کرتے ہو یا کوئی مانع ہوتا ہے۔ عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ۔ پھر فرمایا: کیا چودھویں رات کے چاند دیکھنے میں جب کہ کوئی حجاب اور بادل نہ ہو کوئی مانع ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا پھر تم اسی طرح قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے جو حضرت صہیب رومی ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائیں گے کیا تم چاہتے ہو میں تم کو ایک چیز مزید عطا کروں۔ وہ بندے عرض کریں گے آپ نے ہمارے چہرے روشن کئے اور جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کیا (اب اس کے علاوہ کیا چیز ہو سکتی ہے جس کی ہم خواہش کریں) حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان بندوں کے اس جواب کے بعد اچانک حجاب اٹھ جائے گا پس وہ روئے حق اور جمال الٰہی کو بے پردہ دیکھیں گے۔ پس ان کا یہ حال ہوگا کہ جو کچھ اب تک انہیں ملا تھا ان سب سے زیادہ محبوب اور پیاری چیز ان کے لئے یہی دیدار کی نعمت ہوگی۔ یہ بیان فرما کر آپ نے سورۂ یونس کی آیت ۲۶/ تلاوت فرمائی: ''لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ'' (یعنی جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھی بندگی والی زندگی گزاری ان کے لئے اچھی جگہ ہے یعنی جنت ومافیہا اور اس پر مزید ایک نعمت۔ اس مزید ایک نعمت سے مراد مفسرین نے دیدارِ حق لیا ہے۔

سورۃ الدھر

سورۃ الدھر مدنی ہے، اس میں ۳۱/آیات اور ۲/رکوع ہیں۔اس سورت کی پہلی ہی آیت میں لفظ ''دَھْر'' کا آیا ہے جس کے معنی ہیں زمانۂ دراز یا طویل مدت، اسی سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔ نیز اس سورت کا نام دَھر اس وجہ سے بھی ہے کہ اس سورت کے شروع ہی میں دَھر کے باطل عقیدہ کا رد فرمایا گیا ہے۔ دَھر کے باطل عقیدہ رکھنے والے جن کو دَہریہ کہا جاتا ہے ان کے باطل عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ اس جہان میں جو کچھ تجددات اور انقلابات ہو رہے ہیں سب گردش زمانہ اور آسمان وستاروں کے تاثرات سے ہوتے ہیں۔

اس سورت میں اس عقیدہ کا رد فرمایا گیا ہے اور توحید کا ثبوت دیا گیا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت سے ثابت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر میں اس سورت کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

اس سورت کے ابتداء میں اللہ کی قدرتِ عظیمہ کا بیان ہے کہ اس نے کیسے انسان کو مختلف ادوار میں پیدا فرمایا اور اس کو سمع وبصر اور عقل وفہم سے نوازا تا کہ وہ طاعت وعبادت کی ان تمام ذمہ داریوں کو ادا کر سکے جن کا اسے مکلّف بنایا گیا ہے اور زمین کو ایک اللہ کی بندگی سے آباد کر سکے لیکن پھر انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے بعض شکور ہیں اور بعض کفور (ناشکرے) ہیں۔ کافروں کے لئے اللہ نے آخرت میں زنجیریں، طوق اور شعلوں والی آگ تیار کر رکھی ہے اور شکر گزاروں کے لئے وہ جام ہوں گے جن میں کافور کی آمیزش ہوگی، شکر گزاروں کی یہاں تین نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ایک یہ کہ وہ جب کوئی نذر مان لیتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔ دوسری یہ کہ وہ قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں۔ تیسری یہ کہ وہ محض اللہ کی رضا کے لئے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، ان کے نیک اعمال اور صبر کا نتیجہ انہیں جنت کی صورت میں دیا جائے گا جہاں نہ گرمی ہوگی نہ سردی اور نہ دکھ اور غم۔

سورت کے اختتام پر اللہ نے اپنی اس عظیم نعمت کا ذکر فرمایا جس کا کوئی بدل اور کوئی مثال نہیں۔ فرمایا: (اے محمد!) بے شک ہم نے آپ پر بتدریج قرآن نازل کیا ہے پس اپنے رب کے حکم پر قائم رہیں، ان میں سے کسی گناہگار یا ناشکرے کا کہنا نہ مانئے اور اپنے

رب کا نام صبح وشام ذکر کیا کریں اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کریں اور بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کریں۔"

سورۃ المرسلات

سورۂ مرسلات مکی ہے، اس میں ۵۰/آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی "وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا" سے ہوئی ہے۔ اسی سے سورت کا نام "اَلْمُرْسَلٰت" ماخوذ ہے۔

اس سورت کا مرکزی مضمون بھی قیامت و آخرت ہے اور قسمیہ کلام کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ قیامت ضرور واقع ہو کر رہے گی جبکہ پہلے سب دنیا و مافیہا نیست و نابود ہو جائیں گے۔ پھر جب حساب و کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے تو تمام رسول مقررہ وقت پر اپنی اپنی امتوں کو لے کر دربار ربّ العزت میں حاضر ہوں گے۔ یہ سب باتیں قیامت کے دن کے لئے اٹھا کر رکھ دی گئی ہیں اور وہی فیصلہ کا دن ہے جس میں انسانوں کے اعمال کا فیصلہ ہوگا۔ اس لئے انسان کا کام یہی ہے کہ دنیا میں اللہ کو اس کی قدرت کے کارخانے دیکھ کر پہچانے۔ لیکن اگر انسان نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا، اس کے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کی باتوں کو نہ مانا تو پھر ایسے منکر کو سخت سزا ملے گی۔ جہنم میں اُسے داخل کیا جائے گا جہاں آرام و راحت کی کوئی صورت نہ ہوگی بلکہ طرح طرح کے عذاب اور دُکھ ہوں گے اور جو اللہ کے فرمانبردار بندے ہوں گے وہ اس دن سرسبز باغات اور خوشگوار چشموں کے درمیان ہر طرح کی راحت و لطف اٹھا رہے ہوں گے۔ کھانے پینے کے لئے ہر قسم کے میوے و پھل موجود ہوں گے اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ خوب کھاؤ پیو۔ یہ اس کا بدلہ ہے جو تم نے دنیا میں اللہ کی فرمانبرداری اختیار کی تھی لیکن اس دن ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی باتوں کو دنیا میں جھٹلایا تھا بری طرح شامت آئے گی۔ ان کا یہ دنیا کا عیش بس تھوڑے دن کا ہے۔

آخری آیات میں دوبارہ مجرموں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ کھا پی لو اور تھوڑے سے مزے اڑا لو، بالآخر تمہارے لئے ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

انتیسویں سپارے کے چند اہم فوائد

(۱) رسولوں کی تکذیب کفر ہے اور موجب عذاب ہے، اسی طرح ان کے بعد علماء کی تکذیب بھی رسولوں کی تکذیب کی طرح ہے۔ اس لئے کہ عذاب کا سبب اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کرنا ہے۔

(۲) سننے، دیکھنے اور دل کی نعمت پر خاص طور پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ یہ ہی ایمان اور طاعات کی رغبت دلانے والا ہیں۔

(۳) بہت زیادہ قسمیں کھانا، طعنے دینا، چغلیاں لگانا، بھلائی سے روکنا، زیادتی کرنا۔ یہ نافرمانوں کی عادات ہیں، اہل ایمان کی نہیں۔

(۴) نعمتوں کی کثرت اور مصائب دونوں کے ذریعے بندے کو آزمایا جاتا ہے، خوش بخت انسان وہ ہے جو نعمتوں پر شکر اور مصائب پر صبر کرے۔

(۵) اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی دنیا وآخرت دونوں میں عذاب کا باعث بنتی ہے۔

(۶) دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو شخص دنیا میں جیسا عمل کرے گا وہ آخرت میں اس کا ثمرہ خیر یا شر کی صورت میں پائے گا۔

(۷) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے اعراض اور مال کے جمع کرنے میں بہت زیادہ مشغولیت بعض اوقات سلب ایمان کا سبب بن جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کے بارے میں، اس کی آیات میں اور اس کی ملاقات میں شک کرنے لگتا ہے۔

(۸) دعا میں پسندیدہ یہ ہے کہ پہلے اپنے لئے، دعا مانگے اور پھر دوسروں کے لئے۔

(۹) اللہ کے راستے پر استقامت اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت دنیا وآخرت میں خیر کثیر اور سعادت کاملہ کا باعث ہے۔

(۱۰) گناہ کے ہو جانے پر استغفار کرنا واجب ہے اور پسندیدہ عمل یہ ہے کہ تمام اوقات میں ہی استغفار کی کثرت کرے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥
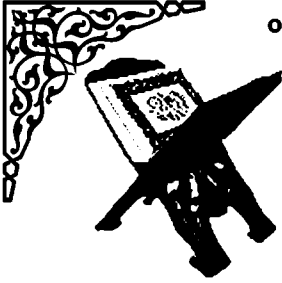
انتیسویں تراویح

عَمَّ يَتَسَآءَلُوۡنَ (تیسواں سپارہ مکمل)

الحمدللہ آج کی تراویح میں تیسویں سپارے کی تلاوت کی گئی ہے۔

سورۃ النباء

اس سورت کی ابتداء ہی میں فرمایا گیا: ''عَمَّ يَتَسَآلُوۡنَ ٥ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِيۡمِ ٥ ''لفظ نبا کے معنی ہیں خبر اور ''نَبَاِ الۡعَظِيۡمِ '' کے معنی ہیں بڑی خبر۔ اس سورت میں ۴۰/ آیات اور دو رکوعات ہیں۔

مشرکین مکہ استہزاء اور تمسخر کے طور پر مرنے کے بعد زندہ ہونے کو اور قرآن کریم کو ''النبأ العظیم ''یعنی ''بڑی خبر'' کہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعی بڑی اور عظیم الشان خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے منہ کی بات لے کر فرمایا کہ اس ''بڑی خبر'' پر تعجب یا انکار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں عنقریب اس کی حقیقت کا علم ہو جائے گا۔ پھر اس پر کائناتی شواہد پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمان و زمین اور ان میں موجودہ چیزیں جن کی تخلیق انسانی نقطۂ نظر سے زیادہ مشکل اور عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی تخلیق فرمائی ہے اور ایسی طاقت وقدرت رکھنے والے اللہ کے لئے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل کام ہے۔

چنانچہ اپنی عظیم الشان قدرت کے دلائل میں نو باتیں فرمائی ہیں:

(۱) ''اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ٥ ''یعنی اے انسانو! کیا ہم نے زمین کو تمہارے لئے فرش نہیں بنایا کہ جس پر سکون واطمینان سے رہ سکو۔

(۲) ''وَالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ٥ ''یعنی کیا ہم نے پہاڑوں کو میخوں کے مانند نہیں بنایا کہ اپنے بوجھ اور بھاری پن سے زمین کو ہلنے نہیں دیتے۔

(۳) ’’وَخَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًاo‘‘یعنی اے بنی آدم ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا، مرد کا جوڑا عورت اور عورت کا جوڑا مرد۔

(۴) ’’وَجَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا o‘‘اور ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لئے راحت بنادیا۔ اگر انسان رات میں یا دن میں اچھی طرح نہ سوئے تو دیکھئے حضرت انسان کی کیا حالت ہوتی ہے۔

(۵) ’’وَجَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًاo‘‘اور رات کو ہم نے پردہ کی چیز بنایا گو اس میں کوئی بھلائی کرتا ہے کوئی برائی۔ چور رات کو چوری کرتا ہے اور عابد وزاہد نماز تہجد اور مراقبہ ذکر میں بیٹھا رہتا ہے۔

(۶) ’’وَجَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًاo‘‘اور ہم نے دن کو تمہاری روزی کے لئے بنایا تاکہ تم دن کے اُجالے میں کام دھندا کرسکو۔ کہیں آجاسکو۔

(۷)’’وَبَنَیۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعًا شِدَادًاo‘‘اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے کہ جن میں آج تک باوجود اس مدت گزرنے کے کوئی رخنہ نہیں پڑا۔

(۸)’’وَجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًاo‘‘اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بھی بنادیا یعنی سورج کو بنایا جو تمام جہان کو روشن کردیتا ہے اور دنیا کو منور کردیتا ہے اور ہر چیز کو جگمگادیتا ہے۔

(۹) ’’وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا o لِّنُخۡرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًاo وَّجَنّٰتٍ اَلۡفَافًا o‘‘اور ہم نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے غلہ وسبزی اور گنجان باغ پیدا کریں۔

پھر ان کے اعتراض کہ ’’اگر یہ برحق بات ہے تو آج مردے زندہ کیوں نہیں ہوتے۔‘‘ جواب میں ارشاد فرمایا ’’ہر چیز کے ظہور پذیر ہونے کے لئے وقت متعین ہوتا ہے۔ وہ چیز اپنے موسم اور وقت متعین میں آموجود ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد زندہ ہونے کا ’’موسم‘‘ اور وقتِ متعین یوم الفصل (فیصلہ کا دن) ہے لہٰذا یہ کام بھی اس وقت ظاہر ہوجائے گا۔ پھر جہنم کی عبرتناک سزاؤں اور جنت کی دل آویز نعمتوں کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے جاہ و جلال اور فرشتوں جیسی مقرب شخصیات کی قطار اندر قطار حاضری اور بغیر اجازت کسی قسم کی

بات کرنے سے گریز کو بیان کر کے بتایا کہ آخرت کے عذاب کی ہولنا کی اور خوف کافروں کو یہ تمنا کرنے پر مجبور کردے گا کہ کاش ہم دوبارہ پیدا ہی نہ کئے جاتے اور جانوروں کی طرح پیوندِ خاک ہوکر عذاب آخرت سے نجات پا جاتے۔

سورۃ النازعات

سورۃ النازعات مکی ہے، اس میں ۴۶/آیات اور ۲ رکوع ہیں۔اس سورت کا پہلا لفظ ''وَالنَّازِعَاتِ'' ہے، جس کا مطلب ہے''قسم ہے کھینچنے والوں کی''جس سے اکثر مفسرین نے مراد ان فرشتوں سے لی ہے جو کافروں کی جان سختی سے نکالتے ہیں۔ اِسی ابتدائی لفظ کی مناسبت سے اس سورت کا نام''اَلنّٰزِعٰت''رکھا گیا۔

اس سورت کا مرکزی مضمون مرنے کے بعد زندہ ہونے کا اثبات ہے۔ ابتداء ان فرشتوں سے کی گئی ہے کہ جو اس کائنات کے معاملات کو منظم طریقے پر چلانے اور نیک و بد انسانوں کی روح قبض کرنے پر مامور ہیں۔ پھر مشرکین مکہ کے اعتراض کے جواب میں قیامت کی ہولنا کی اور بغیر کسی مشکل کے اللہ کے صرف ایک حکم پر قبروں سے نکل کر باہر آجانے کا تذکرہ ہے اور اس پر واقعاتی شواہد پیش کئے گئے ہیں کہ جو اللہ فرعون جیسے ظالم و جابر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے وسائل سے محروم شخص کے ہاتھوں شکست سے دو چار کر کے سمندر میں غرق کرسکتا ہے اور آسمان جیسی عظیم الشان مخلوق کو وجود میں لاسکتا ہے۔ وہ انسان کو مرنے کے بعد زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

آیت ۲۷/ سے اثبات قیامت کے سلسلہ میں تین امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) انسان کا دوبارہ زندہ کیا جانا ممکن ہے۔ اللہ کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔

(۲) اس ساری کائنات کا نظم انتہائی حسن تدبیر کے ساتھ کیا گیا ہے۔اس کے ہر ہر کام سے انتہائی حکمت ظاہر ہوتی ہے تو ایک ایسا باحکمت نظام یونہی بے مقصد نہیں ہوسکتا۔ اس کا کوئی انجام اور مقصد ہونا چاہئے اور وہ انجام و مقصد ہی آخرت ہے۔

(۳) انسان پر اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار انعامات کئے ہیں اور جن سے وہ ہر آن دنیا میں فائدہ اٹھا رہا ہے تو ان انعامات کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ انعامات دینے والا یہ نہ دیکھے

کہ کس نے انہیں پا کر شکر ادا کیا اور کس نے ناشکری کی۔حق وانصاف کا تقاضا بھی ہے کہ ایک دن ایسا ضرور ہونا چاہئے جب یہ جانچا جائے کہ کس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا صحیح استعمال کیا اور اس کا شکر ادا کیا اور کون انہیں غلط طریقہ پر کام میں لایا اور اس کی ناشکری کی اور اس جانچ کے نتیجہ میں شکر کرنے والوں کو اور زیادہ نعمتیں دی جائیں اور ناشکروں کو ان کی غلط روش کی سزا دی جائے اور بس یہی آخرت میں ہوگا اور یہ انصاف کا تقاضا ہے کہ ان دونوں قسم کے انسانوں کے ساتھ معاملہ الگ الگ کیا جائے اور اس مقصد اور ضرورت کے لئے یہ دنیا کی زندگی کافی نہیں۔اس کے لئے ایک اور زندگی کی ضرورت ہے اور وہ قیامت کے بعد ملے گی۔اسی لئے قیامت کا آنا حق اور انصاف کا تقاضا ہے اور وہ ضرور آئے گی۔

جنت وجہنم کے تذکرہ اور صبح وشام کسی بھی وقت قیامت اچانک قائم ہوجانے کے اعلان پر سورت کا اختتام عمل میں لایا گیا ہے۔

سورة عَبَس

سورۂ عبس مکی ہے، اس میں ۴۲/آیات ہیں اور یہاں سے آخر تک ہر سورت ایک رکوع پر مشتمل ہے۔اس سورت کی ابتداء لفظ''عَبَسَ'' سے ہوئی ہے۔''عَبَسَ'' کے معنی ہیں اُس نے تیوری چڑھائی، وہ ترش رُو ہوا۔

ایک دفعہ سرداران قریش کے مطالبہ پر حضور ﷺ ان سے علیحدگی میں دعوت اسلام کے موضوع پر گفتگو کررہے تھے کہ ان کے اسلام قبول کرلینے کی صورت میں ان کے ماتحت افراد بھی مشرف بہ اسلام ہوجائیں گے۔اتنے میں ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کسی قرآنی آیت کے بارے میں معلومات کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔وہ نابینا ہونے کی بناء پر صورتحال سے ناواقف تھے۔حضور ﷺ کو ان کا یہ انداز ناگوار گزرا جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو محبت بھری تنبیہ فرمائی کہ ایک نابینا کے آنے پر منہ بسور کر رُخ موڑ لیا، جو شخص استغناء کے ساتھ اپنی اصلاح کا خواہاں نہیں ہے آپ اس کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں اور جو اللہ کی خشیت سے متاثر ہوکر اپنی اصلاح کی خاطر آپ کے پاس آتا ہے اس سے آپ اعراض کرتے ہیں۔یہ قرآن کریم نصیحت کا

پیغام ہے، جو کسی بڑے چھوٹے کی تفریق نہیں کرتا۔ اس سے جو بھی نصیحت حاصل کرنا چاہے اس کی جھولی علم ومعرفت سے بھر دیتا ہے۔ غریب علاقوں کونظر انداز کر کے فائیو اسٹار ہوٹلوں اور پوش علاقوں کے ساتھ تفسیر قرآن کی مجالس کومخصوص کرنے والوں کی واضح الفاظ میں اس سورت میں مذمت کی گئی ہے۔

آیت ۳۳/ سے قیامت کے دن کی شدت اور دہشت کو بیان کر کے نیک و بد کا ان کے اعمال کے مطابق انجام ذکر فرما کر سورت کو اختتام پذیر کیا گیا ہے۔

سورة التكوير

سورۃ التکویر مکی ہے، اس میں ۲۹/ آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی ''اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ o'' سے ہوئی ہے (جب سورج لپیٹ دیا جائے گا یعنی بے نور ہو جائے گا)۔ تکویر کسی چیز کے لپیٹ دینے کو کہتے ہیں۔ اسی سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔ قیامت وآخرت کے منظر کا نقشہ اس میں کھینچا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ قیامت کے روز کو دنیا میں آنکھوں سے دیکھ لے تو اس کو چاہئے کہ وہ یہ تین سورتیں پڑھے۔ ''اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ o''، ''اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ o''، ''اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ o''

قیام قیامت اور حقانیت قرآن اس کے مرکزی مضامین ہیں۔ قیامت کے دن کی شدت اور ہولنا کی ہر چیز پر اثر انداز ہوگی۔ سورج بے نور ہو جائے گا، ستارے دھندلا جائیں گے، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے، پسندیدہ جانوروں کونظر انداز کر دیا جائے گا، جنگی جانور جو علیحدہ علیحدہ رہنے کے عادی ہوتے ہیں یکجا جمع ہو جائیں گے، پانی اپنے اجزائے ترکیبی چھوڑ کر ہائیڈروجن اور آکسیجن میں تبدیل ہو جائے گا جس کی وجہ سے سمندروں میں آگ بھڑک اٹھے گی۔ انسان کا سارا کیا دھرا اس کے سامنے آجائے گا۔

آیت ۱۵/ سے کائنات کی قابل تعجب حقیقتوں کی قسم کھا کر بتایا گیا ہے کہ جس طرح یہ چیزیں نا قابل انکار حقائق پر مبنی ہیں اس طرح قرآنی حقیقت کو بھی تمہیں تسلیم کر لینا چاہئے۔

آیت ۱۹/ سے قرآن کریم کے اللہ رب العزت سے چل کر حضور ﷺ تک پہنچنے تک

کے تمام مراحل کو انتہائی محفوظ اور قابل اعتماد ہونے کو بیان کرتے ہوئے واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ قرآن کریم دنیا جہاں کے لئے بلا کسی تفریق و امتیاز کے اپنے دامن میں نصیحت و ہدایت کا پیغام لئے ہوئے ہے۔

سورة الانفطار

سورۃ الانفطار مکی ہے، اس میں ۱۹/ آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی ''اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ '' سے ہوئی ہے یعنی جب آسمان پھٹ جائے گا۔''اِنْفِطَار'' پھٹ جانے کو کہتے ہیں۔اسی سے یہ نام ماخوذ ہے۔

قیام قیامت کے نتیجہ میں کائنات میں برپا ہونے والے انقلابی تغیرات کو بیان کر کے انسان کی غفلت کا پردہ چاک کرتے ہوئے اسے محسن حقیقی کے احسانات یاد دلا کر اس کی ''رگِ انسانیت'' کو پھڑکایا گیا ہے اور بڑے پیار بھرے انداز میں انسان سے شکوہ کیا ہے کہ اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے پروردگار سے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔

آیت ۶/ میں معرکۂ خیر و شر کی دو مقابل قوتوں کا تذکرہ کر کے بتایا ہے کہ شر کی قوت فجار اور نافرمانوں کے روپ میں جہنم کا ایندھن بننے سے بچ نہیں سکے گی جبکہ ہر خیر کی قوت ابرار و فرماں برداروں کی شکل میں جنت اور اس کی نعمتوں کی مستحق قرار پائے گی۔اللہ کے نگران فرشتے ''کراماً کاتبین'' ان کے تمام اعمال کا ریکارڈ محفوظ کر رہے ہیں اور روز قیامت اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلے گا۔

سورة المطفّفين

سورۃ المطفّفین مکی ہے،اس میں ۳۶/ آیات ہیں۔اس سورت کی ابتداء ہی ''وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ '' سے ہوئی ہے یعنی بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے۔ مطفّفین کے معنی ہیں ناپ تول میں کمی کرنے والے۔ اسی نسبت سے ان کا نام ''اَلْمُطَفِّفِيْن ''یا ''تَطْفِيف '' رکھا گیا۔

اس سے ہر وہ شخص مراد ہوسکتا ہے جو دوسروں کا حق مارتا اور اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی کرتا ہو۔ایک بدو نے عبدالملک بن مروان سے کہا قرآن کریم میں مطفّفین کے

لئے بڑی سخت وعیدیں ہیں تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے کہ تم لوگوں کے اموال بلا ناپ تول کے ہتھیا لیتے ہو۔

مطففین کی ہلاکت کے اعلان کے ساتھ سورت کی ابتداء ہورہی ہے۔ اس کے بعد بتایا گیا کہ ان کا حال یہ ہے کہ لوگ اپنے مفادات پر آنچ نہیں آنے دیتے جبکہ دوسروں کے حقوق کی دھجیاں بھی بکھیر کر رکھ دیتے ہیں۔ اس انسانی کمزوری کی بڑی وجہ قیامت کے احتساب پر یقین نہ ہونا ہے۔ اگر عقیدۂ آخرت کو پختہ کر دیا جائے تو اس خطرناک بیماری کا علاج ہوسکتا ہے۔ پھر اشرار و فجار کا انجام ذکر کر کے بتایا ہے کہ منکرین آخرت درحقیقت انتہاء پسند اور گناہوں کے عادی لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے دل گناہوں کی وجہ سے ''زنگ آلود'' ہوجاتے ہیں۔ پھر ابرار و اخیار کا قابل رشک انجام ذکر کر کے بتایا کہ جس طرح کافر لوگ دنیا میں ایمان والوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے آج ایمان والے ان کا مذاق اڑائیں گے۔

سورة الانشقاق

سورة الانشقاق مکی ہے، اس میں ۲۵/آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی ''اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ'' سے ہوئی ہے یعنی جب آسمان پھٹ جائے گا۔ ''اِنْشِقَاق'' کے معنی ہیں پھٹ جانا۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام انشقاق ہوا۔

قیامت کے خوفناک مناظر کے تذکرہ پر یہ سورت مشتمل ہے۔ آسمان پھٹ جائیں گے اور زمین پھیل کر ایک میدان کی شکل اختیار کرلے گی اور اللہ کے حکم پر گوش برآواز ہوں گے۔ انسان کو جہد مسلسل اور مشقت کے پے درپے مراحل سے گزر کر اپنے رب کے حضور پہنچنا ہوگا۔ اس وقت انسان دو گروہوں میں تقسیم ہوجائیں گے۔ ایک تو وہ ہوں گے جن کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال کا مل جانا محاسبہ کے عمل میں نرمی اور سہولت کی نوید ہوگا جبکہ دوسرا گروہ وہ ہوگا جس کو نامہ اعمال پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا اور پیٹھ کی طرف سے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال کا ملنا کڑے محاسبہ اور ہلاکت کا مظہر ہوگا۔

آیت ۱۶/ سے قسمیں کھا کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم سب ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف چڑھتے جاؤ گے۔ یعنی کبھی بچپن، کبھی جوانی، کبھی بڑھاپا، اسی طرح

سوچوں اور فکروں میں تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔اس کے باوجود بھی یہ لوگ آخر ایمان کیوں نہیں لاتے اور قرآن سن کر سجدہ ریز کیوں نہیں ہو جاتے۔ درحقیقت ان تمام جرائم کے پیچھے عقیدۂ آخرت اور یوم احتساب کا انکار کا عامل کارفرما ہے۔ چنانچہ فرمایا ایسے افراد کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔اس سے وہی لوگ بچ سکیں گے جو ایمان اور اعمال صالحہ پر کاربند ہوں گے ان کے لئے کبھی منقطع نہ ہونے والا اجر وثواب ہے۔

سورۃ البروج

سورۃ البروج مکی ہے اس میں ۲۲/آیات ہیں۔اس سورت کی ابتداء ہی ''وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ '' سے ہوتی ہے (قسم ہے برجوں والے آسمان کی) لفظ بروج جو اس کی پہلی ہی آیت میں استعمال ہوا ہے ''برج'' کی جمع ہے۔عربی زبان میں ''برج'' قلعہ، مضبوط عمارت، بلند عمارت کو کہتے ہیں۔ یہاں برجوں سے مراد یا تو بارہ برج ہیں جن کو آفتاب ایک سال کی مدت میں طے کرتا ہے یا آسمانی قلعہ کے وہ حصہ ہیں جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں یا بڑے بڑے ستارے مراد ہیں جو دیکھنے میں آسمان پر معلوم ہوتے ہیں۔

اس سورت کے پس منظر کے طور پر احادیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک نوجوان جو شاہی خرچہ پر پل کر جوان ہوا تھا عیسائی ہو گیا تھا جو کہ اس وقت دین برحق تھا اور بادشاہ خود بے دین اور خدائی کا دعویدار تھا۔ بادشاہ نے اس کے قتل کا فیصلہ کیا،اس نے ایمان کے تحفظ میں اپنی جان قربان کر دی۔اس واقعہ سے متاثر ہو کر بادشاہ کی رعیت مسلمان ہوگئی۔ اس نے خندقیں کھدوا کر ان میں آگ جلا دی اور اعلان کر دیا کہ جو ایمان سے منحرف نہ ہوا اسے خندق میں پھینک دیا جائے گا۔ لوگوں نے جان دینا گوارا کر لیا مگر ایمان سے دستبردار نہ ہوئے۔قرآن کریم نے ان کی اس بے مثال قربانی اور دین پر ثابت قدمی کو سراہتے ہوئے قسمیں کھا کر کہا کہ اپنی طاقت و بل بوتے پر خندقوں میں پھینک کر ایمان والوں کو جلانے والے ان پر غالب ہونے کے باوجود ناکام ہو گئے اور اپنی کمزوری اور بے کسی کے عالم میں خندقوں کے اندر جلنے والے کامیاب ہو گئے۔اس سے یہ ثابت ہوا کہ دنیا کا اقتدار اور غلبہ عارضی ہے، اس پر کامیابی یا ناکامی کا مدار نہیں ہے، اصل کامیابی

ایمان پر ثابت قدمی میں ہے۔ پھر خیر وشر کی قوتوں کے انجام کے تذکرہ کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طاقت وقوت، محبت ومغفرت اور جلال وعظمت کو بیان کر کے مجرموں پر مضبوط ہاتھ ڈالنے کا اعلان کیا گیا ہے اور پھر فرعون اور ثمود کی ہلاکت کے بیان کے ساتھ قرآن کریم کے انتہائی محفوظ ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔

سورۃ الطارق

سورۃ الطارق مکی ہے، اس میں ۱۷/آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی میں ''وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ''فرمایا گیا ہے یعنی قسم ہے آسمان کی اور طارق کی۔ طارق کے معنی ہیں جو چیز رات کو نمودار ہو۔ مراد اس سے روشن ستارے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام الطارق ہے۔

اس سورت کا مرکزی مضمون مرنے کے بعد زندہ ہونے کا عقیدہ ہے۔ ستاروں کی قسم کھا کر بتایا گیا ہے کہ جس طرح نظام شمسی میں ستارے ایک محفوظ ومنضبط نظام کے پابند ہیں اسی طرح انسانوں کی اور ان کے اعمال کی حفاظت کے لئے بھی فرشتے متعین ہیں۔ مرنے کے بعد کی زندگی پر دلیل کے طور پر انسان کو اپنی تخلیق اوّل میں غور کی دعوت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ جب اللہ ایک نطفہ سے جیتا جاگتا انسان بنا سکتا ہے تو وہ اللہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

آیت ۱۱/ سے اللہ تعالیٰ نے پانی بھرے آسمان کی اور پھوٹ پڑنے والی زمین کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ قرآن کریم حق وباطل میں امتیاز پیدا کرنے والی کتاب ہے۔ کافر سازشیں کر رہے ہیں اور اللہ ان کا توڑ کر رہے ہیں لہٰذا انہیں مہلت دے دو اور یہ اللہ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکیں گے۔

سورۃ الاعلیٰ

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے اور اس میں ۱۹/آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی '' سے ہوئی ہے یعنی اے پیغمبر ﷺ آپ اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے۔ لفظ ''اعلیٰ'' جس کے معنی ہیں سب سے اوپر،

غالب، سب سے برتر، عالی شان۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''اعلیٰ'' مقرر ہوا۔

سبب نزول اس سورت کا مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر پے در پے قرآنی سورتیں نازل ہونا شروع ہوئیں اور غیب سے بے شمار علوم اور معارف کا فیضان شروع ہوا تو رسول اللہ ﷺ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میں خود پڑھا لکھا نہیں ہوں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی چیز بھول جاؤں۔ اس لئے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی فرمائی کہ آپ نہیں بھولیں گے اور آپ کو بھولنے کا خطرہ ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ اس سورت کو بہت محبوب رکھتے تھے اور وتر کی پہلی رکعت میں اور عیدین اور جمعہ میں اکثر پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں اس کے بعد والی سورۂ غاشیہ تلاوت فرماتے اور جمعہ والے دن اگر عید ہوتی تو عید میں اور جمعہ میں انہی دو سورتوں کو پڑھتے۔

ابتداء سورت میں اللہ تعالیٰ کے ہر عیب و کمزوری سے پاک ہونے کے اعلان کے ساتھ ہی اس کی قدرت کاملہ اور انسانوں پر اس کے انعامات وعنایات کا تذکرہ ہے۔

آیت ۶/ سے اس بات کا بیان ہے کہ نبی کو براہِ راست اللہ ہی تعلیم دیتے ہیں جس میں نسیان اور بھول چوک کی کوئی گنجائش نہیں ہے البتہ اگر اللہ کسی مرحلہ پر قرآن پاک کے کسی حصہ کو منسوخ کرنے کے لئے آپ کے ذہن سے محو کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

آیت ۹/ سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ قرآن کریم سے صحیح معنی میں استفادہ وہی کر سکتا ہے جو اپنے اندر خشیت پیدا کرنے کا خواہش مند ہو اور بد بخت وجہنمی اس قرآن سے فیض حاصل نہیں کر سکتے۔

اس سورت کی آیت ۱۴/ سے یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ کامیاب شخص کون ہے چنانچہ ارشاد فرمایا اپنے نفس کی اصلاح کر کے اسے پاکیزہ بنانے والا کامیاب ہے اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو اللہ کے ذکر اور نماز کا عادی ہو۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور یہ بات حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی موجود ہے۔

سورۃ الغاشیہ

سورۃ الغاشیہ مکی ہے اوراس میں ۲۶/آیات ہیں۔اس سورت کی ابتداءایک سوالیہ جملہ ”ھَلْ اَتٰـــکَ حَـدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ o“ سے ہوتی ہے کہ کیا آپ کو غاشیہ کی کچھ خبر پہنچی ہے۔ غاشیہ قیامت کو کہتے ہیں کیونکہ غاشیہ کا مفہوم ہے چھپا جانے والی، سب کو ڈھانپ دینے والی۔ایک ایسی چیز جس کی پکڑ سے کوئی بھی نہ بچ سکے تو اسی لفظ غاشیہ کی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ الغاشیہ مقرر ہوا۔

اس سورت میں دو اہم مضمون بیان ہوئے ہیں۔ پہلا مضمون یہ ہے کہ یہ سورت بتاتی ہے کہ قیامت کے دن کچھ چہرے ذلیل ہوں گے، انہوں نے بڑی محنت کی ہوگی جس کی وجہ سے تھکے تھکے محسوس ہوں گے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں بڑی عبادتیں و ریاضتیں کی ہوں گی لیکن چونکہ ان کے عقائد صحیح نہیں تھے اس لئے یہ عبادات ان کے کسی کام نہیں آئیں گی، یہ چہرے دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن بنیں گے ان کے برخلاف بعض چہرے تروتازہ اور پُر رونق ہوں گے، یہ وہ چہرے ہوں گے جنہوں نے دنیا میں صحیح رُخ پر محنت کی ہوگی اوران کے عقائد میں بھی باطل کی آمیزش نہیں ہوگی، ان کا مسکن بلند و بالا جنتیں ہوں گی۔اس لئے اس سورت سے معلوم ہوا کہ عموماً لوگوں کا جو نظریہ ہے کہ عبادت ہی کرنا ہے کہیں بھی کرلو، یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح رخ پر، صحیح عقیدے کے ساتھ عبادت ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

دوسرا اہم مضمون جو اس سورت میں بیان ہوا ہے وہ رب العالمین کی وحدانیت کے تکوینی دلائل ہیں، ان میں سے ایک اونٹ ہے جسے صحرائی جہاز بھی کہا جاتا ہے،طویل قد و قامت کے باوجود ایک بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے لے جاتا ہے۔اس کے صبر کا یہ حال ہے کہ دس دس دن تک پیاس برداشت کرلیتا ہے، اس کی غذا بہت سادہ ہوتی ہے، ایسی جھاڑیوں سے پیٹ بھر لیتا ہے جنہیں کوئی بھی چوپایہ کھانا گوارا نہیں کرتا۔

سورت کے آخر میں حضور ﷺ کو انسانیت کے لئے یاد دہانی اور نصیحت کرانے کا حکم ہے اور قیامت کے احتساب کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنے کی تلقین ہے۔

سورۃ الفجر

سورۃ الفجر مکی ہے اور اس میں ۳۰/آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی لفظ ''وَالْفَجْرِ'' سے ہوئی ہے۔ فجر صبح کی روشنی پھوٹنے کا نام ہے، اسی لفظ سے سورت کا نام ''اَلْفَجْر''مقرر ہوا۔

ابتداء میں پانچ قسمیں کھا کر اللہ نے کافروں کی گرفت کرنے اور عذاب دینے کا اعلان کیا ہے اور پھر اس پر واقعاتی شواہد پیش کرتے ہوئے قوم عاد وثمود وفرعون کا تذکرہ اور ان کی ہلاکت کا بیان کیا گیا ہے۔ پھر مشقت اور تنگی میں اور راحت ووسعت میں انسان کی فطرت کو بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جب آرام وراحت ملتا ہے تو اترانے اور عجب میں مبتلا ہونے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس لائق تھا اسی وجہ سے تو مجھے یہ نعمتیں ملی ہیں اور جب تکلیف اور تنگی آتی ہے تو اللہ کی حکمت پر نظر کرنے کے بجائے اللہ پر اعتراضات شروع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اس سورت میں یتیموں اور مسکینوں کی حق تلفی اور حب مال کی مذمت کی گئی ہے اور بعد قیام قیامت اور اس کی سختی وشدت بیان کرنے کے بعد بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے لگیں گے، فرشتے صف بندی کر کے کھڑے ہو جائیں گے اور جہنم کو لا کھڑا کر دیا جائے گا اس وقت کافروں کو عقل آئے گی اور وہ نصیحت حاصل کرنے کی باتیں کریں گے، جب وقت گزر چکا ہوگا۔ اس وقت اللہ ایسا عذاب دیں گے کہ کوئی بھی ایسا عذاب نہیں دے سکتا اور مجرموں کو ایسے جکڑیں گے کہ کوئی بھی اس طرح نہیں جکڑ سکتا۔ اُس وقت اللہ کے وعدوں پر اطمینان رکھنے والوں سے خطاب ہوگا، اپنے رب کی طرف خوش و خرم ہو کر لوٹ جاؤ اور ہمارے بندوں میں شامل ہو کر ہماری جنت میں داخل ہو جاؤ۔

سورۃ البلد

سورۃ البلد مکی ہے، اس میں ۲۰/آیات ہیں۔ اس سورت کی پہلی ہی آیت میں ''بَلَدْ'' کی قسم کھائی گئی ہے جس کے لفظی معنی شہر کے ہیں اور مراد شہر مکہ ہے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام بلد مقرر ہوا۔ سورت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں ایک روایت یہ لکھی ہے کہ قریش میں ایک کافر اُسید بن کلدہ نہایت قوی ہیکل اور زور آور پہلوان تھا اس کو اپنی طاقت پر بڑا

ناز تھا اور اس کی طاقت کا یہ حال تھا کہ اپنے پاؤں سے گائے بیل کا چمڑہ دبالیتا اور لوگوں سے کہتا کہ میرے پاؤں کے نیچے سے چمڑہ کھینچ کر دکھاؤ۔ بہت سے لوگ مل کر زور آزمائی کرتے مگر چمڑہ کھینچنے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا مگر اس کے پاؤں تلے سے نہ نکلتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو دعوت اسلام دی تو وہ کافر ایمان نہ لایا اور اس نے بہت سخت سست کلمات آپ کی شان میں استعمال کئے اور کہنے لگا کہ تم مجھے آتش دوزخ کے موکلوں سے کیا ڈراتے ہو، میرا بایاں ہاتھ اُن سب کو سزا دینے کے لئے کافی ہے۔ میرے مقابلہ کی کون تاب لاسکتا ہے اور مجھ پر کون غالب آ سکتا ہے اور جنت کی نعمتوں سے مجھے کیا پھسلاتے ہو، میں نے شادیوں اور خوشی کی تقریبات میں اتنا مال و دولت خرچ کیا ہے کہ تمہاری جنت کی نعمتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اُس کی ان باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور بتایا کہ انسان کو اپنی قوت اور زور اور مال دولت کی کثرت اور بڑائی پر مغرور و نازاں نہ ہونا چاہئے اور اگر یہ انسان پیدائش سے لے کر موت تک کے واقعات وتغیرات پر غور کرے تو یہ خوب واضح ہو جاتا ہے کہ اسے کس قدر تکالیف اور شدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سورت کی ابتداء میں تین قسمیں کھائی گئی ہیں:

(۱) مکہ مکرمہ کی جس میں نبی ﷺ رہائش پذیر تھے۔

(۲) والد کی (۳) اولاد کی

دنیا کی زندگی میں انسان مشقت اور تکلیف کے مراحل سے گزرتا رہتا ہے۔ نیکی کا راستہ اختیار کرنے میں بھی مشقت آتی ہے اور بدی کا راستہ اختیار کرنے میں بھی مشقت آتی ہے مگر فرق یہ ہے کہ نیکی کی راہ میں مشقت اٹھانے والوں کے لئے اجر وثواب بھی ہے اور سکون و اطمینان بھی جبکہ بدی کی راہ میں مشقت اٹھانے والوں کے لئے صرف دنیا و آخرت کی تکلیف اور عذاب ہی ہے۔

انسان کی ہٹ دھرمی اور اللہ کے راستے سے روکنے کے جرم کے اعادہ پر فرمایا کہ جو کہتا ہے کہ میں نے بہت مال لگا دیا ہے، کیا اسے معلوم نہیں کہ اسے کوئی دیکھ رہا ہے کہ اس نے یہ

مال کس غرض سے خرچ کیا ہے۔

سورت کے آخر میں اللہ نے انسان پر اپنے انعامات کا ذکر فرما کر انسان کو خدمت خلق کی تلقین کی ہے اور نیک و بد کی تقسیم پر سورت کا اختتام کیا گیا ہے۔

سورة الشّمس

سورۃ الشّمس مکی ہے، اس میں ۱۵/آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتدا ہی ''وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا'' سے فرمائی گئی ہے یعنی قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی۔ چونکہ اس سورت کی ابتداء ہی لفظ ''والشّمس'' یعنی آفتاب یا سورج سے ہوئی ہے، اس لئے اس سورت کا نام ''الشّمس'' قرار پایا۔

یہ ایمان و اسلام کے ابتدائی دور کی ایک سورت ہے، جب کہ قریش اور اہل مکہ آنحضرت ﷺ کی دعوت کا انکار کر رہے تھے۔ اللہ کے رسول کی باتوں کو جھٹلاتے تھے اور جن حقیقتوں کی خبر نبی ﷺ دے رہے تھے وہ انہیں سچا نہ جانتے تھے۔ اس سورت میں انہی اہل مکہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے۔

اگر چہ یہ سورت مختصر ہے لیکن توحید اور آخرت کی پوری دعوت اور اس کو نہ ماننے کے نتائج پوری طرح اس میں سمیٹ دیئے گئے ہیں۔

سورت کی ابتداء میں سات قسمیں کھا کر بتایا ہے کہ جس طرح یہ تمام حقائق برحق ہیں، اسی طرح یہ بات بھی برحق ہے کہ انسان کو ہم نے نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی صفت عطاء کی ہے جو اس سے فائدہ اٹھا کر نیکی کا راستہ اختیار کر کے اپنی اصلاح کر لیتا ہے، وہ ہی کامیاب و کامران ہے۔

سورۃ الشّمس کے علاوہ بھی مختلف جگہوں پر قرآن کریم نے فلاح پانے والوں کی کچھ خصوصیات اور علامات بیان کی ہیں۔ مثلاً

(۱) ''تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنا چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔''

(سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۴)

(۲) ''اے ایمان والو! یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو۔ امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔'' (سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۰)

(۳) ''اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرتے رہو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔'' (سورۂ آل عمران، آیت ۲۰۰)

(۴) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد و جدوجہد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔'' (سورۂ مائدہ، آیت ۳۵)

(۵) ''اے ایمان والو! شراب اور جوا، بت اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔'' (سورۂ مائدہ، آیت ۹۰)

(۶) ''(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے، گو تجھے ناپاک چیزوں کی کثرت اچھی لگتی ہو، سوائے عقل والو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''
(سورۂ مائدہ، آیت ۱۰۰)

(۷) ''لہٰذا جو لوگ اُن پر یعنی محمد ﷺ پر ایمان لائیں اور دین قائم کرنے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ان کی حمایت و نصرت کریں اور اُس روشنی کی پیروی کریں جو اُن کے ساتھ نازل کی گئی ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (سورۂ اعراف، آیت ۱۵۷)

(۸) ''اے ایمان والو! جب (حق و باطل کی کشمکش کے میدان میں) کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''
(سورۃ الانفال، آیت ۴۵)

(۹) ''البتہ رسول (ﷺ) اور جو لوگ ان کی ہمراہی میں ایمان لا چکے ہیں انہوں نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا اور انہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں یعنی فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اُن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔'' (سورۂ توبہ، آیت ۸۹،۸۸)

(۱۰) ''اے ایمان والو! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت

کرتے رہو اور بھلائی کے کام کرتے رہو۔ امید ہے کہ اس طرح تم فلاح پاؤ گے۔''

(سورۃ الحج، آیت ۷۷)

الحاصل قرآن کریم میں نہ صرف یہ صاف صاف ظاہر فرمایا گیا کہ کامیابی اور ناکامی کیا ہے بلکہ اس سچی کامیابی کو حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا اور اس راستہ پر چلنے کے لئے ابھارا گیا جو کامیابی کی منزل تک لے جاتا ہے۔

اور جو ''بدی'' کا راستہ اپنا کر گناہوں کی زندگی اپنا لیتا ہے وہ ناکام و نامراد ہے۔ پھر ایک ایسی ہی سرکش اور گناہگار قوم' قوم ثمود کا تذکرہ ہے جنہوں نے اپنی قوم کے رئیس و شریف آدمی کو اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کر کے اونٹنی کے قتل پر مجبور کیا جس کی بناء پر یہ شخص قوم کا بدترین اور بدبخت شخص قرار پایا۔ چنانچہ پوری قوم کو ان کی سرکشی اور بغاوت کے نتیجہ میں ایسے عذاب کا سامنا کرنا پڑا جس سے کوئی ایک فرد بھی نہ بچ سکا اور اللہ تعالیٰ جب کسی کو ہلاک کرتے ہیں تو نتائج سے نہیں ڈرا کرتے۔

سورۃ اللّیل

سورۃ الیل مکی ہے، اس میں ۲۱/آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتدا ہی لفظ ''وَالَّیل'' سے ہوئی ہے۔ لَیل کے معنی رات کے ہیں، اس لئے علامت کے طور پر اس کو سورۃ الیل کہا جاتا ہے۔

اس کی ابتداء تین حقائق کی قسمیں کھا کر فرمایا گیا ہے کہ جس طرح ان حقائق کو تسلیم کئے بغیر چارۂ کار نہیں ہے اسی طرح اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ خیر و شر اور نیکی و بدی کے حوالے سے انسانوں کے اعمال مختلف ہیں جو شخص تقویٰ اختیار کر کے نیکی اور سخاوت کا راستہ اپناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے راستہ کو آسان کر دیتے ہیں اور جو شخص نیکی کا منکر ہو کر بخل اور گناہ کا راستہ اپناتا ہے اللہ اس کا راستہ بھی آسان کر دیتے ہیں لیکن جب یہ نافرمان جہنم کے گڑھے میں گرے گا تو بخل سے بچایا ہوا مال اسے بچا نہیں سکے گا جبکہ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنے والے کو تین انعامات ملتے ہیں:

(۱) تزکیہ ہو جاتا ہے۔

(۲) جہنم سے حفاظت بھی ہو جاتی ہے

(۳) اور اللہ اسے اپنی عطاء وانعام کے ذریعہ راضی بھی کر دیتے ہیں۔

سورة الضحیٰ

سورۃ الضحیٰ مکی ہے، اس میں ۱۱/ آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی لفظ ''ضُحٰی'' سے ہوئی ہے۔ ضحیٰ کے معنی دن چڑھے کا وقت اور آفتاب بلند ہونے کا وقت ہے۔ تو اس سورت کی ابتداء میں اوّل ضحیٰ کی قسم کھائی گئی ہے، اسی وجہ سے اس سورت کا نام ''اَلضُّحٰی'' مقرر ہوا۔

حضور اکرم ﷺ بیماری کی وجہ سے چند روز تہجد کے لئے نہ اٹھ سکے تو آپ کی چچی اُمّ جمیل کہنے لگی کہ آپ کے رب نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا:

(۱) جس طرح دن کے ساتھ اجالا ایک حقیقت ہے، جدا نہیں ہوتا اور رات کے ساتھ اندھیرا ایک حقیقت ہے علیحدہ نہیں ہوتا، اسی طرح یہ بھی نا قابل تردید حقیقت ہے کہ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی آپ سے بیزار ہوا ہے۔

(۲) دنیا و آخرت میں موازنہ کرنے کی تلقین کے ساتھ آخرت کے بہتر ہونے کا اعلان فرمایا گیا ہے۔

(۳) قیامت کے دن امت کے حوالہ سے آپ کو راضی کرنے کی خوشخبری ہے اور پھر ماضی کے تین انعامات و احسانات کی یاد دہانی کروائی گئی ہے کہ (۱) آپ کی یتیمی میں سرپرستی کی (۲) فقر میں غناء عطا فرمائی (۳) شریعت سے بے خبری میں قرآنی شریعت عطاء فرمائی لہٰذا ان انعامات کے شکر میں یتیموں اور حاجت مندوں کی کفالت و سرپرستی کرتے رہئے اور اللہ کے احسانات و انعامات کا اعتراف کرتے رہئے اور لوگوں کے سامنے اسے بیان کرتے رہئے۔

سورة الانشراح

سورۃ الانشراح مکی ہے، اس میں ۸/ آیات ہیں۔

اسی سورت میں حضور ﷺ کے اعلیٰ مرتبہ و مقام کو بیان کرتے ہوئے تین احسانات

بیان فرمائے گئے ہیں:

(۱) آپ کا سینہ کھول دیا یعنی نورِ نبوت سے بھر دیا۔

(۲) نبوت کی ذمہ داریوں کے بوجھ سے آپ کی کمر ٹوٹی جارہی تھی ان سے عہدہ برآ ہونے میں آپ کو سہولت بہم پہنچائی۔

(۳) آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔ حدیث قدسی ہے: ''اَیْنَمَا ذکرتُ ذکرتَ معی'' جہاں میرا تذکرہ ہوگا وہیں آپ کا تذکرہ بھی ہوگا۔

اس کے بعد مکہ مکرمہ کی مشقت و تکالیف سے بھرپور زندگی کے بارے میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ مصائب و تکالیف دیرپا نہیں ہیں۔ تنگی کے بعد عنقریب سہولتوں اور آسانیوں کا دور شروع ہونے والا ہے اور ساتھ ہی فرمایا اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے بعد اپنے رب سے راز و نیاز کے لئے خاص طور پر وقت نکالا کریں۔

سورة التين

سورۃ التین مکی ہے، اس میں ۸/آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی لفظ ''وَالتِّیْن'' سے ہوئی ہے۔ تین عربی زبان میں انجیر کو کہتے ہیں۔ اسی سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔

ابتداء میں تین مقامات مقدسہ کی قسم کھائی کہ جس طرح طور، بیت المقدس اور مکہ مکرمہ کو ''وحی'' کے ساتھ اعزاز و شرف عطا فرمایا، اسی طرح کائنات کی تمام مخلوقات میں انسان کو ''شاہکار قدرت'' بنا کر حسین و جمیل اور بہترین شکل و صورت کے اعزاز و اکرام سے نوازا گیا ہے اور اس انسان کی حیثیت کو چار چاند لگ جاتے ہیں جب یہ ایمان اور اعمال صالحہ سے اپنی زندگی کو مزین کر لیتا ہے اور اگر کفر اور تکذیب کا راستہ اپناتا ہے تو غرور افتخار کی بلندیوں سے قعرِ ذلت میں جا گرتا ہے۔

سورة العلق

سورۃ العلق مکی ہے اور اس میں ۱۹/آیات ہیں۔ ''عَلَق'' جمے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے، ''خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o'' اللہ

نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ اسی سے سورت کا نام ''عَلَق'' ماخوذ ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی میں سے پہلی وحی میں نازل ہونے والی پانچ آیتیں اس سورت کی ابتداء میں شامل ہیں، جن میں قرآنی نصاب تعلیم کے خدوخال واضح کر کے انسان کی سرکشی کے اسباب سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

(۱) اللہ رب العزت کو اور اپنی حقیقت کو فراموش نہ کرنا قرآنی نصاب تعلیم کی بنیاد ہے۔ انسان اسی کو بھول کر تکبر اور سرکشی میں مبتلا ہوتا ہے۔

(۲) مال و دولت اللہ کا انعام ہے اس کی وجہ سے اللہ کے حکموں کو توڑنا اور اعراض کرنا اس کی نعمتوں کا انکار اور سرکشی ہے۔

''فرعون هذه الامة'' ابوجہل کی سرکشی اور تکبر کی انتہاء کو اس سورت میں بیان کیا گیا ہے کہ محمد ﷺ کو نماز جیسے عظیم الشان عمل کی ادائیگی سے روکنے اور آپ کا مبارک سر اپنے ناپاک قدموں کے نیچے کچلنے کی پلاننگ کرتا رہتا تھا۔ سورۂ علق میں اس کو اس نازیبا حرکت سے باز نہ آنے کی صورت میں جہنمی فوج کے ہاتھوں گرفتار کرا کے اس کی جھوٹی اور گناہوں سے آلودہ پیشانی کو بالوں سے گھسیٹ کر جہنم رسید کرنے کی دھمکی دی گئی ہے اور ساتھ ہی نبی مکرم ﷺ کو ایسے سرکش و نافرمانوں کی اطاعت کے بجائے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اس کا تقرب حاصل کرتے رہنے کی تلقین ہے۔

سورۃ القدر

سورۃ القدر مکی ہے، اس میں ۵/آیات ہیں۔ چونکہ اس سورت میں شب قدر کا ذکر فرمایا گیا ہے اسی بناء پر اس سورت کا نام ''اَلْقَدْر'' مقرر ہوا۔ ''قَدْر'' کے معنی تعظیم کے ہیں چونکہ اس شب میں عظمت اور شرف ہے اس لئے اس کو شب قدر کہتے ہیں۔ اس سورت کے سبب نزول میں کئی روایات مروی ہیں۔ بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلی امتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت زیادہ ہوئی ہیں اور آپ کی امت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں۔ اگر وہ نیک اعمال میں اُن کی برابری بھی کرنا چاہیں تو ناممکن ہے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کو رنج ہوا تو اس کی تلافی میں یہ سورت نازل ہوئی اور یہ رات یعنی ''لَيْلَةُ الْقَدْر''

مرحمت فرمائی گئی اور اس کی فضیلت اور بزرگی میں بتلایا گیا ہے کہ ایک شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی ہزار مہینے تک عبادت کرنے کا جو اجر وثواب ہوتا ہے۔ اُس سے زیادہ ایک شب قدر میں عبادت کرنے کا اجر وثواب ہے اور اس زیادتی کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کتنا زیادہ ہے۔ اِس طرح اگر کسی خوش نصیب کو زندگی میں دس راتیں بھی میسر ہوگئیں اور ان کو عبادت میں گزار دیا تو گویا ۸۳۳ر برس چار ماہ سے بھی زیادہ زمانہ کامل عبادت میں گزار دیا۔

اس رات کی فضیلت کی اصل وجہ اس رات میں نزول قرآن کی ابتداء ہے۔ گویا شب قدر کی عظمتوں کا راز نزول قرآن میں ہے اور انسانیت کے لئے یہ پیغام ہے کہ تمہیں بھی عظمتیں مطلوب ہیں تو قرآن کے دامن سے وابستگی میں مضمر ہیں۔ اس رات میں جبریل امین فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اترتے ہیں اور اس رات کے عبادت گزاروں پر سلامتی اور رحمت کے نزول کی دعاء کرتے ہیں اور یہ کیفیت صبح صادق تک برقرار رہتی ہے۔

سورۃ البینہ

سورۃ البینہ مدنی ہے اور اس میں ۸ر آیات ہیں۔ اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ''اَلْبَیِّـنَةُ'' آیا ہے جس کے معنی ہیں کھلی ہوئی دلیل، روشن دلیل۔ جس سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے جو بجائے خود رسالت کی ایک روشن اور واضح دلیل ہے۔ اسی لفظ ''اَلْبَیِّنَة'' کو سورت کا علامتی نام قرار دیا گیا۔

اس سورت میں بتلایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی بجائے خود رسالت کی ایک روشن دلیل ہے کیونکہ آپ نہایت پاکیزہ اخلاق و اعمال و عقائد کی طرف دعوت دینے والی آیات لوگوں کو سناتے اور اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی تعلیم وہدایت فرماتے ہیں۔

اس کے بعد اس سورت میں پڑھے لکھے جاہلوں کے بغض وعناد کا تذکرہ ہے کہ دین فطرت اسلام کا راستہ روکنے کے لئے یہودی وعیسائی اور مشرکین باہم متحد ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی عبادت میں بندوں سے اخلاص اور یکسوئی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

یہ سورت کفر وشرک کے مرتکب انسانوں کو بدترین خلائق اور ایمان وعمل صالح کے علمبرداروں کو بہترین خلائق قرار دیتی ہے اور دونوں جماعتوں کے انجام بھی اس سورت

میں ذکر کیے گئے ہیں۔

سورۃ الزلزال

سورۃ الزلزال مدنی ہے اور اس میں ۸/آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ''اِذَا زُلْـزِلَـتِ الْاَرْضُ زِلْـزَالَهَـا o'' سے ہوئی ہے یعنی جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جائے گی۔ اسی سے سورت کا نام ''زُلْـزِلَتْ'' یا ''زِلْزَال'' ماخوذ ہے جس میں قیامت کے دن میں زلزلۂ عظیم واقع ہونے کی خبر ہے۔

ترمذی کی ایک حدیث میں حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اِذَا زُلْزِلَت '' نصف قرآن کے برابر ہے اور ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ '' ایک تہائی قرآن کے برابر ہے اور ''قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ '' ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور ترمذی کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ''اِذَا زُلْـزِلَـت '' چوتھائی قرآن ہے۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ چوتھائی قرآن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں چار چیزیں ہیں یعنی چار چیزوں کا بیان ہے۔(۱) زندگی، (۲) موت (۳) حشر (۴) حساب اور اس سورت میں صرف حساب کا بیان ہے اور اس کو نصف قرآن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں احوال دنیا کا بھی بیان ہے اور احوال آخرت کا بھی اور اس سورت میں صرف احوالِ آخرت کا بیان ہے لہٰذا یہ سورت ایک حیثیت سے نصف قرآن ہے اور دوسری حیثیت سے چہارم قرآن۔ ایک روایت میں ہے کہ منکرین قیامت پوچھتے تھے کہ قیامت آخر کب آئے گی۔ اس سوال کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی اور ایک پہر رات گزری تھی کہ اس کا نزول ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فجر کا انتظار نہ فرمایا اُسی وقت گھر سے باہر تشریف لائے اور اس کی تعلیم فرمائی۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس کی آخری آیات (جو ایک ذرّہ کے برابر نیکی کرے گا اُسے دیکھ لے گا اور جو ایک ذرہ کے برابر بدی کرے گا وہ اُسے دیکھ لے گا) گویا پورے کلام اللہ کا خلاصہ اور تمام احکام شریعت کی جامع ہیں۔

یعنی معمولی سے معمولی عمل بھی چاہے اچھا ہو یا برا انسانی زندگی پر اپنے اثرات ظاہر

کئے بغیر نہیں رہتا اور قیامت میں خیر و شر ہر قسم کے عمل کا بدلہ مل کر رہے گا۔

سورة العاديات

سورۃ العادیات مکی ہے، اس میں ۱۱ر آیات ہیں۔اس سورت کی ابتداء ہی ''وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ٥'' سے ہوئی ہے۔''علدِيٰت'' جمع ہے ''عَادِيَه'' کی جس کے معنی ہیں تیز دوڑنے والے گھوڑے۔ چوں کہ اس سورت میں عادیات یعنی جنگ کے تیز دوڑنے والے گھوڑے کی وفاداری اور جاں نثاری کا ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے اسی لفظ عادیات کو سورت کا نام دیا گیا۔

اس سورت کی ابتداء میں مجاہدین کی سواریوں کی قسمیں کھا کر جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت و اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جس طرح دوڑتے ہوئے گھوڑوں کا ہانپنا، کھروں سے چنگاریاں اڑانا، صبح سویرے دشمن پر حملہ آور ہونا، گرد و غبار اڑانا اور دشمن کے مجمع میں گھس جانا مبنی برحقیقت ہے اسی طرح انسان میں ناشکری اور حب مال کے جذبات کا پایا جانا بھی ایک حقیقت ہے۔ اگر قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا اور سینہ کے بھیدوں کے ظاہر ہو جانے کا یقین ہوتا تو انسان کے اندر یہ منفی جذبات پیدا نہ ہوتے۔

سورة القارعه

سورۃ القارعہ مکی ہے اور اس میں ۱۱ر آیات ہیں۔ سورت کی ابتداء ہی لفظ ''اَلْقَارِعَة'' سے ہوئی ہے۔''قَارِعَة'' کے معنی ہیں اچانک آ جانے والی، قیامت بھی اچانک اور ناگہاں آ جانے والی مصیبت اور حادثۂ عظیم ہے۔ اسی لئے اس کو ''اَلْقَارِعَة'' کہا گیا اور اسی لفظ سے سورت کو موسوم کیا گیا۔

قیامت و آخرت پر ایمان اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور اس عقیدہ کو پوری طرح دل میں بٹھانے کے لئے قرآن پاک میں جگہ جگہ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سورت میں بھی انسانوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا گیا ہے اور آخرت کی کامیابی اور ناکامی کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ اُس دن جس کی نیکیاں وزن میں زیادہ ہوں گی وہ خاطر خواہ آرام

اور ہر طرح راحت میں ہوگا اور جس کے ایمان کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ جہنم اور اس کی دہکتی ہوئی آگ ہوگا۔

اس سورت میں قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا گیا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو نظامِ کائنات میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوں گی جو انسان کو حیران اور ششدر کر دیں گی۔

سورت کے اختتام پر بتلایا گیا کہ قیامت کے دن انسان کے اعمال کا وزن ہوگا، کسی کی حسنات زیادہ ہوں گی اور کسی کی سیئات اور انہی کے اعتبار سے انسان کے انجام کا تعین ہوگا۔

سورة التکاثر

سورالتکاثر مکی ہے، اس میں ۸، آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی ''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ'' سے ہوتی ہے۔ اسی سے سورت کا نام ''اَلتَّكَاثُر'' ماخوذ ہے۔ تکاثر کہتے ہیں زیادتی اور کثرت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے اور فخر کرنے کو۔ اب وہ زیادتی اور کثرت خواہ مال کی ہو یا جاہ کی ہو یا خاندان، کنبہ قبیلہ کی زیادتی ہو۔

اس سورت کی فضیلت ایک حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی میں طاقت نہیں کہ ہزار آیات روز پڑھ لیا کرے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہزار آیات روز کون پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا کیا تم میں سے کوئی روز ''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ'' بھی نہیں پڑھ سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ تنہا اس سورت کی تلاوت گویا ایک ہزار آیات کی تلاوت کے برابر ہے۔

اس سورت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو صرف دنیا کی زندگی کو اپنا مقصد بنا لیتے ہیں اور دنیا کا ایندھن جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے انہماک کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ انہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے لیکن جب اچانک موت آ جاتی ہے تو ان کے سارے کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور انہیں قصر (محل) سے قبر کی طرف منتقل ہونا پڑتا ہے، ایسے لوگوں کو اس سورت میں ڈرایا گیا ہے کہ قیامت کے دن تمام اعمال کے بارے میں سوال ہوگا اور تم سے اللہ کی نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ امن، صحت، فراغت، اکل و شرب، مسکن، علم اور مال و دولت جیسی نعمتوں کو

کہاں استعمال کیا؟

سورۃ العصر

سورۃ العصر مکی ہے، اس میں تین آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ہی ''وَالْعَصْرِ'' سے فرمائی گئی یعنی قسم ہے زمانے کی۔ ''عَصْر'' عربی زبان میں زمانہ کو کہتے ہیں۔ اسی سے سورت کا نام ''اَلْعَصْر'' ماخوذ ہے۔

اس سورت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ ابوالاسد ایک کافر تھا اور زمانۂ جاہلیت میں وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دوست تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے تو یہ ابوالاسد کافر اُن سے کہنے لگا کہ اے ابوبکر تمہاری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے۔ تم نے تو اپنی ہوشیاری اور ذکاوت سے تجارت میں بہت مال پیدا کیا اور کبھی تم نے نقصان نہیں اٹھایا۔ اب یک لخت ایسے گھاٹے کا سودا کیا کہ آبائی دین چھوڑ کر لات وعزیٰ کی عبادت سے محروم اور ان کی شفاعت سے مایوس ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے بے وقوف جو اللہ اور اللہ کے رسول کا تابعدار بنتا ہے اور دین حق کو قبول کرتا ہے وہ کبھی نقصان میں نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کلام کا حسن ظاہر فرمایا اور اس کافر کے خیال باطل کی تردید فرمائی اور قسمیہ کلام کے ساتھ اس سورت میں فرمایا گیا کہ انسان آخر میں ٹوٹا اور خسارہ اٹھائے گا سوائے ان لوگوں کے جو زندگی میں ایمان لائے اور عمل صالح کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

سورت کی ابتداء میں زمانہ کی قسم کھا کر دراصل ماضی کی تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی ہے کہ چار صفات: (۱) ایمان (۲) اعمال صالحہ (۳) حق کی تلقین کرنے (۴) اور حق کے راستہ کی مشکلات پر صبر کرنے والے ہر دور میں کامیاب رہتے ہیں اور ان صفات سے محروم ہر دور میں ناکام رہے ہیں۔

اس سورت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قرآن کریم میں صرف یہی ایک سورت نازل ہوتی تو انسانی رہنمائی اور ہدایت کے لئے کافی ہو جاتی۔

سورۃ الھمزہ

سورۃ الھمزہ مکی ہے اس میں ۹ ؍آیات ہیں۔ اس سورت کی پہلی ہی آیت میں ''هُمَزَة'' کا لفظ آیا ہے۔ ''هُمَزَة'' کے معنی ہیں لوگوں کے عیب ڈھونڈنے والا، پس پشت عیب نکالنے والا۔ چونکہ اس سورت میں اس بداخلاقی کی سخت سزا بیان کی گئی ہے، اس لئے یہی لفظ ''هُمَزَة'' سورت کا نام مقرر ہوا۔

اس سورت کے شان نزول کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ بعض کفار مکہ مثلاً اَخنس بن شریق، امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ ہر ایک مجلس میں رسول اللہ ﷺ اور مومنین کی بدگوئی کیا کرتے۔ طعنہ زن رہتے اور عیب نکالا کرتے۔ یہ سورت انہی کفار کو متنبہ کرنے کے لئے نازل ہوئی۔

اس سورت میں انسان کی تین بیماریوں کی نشاندہی کی گئی ہے:

☆ پہلی بیماری ہے پس پشت کسی کے عیب بیان کرنا، اسے غیبت کہتے ہیں اور غیبت بدترین گناہ ہے۔ قرآن کریم نے اس کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے۔

☆ دوسری بیماری ہے کسی کو اس کے سامنے اس کے حسب ونسب، دین و مذہب اور شکل وصورت کا طعنہ دینا، اس کا مذاق اڑانا، یہ منافقین کی عادت تھی۔ وہ غریب مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے، یوں ہی یہود ونصاریٰ دینِ حق کا مذاق اڑاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن نہ طعنہ مارنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ فحش بکنے والا اور نہ بے حیائی کرنے والا۔ (ترمذی)

☆ تیسری بیماری ہے حبّ دنیا جس میں مبتلا ہو کر انسان حقوق اللہ کو بھی بھول جاتا ہے اور حقوق العباد کو بھی بھول جاتا ہے اور اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لئے کوئی جگہ نہیں رہتی۔

سورۃ الفیل

سورۃ الفیل مکی ہے، اس میں ۵ ؍آیات ہیں۔ اس سورت کا نام سورۂ فیل اس واسطے

رکھا گیا کہ اس میں اصحاب فیل یعنی ہاتھی والوں کا قصہ مذکور ہے۔ فیل عربی میں ہاتھی کو کہتے ہیں۔

اس سورت میں وہ مشہور قصہ بیان ہوا ہے جو اصحابِ فیل کے قصہ کے نام سے مشہور ہے۔ جس سال حضورِ اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی اسی سال یہ واقعہ پیش آیا۔ صنعاء کے گورنر ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر کعبہ پر چڑھائی کر دی تھی، اس کے ساتھ کم وبیش ساٹھ ہزار جنگجو تھے، جب قریش نے اس کا مقابلہ کرنے اور بیت اللہ کی حفاظت سے انکار کر دیا تو اللہ نے چھوٹے چھوٹے پرندے کنکریاں دے کر بھیج دیئے، ان کنکریوں نے جدید بموں کی طرح تباہی مچادی۔

ہاتھیوں کے خانہ کعبہ پر حملہ آور ہونے اور ان کے عبرتناک انجام کے تذکرہ سے یہ پیغام دیا گیا ہے کہ اللہ کے لشکر لاتعداد ہیں، اگر انسان اللہ کے دین کے دفاع سے پہلوتہی اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے لشکروں میں سے کسی بھی لشکر کو بھیج کر اپنے دین کا دفاع کرے گا حتیٰ کہ حقیر پرندوں سے بھی یہ کام لے سکتے ہیں۔

سورۂ قریش

سورۂ قریش مکی ہے اور اس میں ۴/آیات ہیں۔ اس سورت میں قبیلۂ قریش کا ذکر فرمایا گیا ہے جو کہ مکہ معظّمہ میں آباد تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اور ہمارے پیغمبر خدا ﷺ بھی اسی قبیلہ میں سے تھے اور بیت اللہ کی اور زم زم کے کنویں کی خدمت ہمیشہ سے اسی قبیلہ قریش کے سپرد تھی۔ اس لئے اس سورت کا نام قریش مقرر ہوا۔

اس سورت میں قریش مکہ پر اللہ تعالیٰ نے جو احسانات فرمائے تھے ان کو یاد دلایا گیا اور قریش مکہ اور ان کے واسطہ سے ہر اس شخص کو غیرت دلائی گئی ہے جو براہِ راست اللہ کی نعمتوں، خاص طور پر اللہ کے دین کی برکتوں سے مستفید ہونے کے باوجود اپنے رب کی عبادت اور اس کے دین کے دفاع سے غافل رہتا ہے۔

سورۃ الماعون

سورۃ الماعون مکی ہے اس میں ۷/آیات ہیں۔ اس سورت کی آخری آیت

''وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْن '' ہے یعنی ''مَاعُوْن '' کوروکتے ہیں۔ ''مَاعُوْن '' کے معنی ہیں زکوٰۃ، خیرات یا روزمرہ کے استعمال اور برتنے کی چھوٹی چھوٹی چیزیں۔ جیسے ڈول، رسی، پیالہ، نمک، پانی، آگ، ہانڈی، کلہاڑی، سوئی دھاگہ وغیرہ جن کو مانگنے پر عادتاً دے دیا جاتا ہے۔ تو اس سورت میں ماعون کے روکنے یا منع کرنے کی برائی ہے اسی سے سورت کا نام ''مَاعُوْن '' مقرر ہوا۔

اس سورت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ ابو جہل مردود کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی مالدار بیمار ہوتا تو اُس کے پاس آ کر بیٹھتا اور کہتا کہ اپنے یتیموں کو میرے سپرد کردے اوران کا حصہ میرے پاس امانت رکھ دے کہ میں خبرگیری اور خدمت گزاری ان کی بخوبی کروں گا اور دوسرے وارث ایسا نہ کرسکیں گے۔ بالآخر جب ان کا مال اپنے قبضہ میں کر لیتا تو یتیموں کو اپنے دروازے سے ہانک دیتا پھر وہ بے چارے ننگے بھوکے دربدر گلیوں میں مارے مارے پھرتے۔

اس سورت سے مقصود یتیموں، محتاجوں، بے کسوں اور بے سہارا لوگوں کی امداد و اعانت پر ابھارنا ہے۔ انسانیت کی ہمدردی اور غم خواری کا صحیح جذبہ پیدا کرنا اور ارکانِ دین میں نماز یعنی اللہ کی اطاعت و بندگی اور زکوٰۃ وصدقات وغیرہ کی ادائیگی کی تاکید ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ سورت حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاسداری کی تعلیم دیتا ہے اور اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ جس راہ کی طرف یہ رسول ﷺ بلا رہے ہیں وہی انسانیت کی فلاح اور دین ودنیا کی صلاح کی راہ ہے۔

اس سورت میں منافقین کی تین صفاتِ قبیحہ بیان کی گئی ہیں:

(۱) پہلی یہ کہ وہ نماز سے غفلت برتتے ہیں۔

(۲) دوسری صفت یہ کہ وہ دکھاوے کے لئے اعمال کرتے ہیں۔

(۳) تیسری صفت یہ کہ وہ ایسے بخیل ہیں کہ عام ضرورت کی چیز دینے سے بھی انکار کردیتے ہیں۔

سورۃ الکوثر

سورۃ الکوثر مکی ہے اور اس میں ۳/آیات ہیں۔ سورت کی ابتداء ''اِنَّـآ اَعْـطَیْـنٰکَ الْکَـوْثَرَ'' سے فرمائی گئی۔ یعنی اے نبی ﷺ بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔ اسی لفظ کوثر سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔ کوثر کے لفظی معنی خیر کثیر کے ہیں یعنی بہت زیادہ بہتری اور بھلائی۔ اور اس لفظ کے تحت میں ہر قسم کی دینی و دنیاوی دولتیں، ظاہری و باطنی برکتیں اور حسّی و معنوی نعمتیں داخل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو یا آپ کے طفیل میں امت مرحومہ کو ملنے والی تھیں، ان نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت وہ حوض کوثر بھی ہے جو اسی نام سے مشہور ہے اور جس کے پانی سے حضور ﷺ اپنی امت کو میدان محشر میں سیراب فرمائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے مجھے اور جملہ قارئین اور سامعین کو اس حوض کوثر سے سیراب ہونا نصیب فرمائے۔ آمین۔ غرض اسی لفظ کوثر کی مناسبت سے اس سورت کا نام الکوثر مقرر ہوا۔

سبب نزول اس سورت کا یہ لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے دو فرزند تھے قاسم اور عبداللہ جن کے لقب طیب اور طاہر تھے۔ دونوں صاحبزادوں کا ایک کے بعد ایک مکہ میں انتقال ہوگیا۔ تو مشرکین مکہ میں سے عاص بن وائل سہمی نے اور اس کے ساتھ دوسرے مشرکین نے یہ کہا کہ آپ کی نسل منقطع ہوگئی۔ پس آپ نعوذ باللہ ابتر یعنی بے نام ونشان ہیں۔ ابتر کے معنی ہیں کٹا ہوا۔ عرب میں ابتر اس شخص کو کہتے تھے جس کے بعد اس کی نسل کا سلسلہ ختم ہو چکا ہو اور وہ بے اولاد ہو۔ مطلب مشرکین کا یہ تھا کہ آپ کے بعد آپ کا دین بھی جاتا رہے گا۔ اس کو قائم اور برقرار رکھنے والا کوئی نہ ہوگا گویا یہ دین کا چرچا چند روزہ ہے پھر یہ سب بکھیڑے ختم ہو جائیں گے۔ اس پر حضور ﷺ کی تسلی کے لئے یہ سورت نازل ہوئی۔

سورۃ الکافرون

سورۃ الکافرون مکی ہے، اس میں ۶/آیات ہیں۔ اس سورت میں پہلی ہی آیت ''قُلْ یٰٓـاَیُّهَا الْکٰفِرُوْن'' ہے یعنی اے نبی ﷺ آپ منکرین کو خطاب کر کے کہہ دیجئے کہ اے

کافرو! اسی سے سورت کا نام ''کَافِرُوْن'' ماخوذ ہے۔

اس سورت کی فضیلت میں ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ'' چوتھائی قرآن کے برابر ہے یعنی ثواب میں۔ ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز فجر کی سنتوں میں پڑھنے کے لئے دو سورتیں بہتر ہیں۔ سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص یعنی ''قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ''۔

ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے کہ میں بستر پر جاتے وقت یعنی سونے سے پہلے پڑھ لیا کروں۔ آپ نے فرمایا ''قُل یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ'' پڑھ لیا کرو۔ یہ شرک سے بیزاری کا اظہار ہے یعنی اس کو پڑھ کر سوؤ گے تو شرک سے پاک ہو کر سوؤ گے اور اگر سونے ہی کی حالت میں موت آ گئی تو توحید پر مرو گے۔

سورۃ النصر

سورۃ النصر مدنی ہے اور اس میں ۳/آیات ہیں۔ اس سورت کی ابتداء ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ'' سے فرمائی گئی یعنی جب خدا کی مدد آ پہنچے۔ ''نَصْر'' کے معنی ہیں مدد۔ اسی سے سورت کا نام ''اَلنَّصْر'' مقرر ہوا۔

اس سورت میں اسلامی ترقی کے بامِ عروج یعنی ''فتح مکہ'' کی پیشین گوئی ہے اور لوگوں کے جوق در جوق اسلامی نظام میں داخل ہونے کی پیشین گوئی کی گئی۔ اس سورت میں آپ ﷺ کو تسبیح و تحمید و استغفار میں مشغول ہونے کی تلقین ہے۔

یہ سورت ۱۰ھ میں نازل ہوئی اور اس کے نزول کے بعد آپ ﷺ صرف ۷۰/دن زندہ رہے اور اس کے نزول کے وقت ہی آپ ﷺ نے فرمایا اس سورت میں مجھے میری موت کی اطلاع دی گئی ہے۔

سورۃ اللّھب

سورۃ اللھب مکی ہے اور اس میں ۵/آیات ہیں۔ اس سورت میں خدا و رسول کے

بدترین دشمن ابولہب کا تذکرہ ہے جو آپ کا چچا بھی تھا اور قریش کا سردار بھی تھا اس کی اپنی بیوی سمیت عبرتناک موت کے اعلان کے ساتھ مخالفین اسلام کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرنے والوں کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔

سورۃ الاخلاص

سورۃ الاخلاص مکی ہے، اس میں ۴/آیات ہیں۔ اس سورت میں اگرچہ لفظ اخلاص نہیں آیا ہے مگر اس میں توحید باری تعالیٰ کو ہر قسم کے شرک سے خالص کر کے بیان کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس سورت کا نام ''اخلاص'' رکھا گیا۔ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنا سب کچھ اللہ کے لئے خالص کر دے یعنی بندہ اگر اپنے اللہ سے محبت کرے تو سچائی کے ساتھ کرے اور پھر اس پر جما رہے۔ وہ اس کی اطاعت و بندگی کرے تو سچے دل سے کرے اور ہمیشہ ہر حال میں کرتا رہے۔ وہ اس کی عظمت اور بڑائی کا اعتراف کرے تو خلوص کے ساتھ کرے۔ وہ اس کو اپنا خالق، رازق، مالک تسلیم کرے تو خالص اُسی کو یہ مقام دے وہ بھروسہ کرے تو صرف اُسی پر۔ وہ اپنا سہارا بنائے تو صرف اُسی کی ذات پاک کو۔ غرض یہ کہ وہ اپنا سب کچھ اُس کی ذات کو جانے اور پھر اسی پر جم جائے، اسی کا نام اخلاص ہے۔

یہ سورت اسلام کے بنیادی عقیدہ یعنی توحید سے بحث کرتی ہے۔ توحید کی تین قسمیں ہیں:

(۱) توحید ربوبیت یعنی ہر چیز کا خالق، مالک اور رازق اللہ ہے۔

(۲) توحید الوہیت یعنی ہر عبادت صرف اللہ کے لئے ہو۔

(۳) توحید ذات و اسماء و صفات، یہ ہی وہ قسم ہے جس میں انسان دھوکہ کھاتا ہے کیونکہ وہ غیر اللہ کے لئے بھی وہ ہی صفت ثابت کرنے لگتا ہے جو اللہ کی صفات ہیں۔

سورۃ الفلق

سورۃ الفلق مدنی ہے اور اس میں ۵ آیات ہیں:

اس سورت کی پہلی ہی آیت ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝'' میں لفظ ''فَلَق'' آیا

ہے۔اسی سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔"فَلَق" کے معنی پھاڑ کر یا چیر کر نکالنے کے ہیں۔ یہاں "فَلَق" سے مراد صبح ہے کیونکہ رات کی ظلمت پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔ سورۃ الفلق اور اگلی سورۃ الناس آخری دو سورتیں ہیں اور ان دونوں سورتوں کو "مَعوَّذَتَین" بھی کہتے ہیں یعنی وہ دوسورتیں جن میں استعاذہ کی تعلیم دی گئی ہے۔استعاذہ عربی زبان میں پناہ لینے،حفاظت میں آنے کو کہتے ہیں۔اسی سے لفظ "اَعُوذُ" نکلا ہے جس کا مطلب ہوا کہ میں حفاظت میں آتا ہوں، میں پناہ لیتا ہوں۔

اس سورت میں اللہ نے اپنی ایک صفت بیان فرما کر چار چیزوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔

(۱) مخلوق کے شر سے

(۲) اندھیرے کے شر سے (عام طور پر چور، شیاطین، جنات، حشرات اور ساحر اندھیرے ہی میں اپنا کام دکھاتے ہیں۔

(۳) پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے جو کہ جادو اور ٹونے کرتی ہیں۔ یہ کام اگرچہ مرد بھی کرتے ہیں لیکن عورتیں تعویذ گنڈے میں ہمیشہ پیش پیش دکھائی دیتی ہیں اس لئے قرآن نے عورتوں کا خاص طور ذکر کیا ہے۔

(۴) حاسد کے شر سے۔

سورۃ الناس

سورۃ الناس مدنی ہے اور اس میں ۶ آیات ہیں۔چوں کہ اس سورت میں لفظ "اَلنَّاس" کئی مرتبہ آیا ہے جس کے معنی لوگوں کے ہیں،اس لئے اس سورت کا نام سورۃ الناس مقرر ہوا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی ﷺ جب رات کو سونے کے لئے اپنے بستر پر جاتے تو دونوں ہاتھوں کو ملاتے اور پھر ان پر "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"۔"قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ. قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس "پڑھ کر پھونکتے اور پھر دونوں ہاتھوں کو جسم پر جہاں

تک ہاتھ پہنچتا پھیرتے اور سر و چہرہ سے ہاتھوں کو پھیرنا شروع فرماتے اور پھر بدن کے اگلے حصہ پر پھیرتے ہوئے سارے جسم پر پھیرتے اور تین مرتبہ اس طرح کرتے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث و مفسر دہلوی رحمہ اللہ نے ان دونوں سورتوں یعنی سورت الفلق اور سورۃ الناس کی تفسیر کے سلسلہ میں ایک عجیب اور نہایت لطیف نکتہ یہ لکھا ہے کہ سورۂ فلق میں اللہ تعالیٰ کی ایک ہی صفت بیان کی گئی ہے یعنی رب الفلق اور تین چیزوں کی برائی سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔

(۱) ایک تاریکی کے شر سے

(۲) دوسرے سحر کے شر سے

(۳) تیسرے حاسد کے شر سے

اور سورۃ الناس میں ایک ہی چیز کی برائی سے پناہ مانگی گئی ہے یعنی شیطان کے وسوسہ سے اور اللہ تعالیٰ کی تین صفتیں۔ ''رب الناس''، ''مَلِکِ النَّاس'' اور ''اِلٰہِ النَّاس'' بیان کی گئی ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ دین کی حفاظت مقدم اور زیادہ ضروری ہے جان اور بدن کی حفاظت سے۔ اس وجہ سے کہ کے وسواس شیطانی دین کو خراب کرنے والے ہیں اور وہ تینوں چیزیں یعنی تاریکی، سحر اور حسد جان و بدن کو ضرر پہنچانے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی جان سے زیادہ اپنے دین وایمان کو کی حفاظت کی توفیق و ہمت عطا فرمائیں۔

۳۰واں سپارہ

(۱) عنقریب موت کے وقت ان باتوں کا علم حاصل ہو جائے گا جس کے بارے میں لوگ اختلاف کرتے ہیں مگر اس وقت اس علم کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

(۲) مومن اور کافر سب کے اعمال کو جمع کیا جا رہا ہے اور ان کو ان اعمال کا بدلہ جائے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے مگر بندے کے لئے یہ جائز نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی قسم کھائے۔

(۴) موت کے وقت مؤمن کی روح بہت تیزی سے نکلتی ہے اور اس کو اس کے نکلنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی مگر کافر کو ہوتی ہے۔

(۵) انسان کے اوپر اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ اگر وہ ہمیشہ روزہ رکھے اور ہر وقت نماز بھی ادا کرتا رہے تو بھی اس کے شکر سے قاصر ہے۔

(۶) ایمان اور تقویٰ کا ثمرہ قیامت کے دن ظاہر ہوگا جب ان کی وجہ سے اہل ایمان کے چہرے چمکیں گے اور کفر اور نافرمانی کا ثمرہ بھی اسی وقت ظاہر ہوگا جب اہل کفر کے چہرے سیاہ اور پریشان حال ہوں گے۔

(۷) قیامت کی ہولناکی کو یاد رکھنے کے لئے سورہ تکویر، سورہ انفطار اور سورہ انشقاق کی تلاوت کرتے رہنا چاہئے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ جو چاہے کہ قیامت کے مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو وہ ان سورتوں کی تلاوت کرے۔

(۸) یتیموں کا اکرام نہ کرنا، غرباء و مساکین کا خیال نہ رکھنا، میراث کو مستحقین میں تقسیم نہ کرنا اور مال کی زیادہ محبت رزق کی تنگی کا باعث بن جاتی ہے۔

(۹) جہنم کی آگ سے بچاؤ اور جنت میں دخول یہ موقوف ہے اس بات پر کہ انسان اپنے نفس کی پاکیزگی کا اہتمام کرے گناہ اور معاصی سے بچنے کے ذریعے۔

(۱۰) اہل ایمان پر واجب ہے کہ وہ شیاطین جن وانس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے رہیں۔

ماخذ

☆ معارف القرآن	مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ
☆ معارف القرآن	مولانا ادریس کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ
☆ درس قرآن	مولانا محمد احمد صاحب رحمہ اللہ
☆ خلاصۃ القرآن	داعی قرآن مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمہ اللہ
☆ خلاصۃ القرآن	مفتی عتیق الرحمٰن رحمہ اللہ
☆ آسان ترجمہ قرآن	شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ
☆ دروس القرآن	مفتی عتیق الرحمٰن رحمہ اللہ
☆ ایسر التفاسیر	ابوبکر جابر الجزائری رحمہ اللہ
☆ انوار البیان	مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ
☆ تسہیل البیان	داعی قرآن مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمہ اللہ
☆ معالم العرفان	مولانا عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ

کیا آپ کے بچے نے اس سال حفظ قرآن کریم کی سعادت حاصل کی ہے؟
کیا آپ چاہتے ہیں کہ
تو پھر تشریف لائیے
حضرت مولانا مفتی ثناء الرحمن صاحب
مدرسہ مفتاح العلوم
جہاں ترتیب دیا گیا ہے
پانچ سالہ میٹرک پروگرام
داخلے جاری ہیں
جماعت / Class
مدت / Duration
عمر کی حد
ابتدائیہ: پہلی تا پانچویں جماعت
ایک سال
10 تا 12 سال
متوسطہ اوّل: چھٹی، ساتویں کلاس
ایک سال
11 تا 14 سال
متوسطہ دوم: آٹھویں کلاس
ایک سال
13 تا 15 سال
عربی، انگلش بول چال کی خصوصی کلاسز
تعلیمی اوقات
صبح 8 تا ظہر نماز
شرائط داخلہ
★ طالب علم میں مطلوبہ درجہ کی استعداد ہو
★ حافظ قرآن ہو یا
★ ناظرہ قرآن کریم درست پڑھ سکتا ہو
رابطہ
مدرسہ مفتاح العلوم
0333-2173256

فلاحِ دارین
کے قارئین کے لئے خوشخبری
الحمد للہ!
اب ماہنامہ "فلاحِ دارین" انٹرنیٹ پر بھی پڑھا جا سکے گا
① اس لنک پر پڑھیے:
https://archive.org/details/@falah-e-darain
② ماہنامہ "فلاحِ دارین" کے فیس بک آفیشل پیج "falahedarain" پر۔
③ 0334-3595001-0333-2173256 نمبروں پر اپنا واٹس ایپ نمبر Save کروائیں۔
فی رسالہ
-/30 روپے
سالانہ
-/400 روپے
ان شاء اللہ
ہر مہینے کی 15 تاریخ تک رسالہ اپ لوڈ کر دیا جایا کرے گا۔
یہ سہولت درحقیقت ان لوگوں کے لئے ہے جو ملک سے باہر ہیں یا ایسے علاقوں میں ہیں جہاں رسالہ ان تک دستی یا ڈاک کے ذریعے نہیں پہنچ پاتا ایسے حضرات تک رسالہ مندرجہ بالا کسی بھی طریقے سے پہنچا کر آپ بھی دعوت الی الخیر میں اپنے حصہ ملا سکتے ہیں۔
جو حضرات رسالہ خرید سکتے ہیں یا ڈاک کے ذریعے ان تک پہنچ سکتا ہے ان کو چاہئے کہ وہ رسالہ خود بھی خرید کر پڑھیں اور دوسروں تک بھی پہنچائیں تاکہ رسالہ تیار کرنے، چھپوانے اور دیگر امور میں جو محنت اور اخراجات ہوتے ہیں وہ وصول بھی ہو سکیں اور آپ کا حصہ اس کارِ خیر میں بھی شامل ہو سکے۔

مدرسہ مفتاح العلوم
علوم نبویہ کی ترویج واشاعت واخلاقی تربیت کا مستند ادارہ
شعبہ حفظ
میں
داخلے جاری ہیں
خصوصیات
★ انداز قرأت اور منزل کی پختگی پر خصوصی توجہ
★ دینی تربیت پر خصوصی توجہ
★ روزمرہ کی مسنون دعاؤں اور نماز کی عملی مشق
★ حفظ کے ساتھ روزانہ ایک گھنٹہ پرائمری کی تعلیم
★ حفظ کے بعد پانچ سالہ میٹرک سسٹم
★ سی سی ٹی وی کیمروں کے ذریعہ تعلیمی نگرانی
تعلیمی اوقات
صبح 8 تا نماز عصر
داخلے کی عمر
6 سال
ٹرانسپورٹ کی سہولت
گلبرگ، طاہرولا، عائشہ منزل، نصیرآباد، واٹرپمپ، دستگیر وغیرہ
مدرسہ مفتاح العلوم
جامع اسلامیہ طلحہ ٹاؤن، بلاک N،
تارچھ ناظم آباد بالمقابل کیفے پیالہ
0333-2173256 - 0334-3595001